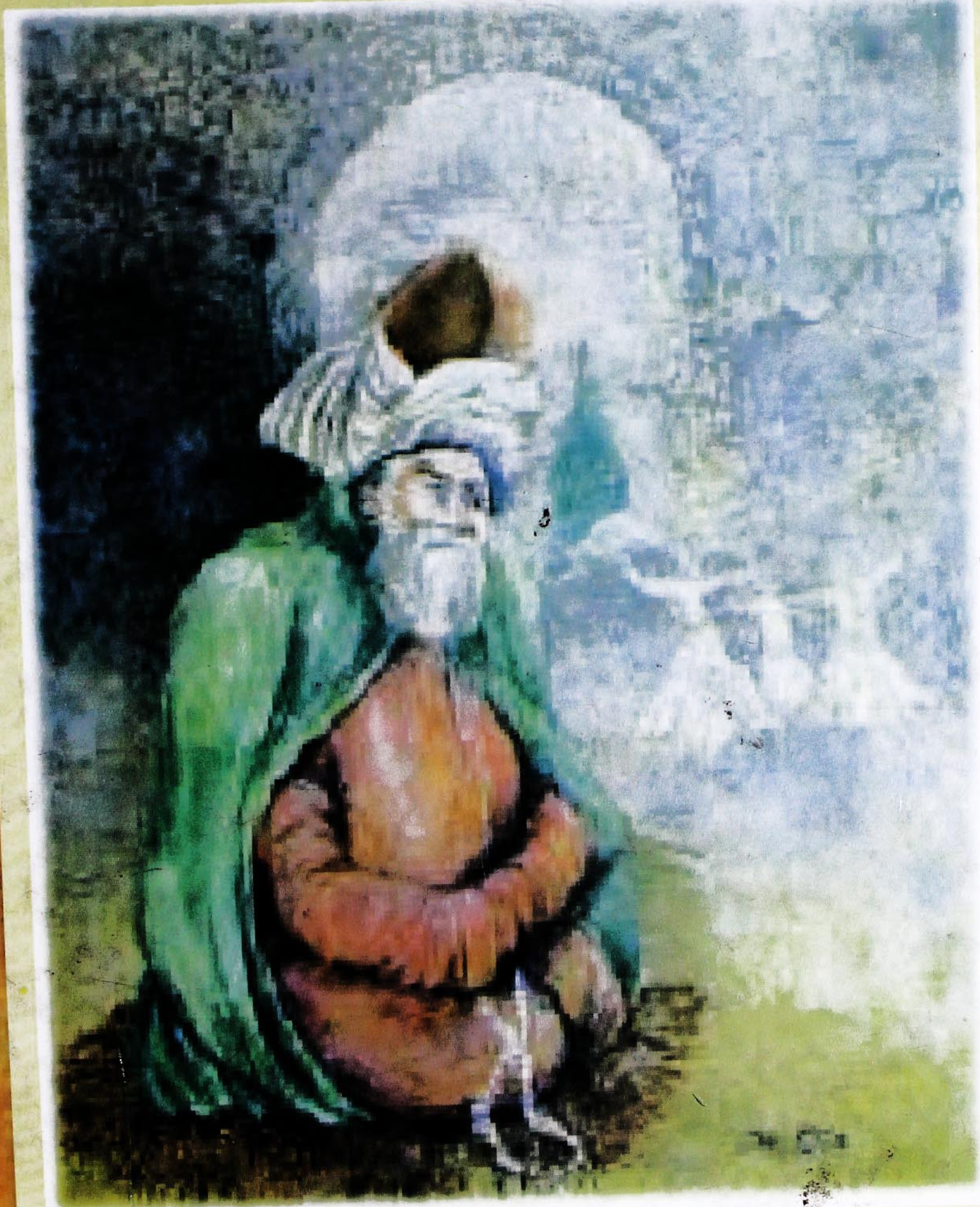

تفسیر رومیؒ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر رومیؒ

تالیف و ترجمہ:

امام المفسرین، سلطان العارفین، جانِ غوث الوریٰ، عطائے مصطفےٰ، حبیبِ کبریا، سراپا جود وسخا

حضور پُرنور سیدنا پیر عطا محمدؒ صاحب قادری رضی اللہ عنہ

مقدمہ : ڈاکٹر نفیس اقبال

زیرِ سرپرستی

ڈاکٹر نفیس اقبال

آستانہ غوثیہ

جی۔ٹی روڈ گوجرانوالہ

Marfat.com

اَلصّلوٰۃُ
وَالسّلَامُ عَلَیکَ
یَا سَیّدی
یَارَسُولَ اللّٰہ
وَعَلیٰ آلِکَ
وَاَصحَابِکَ یا سَیّدی
یَاحبیبَ اللّٰہ

۱۰۸۵۵۵

Marfat.com

مقدمہ تفسیر رومیؒ

روحانی بحران سے دوچار اور احساسِ زیاں سے بے خبر ہماری جدیدیت کی علمبردار نئی نسل کو حقائق سے آگہی کے لیے اپنے حال کو ماضی سے مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زندگی ایک مسلسل اور مربوط عمل ہے اور ماضی، حال اور مستقبل ایک ارتقائی صورت کے نشانات ہیں۔ دوسری اقوام اور ملکوں سے مثبت چیزوں کا انتخاب کوئی بری بات نہیں مگر مغرب کی ہر بات کو بلا غور و فکر قبول کرنا مناسب نہیں ہے۔ غور و فکر کے لئے ماضی و حال کے درمیانی فاصلوں میں تطبیق ضروری ہے اور اس تطبیق کے لیے ماضی کے ورثے سے فیض یاب ہونا اور قدیم و جدید کے فاصلوں کو پاٹنے کے لیے فکری سرمائے کی بازیافت ضروری ہے۔

آج ہم اپنے فکری سرمایہ یعنی حکمتِ رومی سے موتی چننے کے لیے ''تفسیرِ رُومیؒ'' کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے جو مولانا روم کی فارسی نثر میں واحد تصنیف رسالہ ''فیہ مافیہ'' کی تفسیر ہے۔

فیہ مافیہ کے بارے میں:

''فیہ مافیہ'' مولانا روم کی باقاعدہ تصنیف نہیں بلکہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اہلِ قلم آپ کی مجلس میں اپنے مسائل پیش کرتے۔ مولانا ان مسائل پر اپنی مجالس میں روشنی ڈالتے ہوئے جو ارشاد فرماتے، آپ کے صاحبزادے سلطان بہاؤالدین انہیں محفوظ کر لیتے اور ''فیہ مافیہ'' انہی مرتب کردہ ارشادات کا مجموعہ ہے۔ مولانا روم کی فارسی نثر کی یہ کتاب ''فیہ مافیہ'' گزشتہ پچیس تیس سال کی دریافت ہے۔ اس سے قبل کم از کم پاک و ہند اور ایران میں عام پڑھا لکھا طبقہ اس تصنیف کے وجود سے قطعاً ناآشنا تھا۔ زیادہ سے زیادہ کسی پرانے تذکرہ میں اس کتاب کا نام نظر آ جاتا تھا۔ پروفیسر نکلسن اپنے انگریزی مقدمہ ''انتخاب دیوان شمس تبریز'' مطبوعہ کیمبرج کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھتے ہیں: ''جلال الدین نثر کے بھی ایک رسالہ کے مصنف ہیں جس کا نام ''فیہ مافیہ'' ہے۔ یہ رسالہ تین ہزار شعروں پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ تر معین الدین پروانہ سے رومی کا خطاب ہے۔ اس رسالہ کے قلمی نسخے نایاب ہیں۔'' (۱)

مولانا شبلی نعمانی سوانح مولانا رومی مطبوعہ کانپور کے صفحہ ۴۶ پر مولانا روم کی تصانیف کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:

Marfat.com

''فیہ مافیہ'' ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کے نام لکھے۔ یہ کتاب بالکل نایاب ہے۔'' (۲)

پروفیسر نکلسن نے ''فیہ مافیہ'' کو اشعار کا مجموعہ اور مولانا شبلی نعمانی نے خطوط کا مجموعہ قرار دیا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے سب سے پہلے اس کتاب کو کتابی صورت میں شائع کیا انہوں نے ۱۹۲۸ء میں اعظم گڑھ میں اسے چھاپا اور اس کے بعد پروفیسر بدیع الزماں فروز انفر نے ۱۹۵۰ء میں نسخ ٹائپ میں طہران سے شائع کیا۔ اس کتاب کے دو مختلف ایڈیشن ایک ہندی ایڈیشن اور دوسرا ایرانی ایڈیشن بازار میں موجود ہیں۔ دونوں ایڈیشنوں کے متن ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایرانی ایڈیشن میں کل ۷۴ فصلیں ہیں جن میں سے ۶۸ فصلیں فارسی میں ہیں اور ۶ فصلیں عربی میں ہیں۔ ہندی نسخوں میں فصلیں ہی نہیں صرف استنبولی نسخے میں فصلیں تھیں۔ اصل کتاب میں کسی فصل کا کوئی عنوان نہیں صرف ''فصل'' لکھ کر عبارت شروع کر دی گئی ہے۔ بہت کم فصلوں میں پیراگراف موجود ہیں۔ چھ چھ صفحہ کی بعض فصلیں ہیں جو ایک ہی پیراگراف میں ہیں'' (۳)

''فیہ مافیہ'' میں بیان کردہ مسائل تقریباً وہی ہیں جو مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں وضاحت سے بیان کیے ہیں۔'' دیوانِ شمس تبریز'' کا تغزل بھی انہی اسرار و رموز سے مملو ہے۔ اسی لئے عبدالرشید تبسم کی ''ملفوظاتِ رومی'' میں لکھا ہوا ہے:

''یہ تمام صورتحال اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ ''مثنوی'' اور'' دیوان شمس تبریز'' کو سمجھنے کے لئے '' فیہ مافیہ '' کا مطالعہ بے حد مفید ہے اس کے مطالعے سے مولانا کے بنیادی تصورات سے بڑی حد تک روشناس ہوا جا سکتا ہے'' (۴)

''فیہ مافیہ'' کا ترجمہ اردو میں ''ملفوظاتِ رومی'' کے نام سے عبدالرشید تبسّم نے جون ۲۰۰۰ء میں کیا۔ ''ملفوظاتِ رومی'' مکتبہ جدید پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ ''ملفوظاتِ رومی'' میں مضامین کے اعتبار سے عنوان مقرر کر دیے گئے ہیں اور ہر فصل کو متعدد پیروں میں توڑ دیا گیا ہے۔ ''ملفوظاتِ رومی'' کے مصنف کے مطابق ''فیہ مافیہ'' کی عبارت کئی مقامات پر ٹیلیگرافک قسم کی عبارت ہے جس کا مفہوم واضع نہیں۔ (۵)

تفسیر رومیؒ:

Marfat.com

''فیہ مافیہ'' کے ملفوظات کی عبارت کا مفہوم واضع نہ ہونے کی وجہ سے صوفی عطا محمدؒ قادریؒ نے انہی ملفوظات کو تفسیر قرآن مجید کی طرز پر جمع کر کے سلیس اردو زبان میں ترجمہ کر دیا ہے اور اس کا نام ''تفسیرِ رومیؒ'' رکھا ہے۔ ''تفسیرِ رومیؒ'' کے ملفوظات کی ترتیب ''ملفوظاتِ رومی'' کی ترتیب سے مختلف ہے۔ اگر ہم ''تفسیر رومیؒ'' کو بطور ترجمہ دیکھیں تو ''فیہ مافیہ'' کے اس ترجمہ میں صوفیانہ شان نظر آتی ہے۔ ''تفسیرِ رومیؒ'' کے مولف و مترجم صوفی عطا محمدؒ قادریؒ چونکہ خود با کمال صوفی تھے اس لیے ''تفسیرِ رومیؒ'' میں ایک صوفی نے دوسرے صوفی کی فکر کو بڑی خوبی سے اس ترجمہ میں منتقل کیا ہے۔ یہ صرف زبان کا منتقل ہونا نہیں بلکہ ایک صوفیانہ فکر کا منتقل ہونا ہے۔ جو شخص کسی متن کو خود نہیں سمجھتا وہ کسی دوسرے کو سمجھانے میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ ایک صوفی چونکہ صوفیانہ مضامین کو سمجھتا ہے اس لئے اُس کے ترجمے میں جذبِ دروں شامل ہوتا ہے اور اس کی تحریر میں حال کا رنگ شامل ہو کر ترجمے میں جان ڈال دیتا ہے۔ ''تفسیرِ رومیؒ'' کے مترجم کی رسائی ادراکِ مولانا روم تک تھی جس کا ذکر انہوں نے سببِ تالیف تفسیرِ رومیؒ میں کیا ہے:

''رات کو خواب میں قبلہء عالمیان اعلےٰ حضرت جناب سیّدی و مرشدی قبلہ جلوؔ آنوی کی زیارت پُر بشارت اِس حال میں نصیب ہوئی کہ آپ مجھ کو لُغاتِ کشوری عطا کر رہے ہیں۔ یہ مسکین سمجھ گیا کہ آپ مجھے ''فیہ مافیہ'' سے تفسیرِ رُومیؒ تالیف کر کے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ معاً خیال گذرا کہ حضرت مولانا رومؒ کے ملفوظات شریف قرآن مجید و احادیث شریف کے اسرار و رموز کا گنجینہ ہے۔ حضرت مولانا رومؒ کا ادراک نہایت ہی عالی ہے۔ اس مسکین کے لیے اُن حقائق و دقائق کا سمجھنا شاید مشکل ہو۔ رات ہی کو خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بلند گھوڑا ہے اور قبلہء عالمیان اعلیٰ حضرت سیدی و مرشدی و مولائی اِس مسکین کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر گھوڑے پر سوار کر رہے ہیں اور گھوڑا ابھی اپنی پشت نیچی کر رہا ہے۔ یہ مسکین سمجھ گیا کہ اونچا گھوڑا حضرت مولانا رومؒ کا عالی ادراک ہے اور سیدی و مرشدی و مولائی اِس مسکین کو اُس ادراک پر سوار کر رہے ہیں اور حضرت مولانا رومؒ خود اِس مسکین کو اُن حقائق و دقائق کے فہم کے لیے ہمت اور تصرف سے کام لینے کو تیار ہیں'' (۶)

Marfat.com

''تفسیرِ رومیؒ'' کے مترجم مذکورہ تحریر کے بعد لکھتے ہیں کہ اِن مبارک بشارتوں کے بعد اس مسکین نے پہلے تفسیرِ رومیؒ تالیف کی اور بعد میں اُس کا اُردو ترجمہ پیش کیا (۷)

''تفسیرِ رومیؒ'' کا پہلا ایڈیشن اشرف پریس لاہور سے ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا۔ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل اس ایڈیشن کے آخری صفحات پر ''سببِ تالیف تفسیرِ رومیؒ'' کے تحت بتایا گیا ہے کہ جب صوفی عطا محمدؒ قادریؒ کے پیرومرشد پیر غلام محمدؒ صاحب قبلہ امام جلویؒ نے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا تو غم کا پہاڑ اُن کے سر پر ٹوٹ پڑا اور غم غلط کرنے کی خاطر تفسیرِ رومیؒ لکھی گئی۔

تفسیرِ رومیؒ کے موضوعات:

عشق تصوف کا مرکزی موضوع ہے۔ عشق کے بارے میں ''تفسیرِ رومیؒ'' میں اظہارِ خیال کچھ یوں ہے: ''اے طالب! محبت اور عشق پیدا کرتا کہ صرف صُورت بین نہ بنے بلکہ کون و مکان میں یار ہی یار نظر آئے۔'' (۸)

کچھ لوگ بغیر صورت عشق کا تصور نہیں کرتے لیکن تفسیر رومی میں صوفی عطا محمدؒ قادریؒ بڑے تیقن کے ساتھ فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کیوں عشق بِلا صُورت متصوّر نہیں ہے بلکہ صُورتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ صد ہزار صُور کیا علمی کیا عینی عشق سے پیدا ہو جاتی ہیں۔'' (۹)

کلام سے آدمی کی شناخت ہو جاتی ہے۔ کسی شخص کے کمال کا اندازہ اُس کے کلام سے ہو جاتا ہے۔ آدمی کے ادراک کی بلندی اور اُس کے مراتب کو بھی کلام سے پہچانا جا سکتا ہے۔ ''تفسیرِ رومی'' میں لکھا ہوا ہے: ''جس قدر کلام بلند اُسی قدر ادراک بلند اور جس قدر ادراک بلند اُسے قدر مراتب و مدارج بلند کیوں کہ تمام منازل ادراک میں ہیں۔ جس مقام پر کسی کا ادراک پہنچ گیا وہی اس کا مقام اور وہی اُس کی منزل ہے۔'' (۱۰)

حقیقتِ محمدیہؐ تصوف کی اصطلاح ہے اور حقیقت بھی ہے حقیقتِ انسانی کی اصل حقیقت محمدیہؐ ہے آپؐ خدا کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ ان اسماء و صفات کا اجمال ہیں جن کا ظہور کائنات میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ نور ہیں جو اسمائے صفات کے ظہور سے پہلے درخشاں ہوا۔ زمان و مکاں کے پیدا ہونے سے قبل چمکا۔ اللہ نے اس نور کو عقل اول کے اندر اس طرح جگہ دی جیسے انجینئر کے ذہن میں مکان کا نقشہ قبل تعمیرِ مکاں ہوتا ہے۔ دراصل وہ قطب جس پر احکامِ عالم کا دار و مدار ہے اور جو ازل سے ابد تک دائرہ وجود کا مرکز ہے حقیقت میں ایک ہی ہے اور وہ حقیقتِ محمدیؐ ہے۔

Marfat.com

عظمتِ انسانی کا تصور اسی حقیقتِ محمدیہؐ سے جڑا ہوا ہے۔ اسی تصور کے تحت عظمت انساں کو تفسیرِ رومی میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''اے انسان! تو جوہر ہے اور دونوں جہان تیرے عرض ہیں۔۔۔تو اصل ہے اور دونوں جہان تیری فرع ہیں بلکہ دونوں جہان تیرے ساتھ قائم ہیں۔ اگر تیرا رخ دنیا کی طرف ہو تو دنیا آباد ہو جاتی ہے اور اگر تیرا رخ آخرت کی طرف ہو تو آخرت آباد ہو جاتی ہے۔۔۔ اپنی ذات پر عاشق ہو کیونکہ تیری ذات مرآتِ ذات رحمان ہے۔''(۱۱)

تفسیرِ رومیؒ میں انسان کو اپنی حقیقت کا عارف بننے کی تلقین ملتی ہے۔ عالم فقر کے انعامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے

''جب تو عالم فقر میں پہنچ جائے گا حق تعالیٰ تجھ کو وہ سلطنت عطا کرے گا جو تیرے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہو گی اور جو کچھ تو پہلے تمنا کرتا اور مانگتا تھا اس سے شرمندہ ہو گا کہ ہائے افسوس میں نے ایسی حقیر چیز کیوں طلب کی لیکن حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اگرچہ تو اب اُس سے منزہ اور فارغ اور بیزار ہے لیکن چونکہ ایک وقت تیرے دل میں اُس کا خیال گزرتا تھا اور تو نے ہمارے لیے ترک کیا۔ ہمارا کرم بے نہایت ہے۔ وہ بھی ضرور تجھے میسر کر دی جائیں گی۔''(۱۲)

عقل جزوی اور عقلِ کُل کا ذکر کرتے ہوئے مترجم لکھتے ہیں کہ جو کوئی عقل جُزوی رکھتا ہے تعلیم کا محتاج ہے اور عقلِ کُل تمام اشیاء کی مُعلّم اور جُملہ اشیاء کو پیدا کرنے والی ہے۔ انبیاء اور اولیا نے عقلِ جُزوی کو عقلِ کل کے ساتھ ملا دیا ہے اور یک جان ہو گئے ہیں۔(۱۳)

عقل میں نہ آنے والی اشیاء جب **مثال** کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں تو معقول ہو جاتی ہیں اور جب معقول ہو جاتی ہیں تو محسوس ہو جاتی ہیں جیسا کہ تو کہے ایک آدمی آنکھیں بند کرتا ہے تو کچھ بھی نہیں دیکھتا اِس کو کوئی شخص معقول نہیں سمجھے گا اور باور نہیں کرے گا لیکن جب تُو مثال کے ساتھ بیان کرے گا ہر کوئی تسلیم کرے گا اور اِس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص خواب میں صد ہزار چیزیں دیکھتا ہے ممکن نہیں کہ بیداری میں ایک چیز بھی دیکھے اور اِسی طرح جب ایک مہندس اپنے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ تیار کرتا ہے تو اُس وقت اُس کا طُول و عرض و شکل کسی شخص کے عقل میں نہیں آسکتا لیکن جب کاغذ پر اُس کا نقشہ اُتارتا ہے تو اُس کی کیفیت معقول ہو جاتی ہے اور جب اُس نقشہ کے مطابق مکان موقع پر تیار ہو جاتا ہے تو محسوس ہو جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ جملہ

Marfat.com

نا معقولات مثال سے معقول اور محسوس ہو جاتے ہیں۔(۱۴)

ہر محبوب حسین دکھائی دیتا ہے اور اس کے برعکس یہ ضروری نہیں کہ ہر حسین محبوب ہو۔

حُسن محبوبیت کا جُزو ہے اور اصل جو ہر محبوبیت ہے۔ جب محبوبیت نصیب ہو جاتی ہے حُسن خود بخود آ جاتا ہے۔ کسی چیز کا جزو اپنے کُل سے جُدا نہیں ہوتا۔ وہ کُل کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔ کیا مجنوں کے زمانہ میں اور حسین عورتیں نہ تھیں؟ کئی لیلیٰ سے زیادہ حسین تھیں لیکن محبوبِ مجنوں نہ تھیں۔ مجنوں کو لوگوں نے کہا کہ کئی عورتیں لیلیٰ سے بھی زیادہ حسین ہیں تیرے پاس حاضر کر دیتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا: میں لیلیٰ کو صورت کی وجہ سے دوست نہیں رکھتا اور لیلیٰ صرف صورت نہیں ہے۔ لیلیٰ میرے لئے مثلِ جام کے ہے اور اِس جام سے شرابِ توحید پیتا ہوں۔ پس میں تو اُس شراب کا عاشق ہوں جو اِس پیالہ سے پیتا ہُوں اور تمہاری نظر پیالے پر ہے آپ شراب سے آگاہ نہیں ہیں۔(۱۵)

جہاں عشق ہوتا ہے وہاں سوال نہیں ہوتے۔ اِس کے بارے میں تفسیر رومیؒ میں لکھا ہے کہ افضل چیز یہ ہے کہ فقیر سے زیادہ سوال دریافت نہ کیے جائیں کیونکہ ایسا کرنا دروغ کے اختراع پر آمادہ کرنا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب ایک عام آدمی کوئی سوال کرتا ہے تو فقیر اُس آدمی کی عقل کے مطابق جواب دیتا ہے۔ اصل حقیقت اُس سے بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ اس کے قابل نہیں ہوتا اگرچہ جو کچھ فقیر بیان کرتا ہے وہ عین حق ہوتا ہے۔ اگر دروغ بھی ہے تو اُس سائل کے لئے بالکل راست ہے۔(۱۶)

مذکورہ تمام موضوعات تصوف کے موضوعات ہیں۔ پیر کے دروازے پر پہنچ کر عقل کو طلاق دینا ضروری ہے اور اپنے آپ کو پیر کے سپرد کر دینا ہی بہتر ہے۔ تفسیر رومی میں رضائے خلق کی بجائے رضائے حق کی تلاش پر زور دیا گیا ہے کیونکہ خلق کی رضا عارضی چیز ہے۔ تفسیر رومیؒ میں منصور حلاجؒ کی محبتِ حق کا ذکر بھی ملتا ہے اور اُس کے نعرہ انا الحق کو سخنِ حق قرار دیا گیا ہے۔ یعنی میں فنا ہو گیا ہوں اور باقی حق ہی حق ہے اور یہ غایتِ تواضع اور نہایت بندگی ہے۔

مولانا رومؒ اور ملفوظات: اسلامی تصوف کی تاریخ میں مولانا رومیؒ (م ۶۷۲ھ) ایک منفرد اور امتیازی حیثیت کے حامل بزرگ ہیں بلکہ عالمی ادب کی تاریخ میں بھی مولانا رومیؒ جیسے جامع الصفات انسان کا نظر آنا مشکل ہے وہ اِسلامی درسیات اور دیگر متداول علوم میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ مولانا رومیؒ کے عصر اور اس سے قبل

Marfat.com

مامون (م ۲۱۸ھ) اور واثق باللہ (م ۲۳۲ھ) کی ضرورت سے زیادہ معتزلہ کی حمایت کے اثرات نے بعد کی صدیوں میں علمِ کلام کی تحصیل کو ایک ناگزیر رجحان بنا دیا تھا۔ اِس کے علاوہ امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) کی دلچسپی نے لوگوں کو علمِ کلام کی جانب راغب ہونے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اِسلامی عقائد، عبادات اور معاملات علمِ کلام کا رنگ اختیار کر رہے تھے۔ ایمان کی طمانیت استدلالیوں کے رندے کی زد میں تھی۔ ایسے نازک اور ابتر حالات میں ایک صاحبِ دل علمِ کلام کے ماہر کی ضرورت تھی جو لوگوں کے ذہنی اور فکری شکوک وشبہات کو قلبی اور روحانی فکر میں تبدیل کر کے صراطِ مُستقیم کی نشاندہی کر سکے۔ (۱۷) یہ ہستی جلال الدین محمدؒ بن محمدؒ معروف بہ بہاء الدّین ولد (م ۶۲۸ھ) کی ذاتِ گرامی کی صورت میں نمودار ہوئی۔

مولانا رومیؒ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ مولانا رومیؒ جس خاندان میں پیدا ہوئے اُس میں علم وفضل کی روایت کئی پشتوں سے جاری تھی۔ اُن کے والد مولانا بہاء الدین ولد علمِ شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ اُن کے زمانے کے اکثر افاضل اُن کے شاگرد اور مُرید تھے۔ اُن کی تصنیف ''معارف'' اسلام کے روحانی پہلو کی منفرد شرح ہے۔ اس علمی اور روحانی ماحول میں مولانا رومیؒ کی پرورش وپرداخت اُن کی ذات اور انسانیت کے لئے برگ وبارلائی۔ اُن کے ذہن کی بےنقص رسائی ''فیہ ما فیہ'' کے ہر ملفوظ سے عیاں ہے۔ (۱۸)

مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے مسائل پر بے تکلف تبصرہ کرتے ہیں اور تجزیہ آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اپنی گفتگو کے دوران نہ کہیں ٹھٹھکتے ہیں اور نہ کسی نوع کی ژولیدگی کو راہ دیتے ہیں کہ زیرِ نظر مسئلہ مبہم ہو جائے۔ اس کی غالب وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جن عمومی علوم کی تحصیل کی قطعی طور پر ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں۔ مولانا رومیؒ دورانِ گفتگو اِن تضادات کو دور کر کے اپنے تجزیے کو قابلِ قبول بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جن مقامات پر سقراط، افلاطون اور ارسطو کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں وہاں مولاناؒ استقامت کے ساتھ راست استادہ نظر آتے ہیں۔ یہ دانشِ نورانی کی درخشندگی تھی جو اُن کے ذہن وفکر کو عطا کی گئی تھی۔ (۱۹)

جیسے یہ مثال:

ترجمہ: آدمی حق تعالیٰ کا اُصطرلاب ہے لیکن کوئی منجم چاہیے جو اُصطرلاب کو جانتا ہو۔ سبزی فروش یا بقال کے پاس اگرچہ اصطرلاب ہو لیکن وہ اُس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اُس اُصطرلاب سے وہ احوالِ فلک اور اُن

Marfat.com

کی گردش اور بُروج اور تاثیرات اور انقلابات کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ پس اُصطرلاب صِرف منجّم کے لیے سُود مند ہے کیونکہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (الحدیث شریف) یعنی جس نے اپنی ذات (حقیقت) کو پہچان لیا پس تحقیق اُس نے خداوند تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جس طرح یہ اُصطرلاب احوالِ افلاک کے لئے آئینہ تامّہ ہے اِسی طرح حضرت اِنسان کا وجود حق تعالیٰ کے لئے اُصطرلاب ہے جیسا اِرشاد خداوندی ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ ۔ جب حق تعالیٰ اُس کو اپنے ساتھ عالم ودانا اور آشنا کر دیتا ہے وہ اپنے وجود کے اُصطرلاب میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی اور اُس بے چون کے جمال کو دم بدم اور لمحہ بہ لمحہ مشاہدہ کرتا ہے اور اُس کا جمال ایک لحظہ بھر کے لیے بھی اس آئینہ سے جُدا نہیں ہوتا حق جلّ جلالہٗ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو حکمت و معرفت اور کرامات میں چھپاتے ہیں اگرچہ خلقت کو وہ نظر نصیب نہیں کہ اُن کو پہچان سکیں لیکن وہ اپنے آپ کو نہایت غیرت کی وجہ سے چھپاتے ہیں یعنی وہ غیرت کرتے ہیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے اُن کو کوئی اور بھی پہچانے۔'' (۲۰)

انسان کے لیے ''اصطرلاب حق'' کی ترکیب نادر اور منفرد ہے۔ مولانا رومیؒ سے قبل کے شعرا کے کلام میں یہ ترکیب مابعد الطبیعی معنوں میں استعمال کی ہوئی نظر نہیں آتی۔ دوسرے یہ کہ مولاناؒ نے مذکورہ بالا اقتباس میں اسرارِ الٰہی کے ایک دقیق پہلو پر گفتگو فرمائی ہے لیکن اسلوبِ بیان اس قدر سُلجھا ہوا ہے کہ مفہوم میں ژولیدگی کا شائبہ تک محسوس نہیں ہوتا۔ (۲۱)

مولانا رومؒ کے ملفوظات اِس یقین کا مظہر ہیں کہ اللہ جب چاہے غیر نافع شے کو نافع شے میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اِس طرح کے ملفوظات صوفیا کے ایجابی رویے کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کہ اُن کا رویہ ابتر صورتِ حال میں بھی مثبت رہتا ہے۔ منفی نہیں ہوتا۔ وہ اُمید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ملفوظات سے مولانا رومیؒ کے ذہنی وفکری نشو ونما سے متعلق جو خاکہ اُبھرتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے مختلف تحصیل کردہ علوم وفنون میں ہم آہنگی پیدا کر کے اپنی فکر میں توازن اور اعتدال پیدا کر لیا تھا اِسی لیے اُن کی تخلیقات میں کلام کی تاثیر، دلیل و بُرھان کی روشنی، اسلوبِ بیان کی سادگی اور جذبِ دل کا اثر زیادہ عیاں اور نمایاں نظر آتے ہیں اُنکے ملفوظات میں منطق، فلسفہ اور اسلوب کلام سے لے کر مشکل مابعد الطبیعیاتی مسائل کا حل نظر آتا ہے۔ اُن کے ملفوظات میں صورت ومعنی کا فرق اور اُس کی حقیقت بھی واضع ہو جاتی ہے۔ (۲۲)

Marfat.com

فیہ مافیہ کے متعدد ملفوظات میں مثنوی معنوی کے اِن اشعار کی صدائے بازگشت سُنائی دیتی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند | وز جدائیہا شکایت می کند
کز نیستاں تامرا ببریدہ اند | از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش | باز جوید روزگار وصل خویش

مولانا رومؒ تشبیہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں۔ ہر قسم کے اخلاقی و روحانی مسائل کو سمجھانے کے لیے حکیم معنوی ہونے کی وجہ سے منطقی استدلال بھی کرتے ہیں لیکن بات زیادہ یقین آفرین اس وقت ہوتی ہے جب وہ کِسی تشبیہ یا مثال کے ذریعے سے مطلب کو واضح کرتے ہیں۔ اُن کے ملفوظات میں جگہ جگہ اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

تصوف میں اللہ کی معرفت کے لیے اپنی خودی یا حقیقت کو جاننا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ آج کل کے علماء مختلف علوم میں تو بال کی کھال نکالتے ہیں اور دوسری اشیاء جن کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، کو خوب سمجھتے ہیں اور اُن پر کُلّی طور پر حاوی ہیں لیکن جو چیز سب سے اہم اور سب سے نزدیک ترین ہے وہ اُن کی اپنی خودی ہے اور خودی یعنی اپنی حقیقت کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ تمام اشیاء کی حِلّت و حرمت کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں کہ یہ جائز ہے وہ ناجائز ہے یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے لیکن اپنے آپ کو نہیں جانتے۔ (۲۳)

پھر مولانا فرماتے ہیں:

''اے حضرتِ انسان! حق تعالیٰ نے تیرے سینہ میں دُرِ معرفت رکھا ہوا ہے لیکن تو اُس طرف توجہ نہیں کرتا۔ تیرے اندر آبِ حیات کا چشمہ موجود ہے لیکن تو دل کی زمین کو کھودنا نہیں جانتا تیری پیدائش کی عِلّت غائی معرفتِ آلہی ہے۔'' (۲۴)

مولانا رومیؒ مذکورہ ملفوظ میں انسان کو اپنی تخلیق کا مقصد بتاتے ہیں اور وہ ہے معرفتِ الٰہی باقی جملہ علوم وفنون فروعات ہیں۔ مولانا رومیؒ جانتے تھے کہ نیم مردہ قوم کو زندگی عشق سے ملتی ہے اس لیے انہوں نے ملفوظات کے ذریعے بتایا کہ قوموں کی تقدیر بدلنے کے لیے عشق ضروری ہے۔ وہ عقلی کیفیتوں پر وجدان اور جذبے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ زیرکی کو ابلیس کا خاصہ اور عشق کو آدم کا زیور سمجھتے ہیں۔ مثنوی معنوی کی طرح

Marfat.com

ملفوظات میں بھی عشق کو اہم سمجھتے ہیں اور عقل کو وہم۔

آخر میں ڈاکٹر اسماء زہرا کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں کیونکہ تفسیر رومی کے دوسرے ایڈیشن کے لیے مالی معاونت انہوں نے کی ہے۔ توفیقِ الٰہی کے بغیر کارِ خیر ممکن نہیں ہوتا اِس لیے اُنہیں اپنی خوش بختی پر فخر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس علمی شمع کو روشن کر کے آگے بڑھانے کے لیے ان کا انتخاب کیا۔

ڈاکٹر نفیس اقبال

۱۵ اپریل ۲۰۱۲

حوالہ جات:

۱۔ عبدالرشید تبسم، مترجم ''تفسیر رومیؒ'' ترجمہ ''فیہ مافیہ'' مولانا جلال الدین رومی، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع پنجم: جون ۲۰۰۰ء ، بحوالہ پیش لفظ ص ۷

۲۔ بحوالہ پیشِ لفظ ''ملفوظاتِ رومیؒ'' ص ۸

۳۔ بحوالہ ''ملفوظاتِ رومیؒ'' ص ۱۶۔۱۷

۴۔ بحوالہ ''ملفوظاتِ رومیؒ''

۵۔ بحوالہ ''ملفوظاتِ رومیؒ'' ص ۱۶

۶۔ صوفی عطا محمد قادریؒ ''تفسیر رومیؒ'' مطبوعہ اشرف پریس لاہور، باراول: سالِ اشاعت ۱۳۸۶ھ، ص ۲۱۲، ۲۱۳

۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۱۳

۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷۹

۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲۶

۱۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۶۱

۱۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۸۳

۱۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۵

Marfat.com

۱۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۸

۱۴۔مذکورہ حوالہ،ص ۶۰،۶۱

۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۸

۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۵

۱۷۔پروفیسر لطیف اللہ ''رومیؒ کا پیامِ عشق''، کراچی: ایجوکیشنل پریس،۲۰۰۵ء ص۱۱

۱۸۔مذکودہ حوالہ،ص ۱۳،۱۴

۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴

۲۰۔ ''تفسیر رومیؒ'' ص ۷۰،۷۱

۲۱۔''رومیؒ کا پیامِ عشق'' ص۱۶

۲۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷،۲۱

۲۳۔تفسیر رومیؒ، ص ۱۰۱

۲۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۰۶،۲۰۷

Marfat.com

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

۷۸۶/۹۲

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

سلسلہ قادریہ جلویہ

تفسیر روح

(من تصنیف لطیف)

قطب الموحدین، سرتاج الواصلین، محبوب رب العالمین، مست بادۂ قیوم
حضرت مولانا روم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سال اشاعت ۲۰۱۲ء

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ اَجْمَلِ الْاَجْمَلِیْنَ اَکْمَلِ الْاَکْمَلِیْنَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ +

اَمّا بعد یہ احقر الناس مسکین عطا محمد عفی اللہ عنہ الصمد خاکپائے درویشاں وریزہ خوارِ ایشاں برادرانِ شریعت و غواصانِ بحرِ حقیقت کی خدمات عالیات میں عرض رساں ہے کہ مست بادۂ قیوم حضرت مولانا روم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فارسی نثر میں واحد تصنیف رسالہ "فیہ ما فیہ" ہے۔ یہ رسالہ حقیقتاً آپ کے ملفوظات طیبات کا مجموعہ ہے جن کو آپ کے فرزند دلبند سلطان بہاؤ الدین ولد قدس سرہٗ نے مرتب کیا۔ اس بندۂ بیکس کمتر از مور و مگس نے ان ملفوظات مبارکات کو تفسیرِ قرآن مجید کی طرز پر جمع کر کے سلیس اردو زبان میں ترجمہ کر دیا ہے۔ انسب معلوم ہوا کہ اس تفسیر بے نظیر کا نام "تفسیر رومی" رکھا جائے +

مسکین عطا محمد عفی اللہ عنہ

گوجرانوالہ پاکستان

Marfat.com

سورۃ فاتحہ

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اپنے علم پر اور قوت پر اور اپنی قدرت پر تکیہ مت کرو اور عالم اور قوی اور قادر مجھ کو سمجھو تاکہ تم کو غیر سے مدد طلب کرنے اور امراء و سلاطین کی التجا سے محفوظ رکھوں۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (اے پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان قیدیوں سے جو تم مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں یہ کہہ دو کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے چھینا گیا ہے اُس سے بہتر تمہیں عطا کرے گا اور تمہیں بخشے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ انفال۔ ع ۱۰) اس آیت کا شانِ نزول یہ تھا کہ جنگِ بدر میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں کو شکست دی اور اُن کو قتل و غارت کیا اور بہت سے قیدیوں کو پکڑ کر اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اور اخبار میں مذکور ہے کہ اُن قیدیوں میں ایک آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ وہ قیدی ساری رات ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے عاجزی اور ذلت میں روتے اور فریاد کرتے تھے۔ اور اپنی زندگی سے نا اُمید ہو گئے تھے کیونکہ تلوار سے قتل ہونے کے منتظر تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دیکھ کر ہنس پڑے۔ اُنہوں نے خیال کیا آپ اُن کو مغلوب دیکھ کر ہنستے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ دیکھا کہ آپ میں بشریت ہے اور وہ دعویٰ آپ کا کہ مجھ میں بشریت کی صفت نہیں سچائی کے خلاف ہے۔ اب ہم کو اِن بند و غل میں اپنا قیدی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ہنستے ہیں جیسا کہ نفسانی لوگ اپنے دشمن پر فتح پاکر اُن کو اپنا مغلوب دیکھتے ہیں اور خوش و خرم ہوتے ہیں۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی ضمیر کو معلوم کر لیا اور فرمایا نہیں نہیں۔ میں اسلئے نہیں ہنس رہا ہوں کہ دشمنوں کو اپنا مغلوب دیکھتا ہوں یا آپ لوگوں کا نقصان دیکھ کر خوش ہوتا ہوں بلکہ میں اس سبب سے ہنس رہا ہوں کہ ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ ایک قوم کو بھاڑ سے اور دوزخ سے اور سیاہ دھواں سے غل و زنجیر سے جکڑ کر زور سے بہشت اور باغات اور گلستانِ ابدی کیطرف لے جا رہا ہوں اور وہ آہ و فغاں کرتے ہیں کہ ہم کو اس مہلکۂ پرخطر سے اُس امن کے گلشن میں کیوں لیجا رہا ہے۔ ہنستا اسلئے ہوں کہ آپ لوگوں کی فی الحال ایسی نظر نہیں کہ اس میرے بیان کردہ واقعہ کو معلوم کر سکو اور بظاہر دیکھ سکو۔ عَجِبْتُ مِنْ قَوْمٍ یُقَادُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ (مجھے تعجب ہوا اُس جماعت پر جو زنجیروں سے گھسیٹ گھسیٹ کر جنت کی طرف لائی جا رہی ہے)۔+

پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان قیدیوں سے فرما دیجئے کہ پہلے تم نے بڑی شان و شوکت سے لشکر جمع کیے اور اپنی مردی و پہلوانی و انبوہی اور شوکت پر پورا اعتماد کیا اور کلی اُسی پر مغرور ہوئے اور تم آپس میں کہتے تھے کہ ہم ایسا کریں گے اور

Marfat.com

مسلمانوں کو شکستِ فاش دیں گے اور اُن کو مغلوب کریں گے اور اپنے اوپر قادرِ مطلق کو اپنے سے زیادہ قادر نہیں دیکھتے تھے اور اُس ذاتِ پاک کو اپنے پر قاہر اور بالاتر نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا جو تدبیر تم نے کی سب خاک میں مل گئی۔ اور اب جب کہ تم خوف میں تھے اُس علت سے پھر بھی توبہ نہیں کی اور نا اُمید ہو گئے اور اُس قادرِ مُطلق پر بھروسہ نہیں کیا۔ حالانکہ قوت اور شوکت کے وقت بھی نگاہ مجھ پر چاہیئے اور مجھ کو اپنے پر غالب جانیے تاکہ آپ کے کام سرانجام ہوں اور خوف کے وقت بھی مجھ سے اُمید مت توڑیئے کیونکہ میں قادر ہوں اُس خوف سے تم کو نجات دُوں اور بے خوف کر دُوں۔ وُہ ذات کہ سفید گاتے سے سیاہ گاتے پیدا کر دیتی ہے اُس کو طاقت ہے کہ سیاہ گائے سے سفید گائے پیدا کر دے کیونکہ تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (تُو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور تُو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے۔ آل عمران ع ۳) اب اِس حالت میں کہ تم قیدی ہو مجھ سے اُمید مت توڑو اور میری بارگاہ سے نا اُمید مت ہو تاکہ تمہاری دستگیری کروں کیونکہ اِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (خداوند تعالیٰ کی رحمت سے تو بس کافروں کے سوا اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ یوسف ع ۱۰)۔

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے قیدیو! اگر پہلے مذہب سے توبہ کرو اور خوف و رجا میں مجھ پر نگاہ رکھو اور تمام احوال میں مجھ کو قادر سمجھو تو میں تم کو اِس خوف سے نجات دلاؤں اور تمام مال تمہارا جو لُٹ گیا ہے اور ضائع ہو گیا ہے سب کا سب پھر تم کو واپس دُوں بلکہ اُس سے زیادہ اور بہتر۔ تم کو معاف فرما دوں اور دولتِ دُنیا کے ساتھ دولتِ آخرت بھی عطا کر دُوں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ مَیں نے توبہ کی اور اپنے مذہب سے باز آیا مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعویٰ جو آپ نے کیا ہے اللہ تعالیٰ آپ سے دلیل طلب کرتے ہیں۔ ؎

دعوےِ عشق کردن آسان است ٭ لیک آن را دلیل و بُرہان است

(عشق کا دعویٰ کرنا آسان ہے۔ لیکن اُس کے لیئے دلیل اور بُرہان ہے)۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ بسم اللہ فرمائیے آپؐ کیا دلیل طلب کرتے ہیں؟ فرمایا کہ باقی ماندہ اموال لشکرِ اسلام پر ایثار کر دیں تاکہ لشکرِ اسلام قوت پکڑے اگر واقعی آپ مسلمان ہو گئے ہیں اور اسلام کی نیکی اور مسلمانی کو چاہتے ہیں۔

عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے پاس اب کیا باقی ہے، سب مال لُٹ گیا میرے پاس تو پُرانی بوری بھی نہیں رہنے دی۔

جناب رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھا کہ ابھی آپ ٹھیک نہیں ہوئے اور اپنے مذہب سے توبہ نہیں کی ہم بتاویں کہ آپ کے پاس کتنا مال ہے اور کہاں چھپایا ہوا ہے اور کس کے سپرد کیا ہُوا ہے اور کس جگہ دفن کیا ہُوا ہے؟

اُس نے عرض کیا نہیں نہیں۔

Marfat.com

فرمایا کہ اِتنا مال اُمّ فضل کے سپرد نہیں کیا اور فلاں دیوار میں دفن نہیں کیا اور اُس کو مفصل وصیت نہیں کی کہ اگر میں واپس آگیا تو مال میرے سپرد کر دینا اور اگر واپس نہ آیا تو اِتنا مال فلاں جگہ خرچ کرنا اور اِتنا فلاں کو دینا اور اِتنا تیرا حصّہ ہے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سُنا انگشتِ شہادت باہر نکالی اور صدقِ دل سے ایمان لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیک وسلم! میں سمجھتا تھا کہ دَورِ فلک سے آپ کا اقبال ہے جیسا کہ متقدمین بادشاہوں مثل ہامان اور شداد وغیرہ کا تھا لیکن جب آپ نے یہ غیب کی خبریں اظہار فرمائیں تو مجھے معلوم ہو گیا ہے اور حقیقت آشکارہ ہو گئی ہے کہ یہ آپ کا اقبال خدائی قدرت ہے اور الٰہی ہے اور ربّانی ہے۔

جناب رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب آپ نے ٹھیک کہا۔ اِس دفعہ میں نے سُنا کہ وہ شک کا جنجو جو آپ کے باطن میں تھا ٹوٹ گیا اور اُس کے ٹوٹنے کی آواز میرے کان میں پہنچی۔ میری جان کے اندر میرے باطنی کان بھی ہیں اور جو کوئی شک اور شرک اور کُفر کا جنجو توڑتا ہے میں باطنی کانوں سے سُنتا ہوں اور اُس ٹوٹنے کی آواز میری جان کے کانوں تک پہنچتی ہے اب آپ نے سچ کہا اور واقعی آپ صدقِ دل سے ایمان لائے ہیں۔

سورہ بقرہ

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج

یہ منافقین جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔

عُشّاق کے دل میں ایسا درد ہے جس پر کوئی دارُو کارگر نہیں۔ نہ سونا نہ کھانا نہ سَیر۔ اُس کا واحد علاج معشوق کا دیدار ہے۔ ؎ لِقَاءُ الْخَلِيْلِ شِفَاءُ الْعَلِيْلِ

محبوبوں کے دیدار میں اِس حد تک جذبہ ہے کہ اگر کوئی منافق مومنوں کے درمیان آبیٹھے تو اُس گھڑی اُنکی صحبت کی تاثیر سے مومن ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج پس کیا ہی عجب ہو اگر ایک مومن دوسرے مومن کے پاس جا کر مجلس کرے۔ جب اُس کی صحبت منافق میں یہ اثر پیدا کر دیتی ہے تو قیاس کر کہ مومن میں کیا کمالات پیدا کر دیگی۔

غور کر کہ سادہ اُون ایک عاقل کے ہاتھ میں آکر کیسا مُنقّش قالین بن جاتی ہے اور یہ مٹی ایک کاریگر کے ہاتھ میں آکر کیسا نفیس محل بن جاتی ہے۔ عاقل کی صحبت جمادات میں جب ایسا اثر کرتی ہے تو خیال کر کہ مومن میں مومن کی صحبت کیا اثر پیدا کریگی۔

نفسِ جُزوی اور عقلِ مختصر کی صحبت سے جمادات اِس مرتبہ پر فائز ہو گئے ہیں اور یہ سب کچھ عقلِ جزوی کا سایہ ہے۔ سایہ سے شخص کو قیاس کر سکتے ہیں۔ اب اِس سے قیاس کر کہ وہ کونسی عقل اور دانائی ہو گی کہ جس کے مسخر یہ ارض و سمٰوات اور مہر و ماہ کر دیئے گئے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ

Marfat.com

اور جسوقت ارشاد فرمایا آپ کے رَبّ نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب فرشتے کہنے لگے کیا اُس وجُود کو

يَسْفِكُ الدِّمَاۤءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط

زمین پر پیدا کرے گا جو وہاں فساد کرے گا اور خون بہائے گا حالانکہ ہم تیری حمد و تقدیس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں :۔

سوال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہُوں تو فرشتوں نے جواب دیا کہ کیا اُس وجُود کو زمین پر پیدا کرے گا جو وہاں فساد کرے گا اور خون بہائیگا۔ ابھی حضرت آدم علیہ السّلام تو پیدا ہی نہیں ہُوئے تھے فرشتوں نے کسطرح آدمی پر فساد اور خونریزی کا الزام پہلے ہی لگا دیا؟

جواب۔ اس کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں ایک نقلی دُوسرے عقلی۔ جو کچھ نقل ہے وُہ یہ ہے کہ ملائکہ نے لوح محفوظ میں مطالعہ کیا کہ ایک جنس ظاہر ہو گی جو ان صفات سے موصوف ہو گی پس اُس سے اُنہوں نے خبر دی۔ اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ ملائکہ نے عقل سے استدلال کیا کہ وُہ قوم زمین سے ہو گی اس لیئے ضروری ہے کہ حیوان ہوں گے۔ اور حیوان سے البتّہ یہ ضرور سرزد ہو گا۔ اگرچہ وُہ حقیقت اُن میں ہو گی اور ناطق بھی ہوں گے لیکن چُونکہ اُن میں حیوانیّت ہو گی لہٰذا فساد کریں گے اور خونریزی کریں گے کیونکہ یہ آدمی کے لوازمات میں سے ہیں :۔

بعض علماء ایک نئی توجیہ پیش کرتے ہیں کہ ملائکہ عقلِ محض اور خیرِ محض ہیں اور اُن کا کسی کام میں اپنا کوئی اختیار نہیں جیسا کہ خواب میں تُو ایک کام کرتا ہے تو اُس میں مختار نہیں اِس لیئے تجھ پر اعتراض نہیں۔ چاہے خواب کی حالت میں تُو کُفر کے کلمات کہے یا توحید بیان کرے یا زنا کرے۔ ملائکہ بیداری میں اِس کے مشابہ ہیں اور آدمی اس کے برعکس۔ اِن کو اختیار دیا گیا ہے اور حرص و ہوا دی گئی ہے۔ اسلیئے ہر چیز اپنے لئے چاہتے ہیں اور خُون کا قصد کرتے ہیں تاکہ سب کچھ اُن کی مِلک ہو جائے اور یہ حیوانی صفت ہے پس ملائکہ کا حال آدمیوں کے حال کے متضاد ہے اور شاید اسی لیئے اِس طریقہ سے اُن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اُنہوں نے ایسا کہا اگرچہ وہاں کلام و زبان نہ تھی۔ یہ معاملہ ایسا ہے جیسے دو متضاد حال شخص آپس میں کلام کریں اور اپنے اپنے حال کی خبر دیں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شاعر کہتا ہے "پانی کے حوض نے کہا کہ میں بُوڑھا ہو گیا ہُوں" پانی کا حوض کلام نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر حوض کی زبان ہوتی تو اس حالت میں ایسی کلام کرتا :۔

ہر فرشتہ کے پاس باطن میں ایک لوح ہے کہ اُس لوح سے اپنی قوّت کے مطابق عالَم کے احوال اور جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے پہلے ہی پڑھ لیتا ہے۔ اور جب وقت پر وُہ پڑھے ہُوئے اور معلوم کردہ واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں تو اُس کا اعتقاد باری تعالیٰ میں اور اُس کا عشق و مستی بڑھ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی غیب دانی اور عظمت میں تعجب کرتا ہے۔ وُہ عشق و اعتقاد اور تعجب کی زیادتی بغیر الفاظ اور عبارت کے اُس کی تسبیح ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک کاریگر اپنے شاگرد کو بتلاتا ہے کہ اس عمارت میں جو زیرِ تعمیر ہے اتنی لکڑی اتنی اینٹیں اتنے پتھر اور اتنا مصالح خرچ آئے گا۔ جب عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اُسی قدر سامان بے کم و بیش خرچ آتا ہے تو شاگرد کا اعتقاد بڑھ جاتا ہے۔ پس ملائکہ بھی اس کے مشابہ ہیں :۔

Marfat.com

عالم میں کئی اولیاء ہیں بینا اور واصل لیکن ان کے سوا ایک اور قسم کے اولیاء ہیں جن کو اولیائے مستور کہتے ہیں۔ اور یہ اولیاء زاریاں کرتے ہیں کہ اے بارِ الٰہ! اپنے مستوروں میں سے ایک ہمیں دکھا۔ اور جب تک وہ نہ چاہیں اور جب تک اُن کو پایا نہ جائے اگرچہ یہ صاحبِ نظر ہیں اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ شرابی لوگ جو کہ فاحش ہیں جب تک اُن کو پایا نہ جائے کسی کی مجال نہیں کہ اُن تک پہنچے اور اُنکو دیکھے تو بھلا مستورانِ حق کو اُن کے ارادہ کے بغیر کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ اور اُن کی شناخت کوئی آسان کام نہیں کہ فرشتے بھی عاجز آ گئے اور بول اُٹھے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط ہم پاک ہیں اور روحانی ہیں اور نورِ محض ہیں اور وہ جو آدمی ہیں شکم پرست ہیں فسادی ہیں اور خونریز ہیں۔ وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج ✣

اس آیۂ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقت میں غور و خوض کرے اور متحیر ہو جائے کہ روحانی فرشتے جن کیلئے کوئی حجاب نہیں نہ مال کا نہ جاہ کا بلکہ نورِ محض ہیں اور جن کی غذا جمالِ خدا ہے اور عشقِ محض ہیں اور دوربین بوجہ تیز چشم ہونے کے ہیں وہ بھی میری حقیقت کو نہ پا سکے۔ اور اپنی حقیقت پر تعجب کرے کہ میں کون ہوں اور کیا چیز ہوں۔ اور دوسرے اگر اس کے بعد دل کے آسمان پر آفتابِ حقیقت طلوع فرما دے اور ذوقِ عرفان نصیب ہو تو خداوند تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر یہ ادا کرے کہ میں کب اس نعمت کے لائق ہوں ✣

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ وَالْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں اور جماعت رحمت ہے۔ جناب رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعیت میں کوشش فرمائی کیونکہ مجمع ارواح کے بڑے بھاری تاثرات ہوتے ہیں جو وحدت اور تنہائی میں حاصل نہیں ہوتے۔ اور یہ جو مساجد بنائی گئی ہیں اُن میں راز یہ ہے کہ اہلِ محلہ وہاں جمع ہوں تاکہ رحمت اور فائدہ زیادہ ہو۔ اور جدا جدا گھر تفریق کیلئے اور سترِ عیوب کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور اُن کا یہی فائدہ ہے۔ اور مساجد جامع بنائی گئی ہیں تاکہ اہلِ شہر وہاں جمع ہوں اور حج کعبہ فرض ٹھہرایا گیا ہے تاکہ عالم کی اکثر خلقت بلاد و اقالیم سے وہاں جمع ہو ✣

ایک مقبولِ بارگاہ حصولِ مقصود کیلئے چلّہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کو آواز آئی کہ ایسا عالی مقصود چلّہ سے حاصل نہیں ہوتا چلّہ سے باہر آ تاکہ کسی بزرگ کی نظر تجھ پر پڑے اور وہ مقصود تجھ کو حاصل ہو۔ اُس نے کہا وہ بزرگ مجھے کہاں ملیگا۔ جواب ملا جامع مسجد میں۔ اُس نے کہا۔ اتنی خلقت میں اُس کو میں کسطرح شناخت کروں گا کہ کون ہے؟ جواب ملا۔ جاؤ وہ تجھ کو شناخت کرے گا اور تجھ پر نظر کرے گا۔ اُس چیز کا ثبوت کہ اُس نے تجھ پر نظر کی ہے یہ ہوگا کہ پانی کی چھاگل تیرے ہاتھ سے گر پڑے گی اور تو بے ہوش ہو جائیگا اور تو جان لیگا کہ اُس نے تجھ پر نظر کی ہے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ پانی کی بھری ہوئی چھاگل ہاتھ میں پکڑے مسجد کی جماعت کو پانی پلا رہا تھا اور صفوں کے درمیان پھر رہا تھا کہ اچانک اُس پر ایک حالت طاری ہوئی اُس نے ایک نعرہ مارا اور چھاگل اُس

Marfat.com

کے ہاتھ سے گر پڑی۔ ایک گوشہ میں بیہوش پڑا رہا اور خلقت ساری چلی گئی۔ جب ہوش میں آیا اپنے آپ کو تنہا پایا اور اُس بادشاہ کو جس نے اُس پر نظر رحمت کی تھی وہاں نہ پایا لیکن منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ کے بعض مرد ایسے بھی ہیں کہ ذات حق کی غیرت اور غایت عظمت کی وجہ سے اپنا آپ ظاہر نہیں کرتے لیکن طالبوں کو بڑے عالی مقاصد پر پہنچاتے ہیں۔ ایسے شاہانِ عظیم نادر ہیں اور نازنین ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہود اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر اور عمل صالح

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

کرے ایسوں کیلئے اُن کا اجر اُن کے ربّ کے پاس ہے اور کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اُن پر اور نہ وُہ مغموم ہوں گے۔

آدمیوں میں سے بعض نے عقل کی اسقدر متابعت کی کہ بالکل فرشتے بن گئے بلکہ نورِ محض اور ربّانی بن گئے۔ وُہ انبیاء اور اولیاء ہیں جو خوف و رجا سے فارغ ہیں کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اور بعضوں میں شہوت اُن کی عقل پر اس قدر غالب آگئی کہ حیوانوں کے زُمرہ میں داخل ہو گئے۔ اور بعض بین بین ہیں اور وُہ لوگ اُس طائفہ میں شامل ہیں جن کے دِل میں درد اور رنج اور حسرت اور آہ و زاری پیدا ہوتی ہے اور اپنی زندگانی پر راضی نہیں ہیں۔ یہ مومنین ہیں۔ اولیاء جو اس بحرِ حقیقت کی مچھلیاں ہیں اُن کے منتظر ہیں کہ مومنین کو اپنے مقام پر پہنچائیں جو اعلیٰ علّیین ہے اور اپنے جیسا کریں۔ اور شیاطین جو اس خاکی پُتلے کے دشمن ہیں بھی گھات میں ہیں کہ اُن کو اپنے مقام میں کھینچ لے جائیں اور وُہ اسفل السّافلین ہے۔ ؎

ما می خواہیم و دیگران می خواہند ؛ تا بخت کرا بود کرا خواہد دوست

یعنی ہم بھی چاہتے ہیں اور دُوسرے بھی چاہتے ہیں۔ اب دیکھیں خوش نصیبی کس کیلئے ہے اور دوست یعنی محبوب لم یزلی کس کو چاہتے ہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور وُہ کہتے ہیں کہ ہمارے دِل غلافوں کے اندر محفوظ ہیں۔ یُوں نہیں بلکہ اُن کے کفر کے سبب اُن پر خدا کی مار ہے سو بہت تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔

لوگ اہل اللہ کے ظاہر سخن پر نظر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی کلام بہت سُن رکھی ہے اور ہمارے دِل اِس قسم کی کلاموں سے پُر ہیں جیسے ارشادِ خداوندی ہے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ۔

کُفّار کہتے تھے کہ ہمارے دِل اِس قسم کی کلاموں کے لیئے غلاف ہیں اور اِن سے پُر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کب ایسی کلام سے پُر ہیں۔ وُہ تو وسواس سے اور خیال سے اور شرک و شک سے پُر ہیں بلکہ لعنت سے پُر ہیں کہ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ کاش کہ وُہ لوگ ایسی بیہودہ باتیں بکنے سے مُبرّا ہوتے بلکہ اُن میں ایسی استعداد ہوتی کہ اِس کلام

Marfat.com

سے فائدہ حاصل کرتے۔ لیکن اُن میں یہ قابلیت ہی نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اُنکے کانوں پر آنکھوں پر اور قلوب پر مُہر لگا دی ہے۔ اِس لیئے اب آنکھ غلط دیکھتی ہے یعنی نیک کو بد دیکھتی ہے۔ اور کان غلط سُنتے ہیں یعنی کلماتِ حکمت کو بیہودہ اور ہذیان شمار کرتے ہیں اور دِل پر بھی غلط رنگ چڑھا ہے یعنی خیال اور وسواس کا محل ہے حتیٰ کہ جاڑا کی سخت سردی شادی اور خوشی کے خیال میں متشکل ہے۔ اِسی لیئے اِرشاد ہوا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (خُدا نے اُن کے دِلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ بقرہ۔ ع ۱)۔ چہ جائیکہ اِس کلام سے پُر ہوں ایسی کلام کی بُو بھی اُن کے دماغ تک ساری عمر میں نہیں پہنچی۔ نہ اُن تک نہ اُن لوگوں تک جن پر وُہ فخر کرتے ہیں۔ اور نہ اُن کی اولادوں تک اور نہ اُن کے باپ دادوں تک۔

کلامِ اولیاء ایک کُوزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو بعض کے لیئے پُر آب دِکھاتا ہے اور وُہ اُس سے لبالب سیراب ہوتے ہیں اور بعض کو خالی دکھاتا ہے۔ جب اُن کیلئے وُہ ایسا ہے تو وُہ اِس کُوزہ کا کیا شُکر ادا کریں۔ شُکر یہ وُہ شخص ادا کرتا ہے جس کو پُر آب دِکھائی دیتا ہے۔

حضرتِ آدمؑ کی صُورت بھی ایک کُوزہ ہے۔ جب حقتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو آب و گِل سے بنایا جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے خَمَّرْتُ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا (مَیں نے آدمؑ کی مٹی چالیس دن اپنے ہاتھ سے گوندھی) اور اُس کے قالب کو مکمل کرکے کچھ مدت زمین پر رکھا تو ابلیس علیہ اللعنۃ نازل ہوا اور اُس کے قالب میں داخل ہوا۔ اُس کی تمام رگوں میں گردش کی۔ گوشت پوست پُرخون اور پُر اخلاط کو دیکھ کر کہا۔ ہائے افسوس عجب نہیں کہ وُہ میرا ابلیس جس کو مَیں نے ساقِ عرش میں دیکھا تھا کہ پیدا ہوگا یہی ہو وُہ ابلیس اگر عالم میں ہے تو یہ ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو منظور ہوتا ہے خاص کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کرنیوالے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے مَا فَضَلَ اَبِيْ بَكْرٍ بِكَثْرَةِ صَلٰوةٍ وَصَوْمٍ وَصَدَقَةٍ بَلْ وُقِرَ بِمَا فِيْ قَلْبِهٖ (حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت نماز۔ روزہ۔ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس شئے کی بنا پر ہے جو اُن کے دِل میں ہے) یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت دُوسروں پر نماز روزہ کی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اِس وجہ سے ہے کہ اُن کیساتھ خاص عنایت ہے اور وُہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔

قیامت کو جب نمازیں روزے اور صدقات لائے جائیں گے تو ترازو میں رکھے جائیں گے لیکن جب محبت کو لایا جائیگا تو محبت ترازو میں نہ سمائے گی۔ پس اصل جوہر محبتِ الٰہی ہے۔

اَے طالب! اب جبکہ تُو اپنے دِلمیں محبتِ الٰہی دیکھتا ہے تو اُسکو بڑھا تاکہ اور زیادہ ہو۔ جبکہ اصل جوہر تُو نے اپنے آپ میں دیکھ لیا ہے اور وُہ طلب ہے تو اُسکو طلب سے اور زیادہ کر کیونکہ اَلْحَرَكَةُ بَرَكَةٌ (حرکت برکت ہے) اور اگر اِس کو نہ بڑھائیگا تو اصل سرمایہ بھی تجھسے جاتا رہیگا۔ تو کیا زمین سے بھی گیا گزرا ہے؟ کہ زمین حرکات سے اور ہل چلانے سے دگرگوں ہو جاتی ہے اور سبزہ اُگاتی ہے۔ اور جب ہل

Marfat.com

چلانا ترک کر دیتے ہیں سخت ہو جاتی ہے۔ پس جب کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ کی طلب نصیب ہو گئی ہے تو اپنے شیخ کی خدمت میں آیا کر اور جایا کر۔ یہ مت کہو اس آنے جانے کا کیا فائدہ؟ تُو آتا جاتا رہ۔ فائدہ خود بخود ظاہر ہو جائیگا۔ اور کسی شخص کا دُکان کی طرف جانے کا فائدہ ظاہر ہے کہ اُس کی غرض پوری ہو گی۔ حق تعالیٰ روزی دیتے ہیں لیکن اگر کوئی گھر میں بیٹھ جائے تو یہ استغنا کا دعویٰ ہے روزی نہیں پہنچے گی۔ کیا عجب ہے وُہ چھوٹا بچّہ کہ روتا ہے تو ماں اُس کو دُودھ دیتی ہے۔ اگر یہ خیال کرے کہ میرے اِس گریہ میں کیا فائدہ ہے اور دُودھ دِلوانے کا کیسے موجب ہے تو دُودھ سے محروم رہ جائیگا۔ ہم ظاہر بظاہر دیکھتے ہیں کہ اُس سبب سے دُودھ اُس تک پہنچتا ہے۔

آخر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اِس رکوع وسجود کا کیا فائدہ ہے۔ کیوں کروں؟ جواب۔ ایک امیر اور رئیس کے سامنے جب تُو خدمت کرتا ہے اور نیاز کرتا ہے اور پاسبانی کرتا ہے تو وہ امیر تجھ پر رحمت کرتا ہے اور کھانا بھی دیتا ہے۔

وُہ چیز جو کہ امیر کے وجُود میں تجھ پر رحمت کرتی ہے امیر کا گوشت اور پوست نہیں ہے ورنہ موت کے بعد اور خواب میں اور بیہوشی میں گوشت و پوست اُسی طرح موجود ہے لیکن خدمت اُس کے سامنے بے سُود ہے۔ پس ہم نے جان لیا کہ رحمت جو اُس امیر میں ہے نظر نہیں آتی۔ پس جب کہ ممکن ہے کہ گوشت پوست میں ہم ایسی چیز کی خدمت کرتے ہیں کہ نظر نہیں آتی تو وُہ ذات پاک جو بلا گوشت اور پوست ہے اُس کی رحمت وعنایت بھی نظر نہیں آتی۔ اور یہ چیز جو پوست اور گوشت میں ہے اگر پوشیدہ نہ ہوتی تو ابوجہل اور جناب رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم ایک جیسے ہوتے ہیں اُنکے درمیان فرق نہ ہوتا۔ یہ کان تیرے بہرہ اور شنوا ظاہر کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں لیکن شنوائی اُس میں پوشیدہ ہے نظر نہیں آتی۔ پس ثابت ہُوا کہ اصل جوہر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔

مثلاً تُو ایک امیر آدمی ہے اور تیرے دو غلام ہیں۔ ایک بہت زیادہ خدمت کرتا ہے اور دُوسرا خدمت میں کاہل ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کاہل کیساتھ بہ نسبت اُس خدمتگار کے تیری محبت زیادہ ہے اگرچہ خدمتگار کی خدمت کا تُو حق ضائع نہیں کرتا لیکن یہ تقدیری امر ہے کیونکہ عنایت پر قید نہیں لگائی جاسکتی۔

یہ دائیں آنکھ اور بائیں آنکھ ہر دو ظاہر کے رُو سے ایک ہیں لیکن اُس دائیں آنکھ نے کیا خدمت کی کہ بائیں نے نہ کی۔

اسی طرح جمعہ کو باقی ایام پر فضیلت حاصل ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اَرْزَاقاً غَیْرَ اَرْزَاقِ لَہٗ كَتَبَتْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ فَیَطْلُبُهَا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ (خُدا کے یہاں علاوہ رزقِ مقسوم کے اَور بھی رزق ہے۔ اُسے جمعہ کے رُوز طلب کرنا چاہیئے) اب اِس جمعہ نے کیا خدمت کی جو دوسرے دِنوں نے نہ کی لیکن اللہ تعالیٰ نے عنایت اُس پر کی اور یہ شرف اُسی کیساتھ مخصوص ہُوا۔

بااینہمہ اگر ایک اندھا کہتا ہے کہ مجھے ایسا اندھا پیدا کیا گیا ہے لہٰذا معذور ہُوں۔ اس کہنے سے کہ مَیں اندھا ہُوں اور معذور ہُوں کیا اُس کا اندھاپن جاتا رہتا ہے اور کیا آفتاب کا جمال اور حسینوں کا جمال دیکھتا ہے؟ پس لنگڑوں اور کورچشموں

Marfat.com

کا یہ کہنا کہ ہم معذور ہیں فائدہ نہیں دیتا اور یہ رنج اُن سے نہیں جاتا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ

اور جس وقت امتحان لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُنکے رب نے چند باتوں میں اور وُہ اُنکو پورے طور سے بجا لائے اللہ تعالیٰ نے اُن سے

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ

فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو نبوت دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہد نبوت

خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا۔ اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن کی جگہ ٹھہرایا اور حکم دیا کہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ۔

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا الٰہی! جب کہ آپ نے مجھے اپنی رضا کی خلعت سے مشرف فرمایا ہے تو میری اولاد کو بھی یہ بزرگی عطا فرمائیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (میرا اقرار ظالموں کیلئے نہیں) یعنی وُہ جو ظالم ہوں گے میری خلعت اور کرامت کے لائق نہیں ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ اللہ تعالےٰ کی ظالموں اور طاغیوں کیساتھ عنایت نہیں ہے تو عرض کیا خداوندا! وُہ جو مومنین ہیں اور ظالم نہیں ہیں اُن کو اپنے رزق سے بانصیب فرما دیجئے اور اُن سے دریغ مت رکھیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رزق عام ہے سب کو نصیب ہوگا اور اس مہمان خانہ سے تمام خلائق منتفع ہونگی لیکن میری رضا اور قبولیت کی خلعت اور شرف کرامت خواص اور برگزیدہ لوگوں کا حصہ ہے۔

اہل ظاہر فرماتے ہیں کہ بَیْت سے مُراد کعبہ ہے اور جو کوئی اُس میں داخل ہو جاتا ہے آفات سے بے خوف ہو جاتا ہے اور اُس جگہ شکار کرنا حرام ہے اور کسی شخص کو بھی ایذا پہنچانا منع ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اُس مقام کو برگزیدہ کر لیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے اور خوب ہے لیکن یہ قرآن مجید کا ظاہر ہے محققین فرماتے ہیں کہ بَیْت سے مُراد آدمی کا دل ہے۔ یعنی خداوندا! ہمارے باطن کو وساوس اور مشاغل نفسانی سے خالی رکھیئے اور فاسد و باطل تفکرات اور توہمات سے پاک کیجئے تاکہ اُس میں کوئی خوف باقی نہ رہے اور امن ظاہر ہو جائے اور کُلّی طور پر تیری وحی کا محل ہو جائے اور وسواس کے دیو کو اُس میں دخل نہ ہو جیسے کہ آپ نے آسمان پر آگ کے شعلوں والے پاسبان مقرر کر رکھے ہیں تاکہ شیاطین مردود اسرار ملائکہ کے استماع سے مانع رہیں اور کوئی شخص اُن کے احوال سے واقف نہ ہو جائے اور وُہ آفات سے محفوظ رہیں۔ یعنی خداوندا! تو اپنی عنایت کے پاسبان ہمارے دلوں پر مقرر فرما تاکہ وساوس شیاطین اور نفس و ہوا کے مکروں کو ہم سے دور رکھیں۔ یہ اہل باطن اور محققین کا قول ہے۔

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

قرآن مجید دیبای دو رُخہ ہے۔ بعض اس رُخ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور بعض اُس رُخ سے اور دونوں ٹھیک ہیں کیونکہ حق تعالےٰ چاہتے ہیں کہ دونوں گروہ اُس سے مستفید ہوں۔ جیسے ایک عورت کا ایک خاوند ہے اور ایک شیر خوار لڑکا اور دونوں اُس سے علیحدہ علیحدہ لذت حاصل کرتے ہیں بچہ تو پستان اور دودھ کی لذت حاصل کرتا ہے اور خاوند جفتی کی لذت۔ عوام الناس طفلِ راہ ہیں۔ قرآن مجید سے ظاہر عبارت

Marfat.com

کی لذت حاصل کرتے ہیں لیکن مردانِ حق اور کُمّل عارفین رضوان اللہ علیہم اجمعین قُرآن مجید کے حقائق اور دقائق سے ذوق حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا مقام اور جائے نمازِ کعبہ میں ایک جگہ ہے جہاں اہلِ ظاہر فرماتے ہیں کہ دو رکعت نماز ادا کرنی چاہیئے۔ یہ ٹھیک ہے لیکن خدا کی قسم محققین کے نزدیک مقامِ ابراہیمؑ وُہ ہے کہ تُو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خدا کی خاطر آگ میں ڈال دے اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور ریاضت سے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دے یا اس مقام کے نزدیک پہنچا دے کیونکہ اُنہوں نے حقتعالیٰ کی خاطر اپنے آپ کو فِدا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن کی ذات کو آگ ذرہ بھر بھی ایذا نہ پہنچا سکی اور نہ اُن کو کسی قسم کی گھبراہٹ پَیدا ہُوئی۔ مقامِ ابراہیمؑ میں دو رکعت نماز خوب ہے لیکن نمازی ایسا ہو کہ اُس کا قیام اِس عالم میں ہو اور توجہ اُس عالم میں۔

کعبہ سے مُراد انبیاء و اولیاء کا دِل ہے جو وحیِ حق کا محل ہے اور یہ کعبہ اُس کی فرع ہے۔ اگر دِل حاصل نہ ہو کعبہ سے کیا حاصل۔ انبیاء اور اولیاء نے کُلّی طور پر اپنی مُراد ترک کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مُراد کے تابع ہیں یعنی اُس کے فرمان پر چلتے ہیں حتیٰ کہ جس کسی پر اُس کی عنایت نہ ہو اُس سے بیزار ہو جاتے ہیں خواہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہو اور وُہ اُن کی نظر میں دشمن دکھائی دیتا ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

بے شک ہم اللہ کے لیئے ہیں اور اُسی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

جو کچھ تُو اِس عالم میں دیکھتا ہے اُس عالم میں بھی اِسی طرح ہے بلکہ یہ سب اشیاء اُس عالم کا نمونہ ہیں۔ اور جو کچھ اِس عالم میں ہے سب اُس عالم سے لائے ہیں جیسا ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (کوئی شئے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں لیکن ہم اِس میں سے ایک مقدار مُعیّن کے مطابق اُتارتے رہتے ہیں)۔

عطّار مختلف اَدویّہ کے صندوقچوں میں ہر انبار سے تھوڑی تھوڑی دوائیں رکھتے ہیں۔ کسی میں ایک مُشت فلفل کسی میں ایک مُشت مصطگی علیٰ ھٰذا القیاس۔ انبار تو بے نہایت ہیں لیکن اُس کے صندوقچہ میں اِس سے زیادہ نہیں سماتا۔ پس حضرتِ انسان ایک عطّار کی مثل ہے یعنی ایک عطّار کی دُکان ہے کہ اُس میں صفاتِ حق کے خزائن سے مُشت مُشت و پارہ پارہ ڈبوں اور صندوقچوں میں رکھا ہُوا ہے مثلاً پارۂ سمع پارۂ بصر پارۂ کلام پارۂ عقل پارۂ کرم اور پارۂ علم تاکہ اپنی اِستعداد کے مطابق اِس عالم میں تجارت کرے۔ تو گویا حضرتِ انسان اللہ تعالےٰ کی صفات کا مظہر ہے اور اِس کا باطن تمام صفاتِ الٰہیہ کی خوشبو سے معطّر اور معنبر ہے۔ اور اِس کے ڈبّے دِن رات پُر کیئے جاتے ہیں۔

اَے طالب! اب تجھ پر منحصر ہے کہ اِن خوشبو کے ڈبّوں کو ضائع کرے یا اِن سے فائدہ حاصل کرے۔ تُو دِن کو اِن کو خالی کر دیتا ہے اور رات کو حقتعالیٰ پھر پُر کر دیتے ہیں اور تجھ کو تازہ قُوّت بخشتے ہیں۔ مثلاً تُو آنکھ کے نُور کو دیکھتا ہے

Marfat.com

اُس عالم میں مختلف آنکھیں چشمیں اور نظریں ہیں اُس نے ایک نمونہ تیرے لیئے بھیجا گیا ہے تاکہ اُس سے اس عالم کی سیر کر سکے بینائی صرف اسی قدر نہیں ہے لیکن آدمی اس سے زیادہ تحمل نہیں کرتا وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۔ یہ صفات ہماری بھی بے نہایت ہیں لیکن تجھے تیری استعداد کیمطابق عطا کرتے ہیں۔ پس غور کر کہ کتنے ہزار خلائق قرناً بعد قرن آئیں اور اس بحرِ وحدت سے سیراب ہوئیں اور پھر خالی ہو گئیں۔ اس سے اندازہ کر کہ صفاتِ الٰہیہ کا بحر کس قدر ناپیدا کنار ہے۔ اب جس کسی کو اس بحر سے حصّہ زیادہ ملتا ہے وہ اپنے وجود سے فانی ہو جاتا ہے +

پس تو جان لے کہ جمیع موجوداتِ عالم ایک ٹکسال سے باہر آ رہے ہیں اور پھر اُسی ٹکسال کیطرف واپس رجوع کر رہے ہیں جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اِنَّا لِلّٰهِ یعنی ہمارے جمیع اجزا بحرِ حقیقت سے ظاہر ہوئے ہیں اور اُسی ذات کا ایک نمونہ ہیں اور پھر کیا چھوٹا کیا بڑا کیا حیوانات سب اُسی کی طرف واپس رجوع کر رہے ہیں۔ لیکن وہ ذات پاک اس تعین کے طبلہ میں جلدی ظاہر ہو جاتے ہیں اور بغیر طبلہ کے ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ وہ ذات پاک لطیف ہیں اور نظر نہیں آتے لیکن یہ کونسی تعجب کی بات ہے۔ کیا تو نسیمِ بہار کو نہیں دیکھتا جب اشجار اور سبزہ زار اور گلزار اور گلستان میں ظاہر ہوتی ہے تب تو جمالِ بہار کو ان کے واسطہ سے دیکھتا ہے لیکن اگر تو نسیم بہار کی ذات کو دیکھنا چاہے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ آخر خزاں میں یہ تفرّج اور گلزار کیوں نہیں ہوتے کیونکہ یہ صرف اُسی کے پرتو سے ہیں بلکہ گلزار اور ریاحین کی صورت پر اُسی کی موجیں جلوہ نما ہیں۔ موجیں چونکہ لطیف ہیں سوائے واسطہ کے نظر نہیں آتیں +

اسیطرح آدمی میں بھی صفات پوشیدہ ہیں۔ سوائے واسطہ اندرونی یا بیرونی کے ظاہر نہیں ہوتیں۔ کسی کی کلام سے کسی کے دُکھ دینے سے کسی کے ساتھ جنگ کرنے سے اور کسی کے ساتھ صُلح کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ آدمی کی صفات نظر نہیں آتیں اپنی ذات میں غور کر۔ تو کچھ نہیں پاتا اور اپنے آپ کو ان صفات سے خالی جانتا ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ تو اپنی حقیقت کا عارف نہیں ہے ورنہ یہ تمام صفات تیری ذات میں نہاں ہیں +

صفات انسان میں ایسے ہیں جیسے پانی دریا میں۔ پانی دریا سے باہر نہیں نکلتا جب تک بارش کی وجہ سے سیلاب نہ آئے اور ظاہر نہیں ہوتا جب تک دریا میں موجیں نہ پیدا ہوں۔ موج ایک جوش ہے جو تیرے دل سے بغیر کسی بیرونی واسطہ کے ابھرتا ہے۔ لیکن جب دریا ساکن ہو تو کچھ نہیں دیکھ سکتا +

تیرا تن دریا کے کنارے پر ہے اور جان تیری ایک دریا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتا کہ اُس میں ہزاروں قسم کے سانپ، مچھلیاں، پرندے اور گوناگون خلائق رہتے ہیں۔ اور عجیب یہ ہے کہ باہر نکلتے ہیں اپنا آپ دکھاتے ہیں اور پھر دریا میں غوطہ لگا جاتے ہیں تیری صفات مثل غصّہ حسد اور شہوت وغیرہ اس دریا سے سر باہر نکالتی ہیں۔ تیری صفات گویا اولیائے مستور ہیں جو بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے جب تک وہ خود برہنہ نہ ہوں۔ پس غایت لطافت کی وجہ سے تیری صفات نظر نہیں آتیں +

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ

Marfat.com

اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں۔ وُہ اُنکو نورِ اسلام سے نکال کر کفر کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ۞

حکایت۔ ایک شخص سخت لاغر و ضعیف اور حقیر تھا۔ اور لوگوں کی نظروں میں مثل چڑیا کے سخت حقیر تھا حتیٰ کہ حقیر سے حقیر صُورتیں بھی اُس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتیں۔ اور خداوند تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتیں کیونکہ اُس کے دیکھنے سے قبل وُہ لوگ اپنی صُورت کی حقارت سے مُتشکی ہوتے تھے۔ باوجود ایسا حقیر ہونے کے وُہ شخص رات کو بادشاہ کے دربار میں وزیر کے مُنہ پر اُسکے خلاف سخت اور ترش کلام کرتا۔ وزیر کو اُس کے کلام کا رنج ہوتا لیکن بُردباری سے کام لیتا۔ تنگ آکر ایک دن وزیر بھی گرم ہُوا اور بولا "اے اہلِ دیوان! اِس فلانے فلانے کو ہم نے خاک سے اُٹھایا۔ پرورش کی اور ہمارے دستر خوان اور نعمت کی بدولت کچھ بنا اور اب یہ حالت کہ ہمارے ساتھ ایسی سخت کلامی کرتا ہے" وُہ اُس کے مُنہ پر اُچھلا اور جواب دیا "اے اہلِ دیوان و ارکینِ سلطنت! وزیر صاحب ٹھیک فرماتے ہیں۔ مَیں اِن کے والد بزرگوار کی نان و نعمت سے پلا ہُوں اور جوان ہُوا ہُوں حتیٰ کہ اِس حقارت و رُسوائی سے مُشرف ہُوں۔ اگر کسی اَور کی نان و نعمت پر پلتا ہو سکتا ہے کہ میری صُورت و قامت اور قیمت اِس سے بہتر اور زیادہ ہوتی۔ اُس نے مجھے خاک سے اُٹھایا لہٰذا گذارش ہے یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ہ (کاش مَیں خاک ہی رہتا) اور اگر کوئی دُوسرا مجھے خاک سے اُٹھاتا مَیں ایسا مضحکہ نہ ہوتا ۞

اِسی طرح وُہ مُرید جو مردِ حق سے پرورش پاتا ہے اُس کی رُوح پر و بال اور قوّت حاصل کرتی ہے اور جو کسی مکار اور ریاکار سے پرورش پاتا ہے اور اُس سے علم حاصل کرتا ہے اور اُس سے تربیّت و مجاہدہ پاتا ہے اُس کی رُوح اُس حقیر اور ضعیف شخص کی طرح رنجیدہ عاجز غمگین اور شکوک سے پُر ہوتی ہے اور اُس کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط ۞

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ

کیا آپ نے وُہ شخص (نمرود) نہ دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کیساتھ اپنے پروردگار کے وجود کے بارہ میں جھگڑا۔ اِس وجہ سے

وَاُمِیْتُ ط قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا

کہ خداوند تعالیٰ نے اُس کو سلطنت دی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ میرا رب وُہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ کہنے لگا مَیں

یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۞

بھی جلاتا ہُوں اور مارتا ہُوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سُورج کو مشرق سے لاتا ہے پھر تُو لے آ اُس کو مغرب سے۔ تب حیران رہ گیا وُہ منکر اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں فرماتے ۞

یہ تمام علوم اور مجاہدات اور عبادات حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظمت کے استحقاق کی نسبت ایسے ہیں جیسا کسی شخص نے تیری تعظیم کی اور کچھ خدمت کی اور پھر چلا گیا۔ اگر تُو حقتعالیٰ کی عبادت میں چپہ چپہ زمین پر سجدہ کرے تو گویا تُو نے ایک بار زمین پر سر رکھا کیونکہ استحقاق حق اور اُس کا لُطف تیرے وُجود اور عبادت پر سابق ہے۔ اللہ تعالےٰ تجھ کو کہاں سے کہاں لائے اور پھر

Marfat.com

موجود کیا اور خدمت اور بندگی کی استعداد بخشی اور تُو اب اُن کی بندگی کی لاف مارتا ہے ۔

یہ اعمال اور عبادات ایسے ہیں کہ تُو لکڑی سے اور رندہ سے چھوٹی چھوٹی صورتیں تیار کرے اور بعد میں جناب الٰہی میں عرض کرے کہ الٰہی یہ چھوٹی چھوٹی صُورتیں میں نے خوشی سے بنائی ہیں اب اِن کو جان بخشنا آپ ہی کا کام ہے ۔ اگر آپ جان بخشیں تو میرے علوم کو آپ زندہ کر دیں گے اور اگر نہ بخشیں تو بادشاہی آپ ہی کیلئے ہے ۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ خُدا وُہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ۔ نمرود نے کہا میں زندہ کرتا اور مارتا ہُوں ۔ سبب حقتعالیٰ نے اُس کو سلطنت دی اور اپنے آپ کو بھی قادر دیکھا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کیا اور کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہُوں ۔ اور میری مُراد اس سے دانش کا مُلک ہے جب حقتعالیٰ آدمی کو علم و دانائی و عقلمندی بخشتے ہیں تو اپنے کاموں کی اضافت اپنی طرف کرتا ہے کہ میں اِس علم اور عمل کی بدولت اُمور کو زندہ کرتا ہُوں ! اور ذوق حاصل کرتا ہُوں اور یہ نہیں کہتا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) ۔

سوال ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نمرود کو فرمایا میرا خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے کہا میں بھی ایسا کرتا ہُوں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے پھر دُوسری دلیل پیش کی کہ میرا خدا وُہ ہے جو آفتاب کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب کو لے جاتا ہے اگر تُو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اِس کے خلاف کر دکھا ۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو لاجواب کر دیا کہ پہلے سخن اور دلیل کو چھوڑ دیا بلکہ جواب تک نہ دیا اور دُوسری دلیل شروع کر دی ۔

جواب ۔ یہ ایک ہی سُخن ہے دو مثالوں میں لیکن اکثر لوگوں نے اِس کو غلط سمجھا ہے ۔ اِس کے بہت معانی ہیں ۔ ایک توجیہہ یہ ہے کہ حقتعالیٰ نے تجھ کو کتمِ عدم سے باطنِ مادر میں مُصوّر کیا اور تیرا مشرق شکمِ مادر تھا ۔ اُس جگہ سے تُو نے طلوع کیا اور قبر کی مغرب میں داخل ہُوا ۔ یہ سب دُوسری عبارت میں پہلا ہی سُخن ہے کہ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (وُہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) اب اگر تُو قادر ہے تو گور کی مغرب سے باہر نکال اور رحم کی مشرق میں واپس لے جا ۔

دُوسری توجیہہ یہ ہے کہ عارف کو چونکہ طاعت اور مجاہدہ اور متفرّق اعمال کے واسطہ سے روشنی اور ذوق اور مستی اور رُوحانی ترقّی اور راحت نصیب ہوتی ہے اور اُس طاعت و مجاہدہ کے ترک کی حالت میں وُہ خوشی غروب ہو جاتی ہے اِسلیئے یہ دو حالتیں طاعت و ترکِ طاعت اُس کے لئے مشرق و مغرب ہیں ۔ اگر تُو زندہ کرنے پر قادر ہے تو اِس حالتِ غروب جس میں فسق و فساد و معصیت ہے اُس روشنی و ذوق کو جو طاعت سے طلوع کرتے ہیں اِس حالت میں ظاہر کر دکھا ۔ یہ کارِ بندہ نہیں ہے اور بندہ اِس کو ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ کارِ حقتعالیٰ ہے کہ اگر چاہے آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دیتا ہے اور اگر چاہے مشرق سے کیونکہ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (اللہ تعالےٰ وُہ ذات ہیں جو زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں) ۔

Marfat.com

سُورۂ اٰل عِمران

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

انسان کو مرغوب چیزوں مثلاً بیویاں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے ڈھیروں ڈھیر اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

کی محبت خوشنما کر دکھائی گئی ہے یہ سب اسی دُنیا کا عارضی ساز و سامان ہے۔ اور اچھا ٹھکانہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

دریا پر پہنچ کر دریا کے پانی سے یا ایک گھڑے سے قانع ہو جانا افسوس کا مقام ہے۔ جوہری لوگ آخر اسی دریا سے یواقیت و جواہر اور کئی ہزار چیزیں لے جاتے ہیں۔ دریا سے پانی لے جانا کیا قدر رکھتا ہے اور عاقل لوگ اس پر کیا فخر کریں اور اس سے کیا فائدہ اٹھائیں۔ یہ عالم دریا کی جھاگ ہے اور یہ دریا کا پانی اولیاء کے علوم ہیں وہ اصل گوہر خود کہاں ہے۔ یہ عالم جھاگ پُر خاشاک ہے۔ لیکن اُن موجوں کی گردش سے و دریا کے جوش کی مناسبت سے اور دریا و موجوں کے ہلنے سے وہ جھاگ خوشنما دکھائی دیتی ہے جیسا ارشاد خداوندی ہے "زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

پس جب اللہ تعالیٰ نے "زُيِّنَ" (خوشنما کر دکھائی گئی ہے) فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ خود خوب نہیں ہے بلکہ خوبی اُس میں عارضی طور پر رکھی گئی ہے اور کسی دُوسری جگہ سے لائی گئی ہے۔ گویا کھوٹی چاندی پر سونے کا ملمع کیا ہوا ہے۔ یعنی یہ دُنیا جو کہ نادار جھاگ ہے کھوٹی چاندی ہے اور بے قدر ہے اور بے قیمت ہے لیکن ہم نے اس پر ملمع کیا ہوا ہے جیسا زُيِّنَ لِلنَّاسِ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دینگے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنیوالے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔

اہل اللہ نے جو مراتب اور مدارج حاصل کئے ہیں سب جناب سیّد عالم سرور کائنات مفخر موجودات حضور نبی کریم نورِ قدیم جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور تاثیر سے حاصل کئے ہیں۔ کیونکہ سنت حق تعالیٰ یہ ہے کہ پہلے تمام انعامات آپ پر نازل کئے جاتے ہیں اور پھر آپ کے دست مبارک سے تمام خلائق کو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ (اے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت اور برکتیں نازل ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ (اور خدا کے نیک بندوں پر)۔

Marfat.com

راہِ حق سخت مخوف وبستہ وپُر برف تھا آپؐ نے جانبازی کی گھوڑا دوڑایا اور راہ کو چیر ڈالا۔ اب جو کوئی اس راہ پر چلتا ہے آپؐ ہی کی عنایت وہدایت کا صدقہ ہے کیونکہ اس شاہراہ کی بنیاد آپؐ ہی نے رکھی اور آپؐ ہی نے اس کی تکمیل کی ہر جگہ نشان قائم کئے اور حدود مقرر کیں کہ اس طرف چلو اور اُس طرف مت چلو۔ اور اگر اُس طرف چلوگے تو قومِ عاد وثمود کیطرح ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور اگر اِس طرف چلوگے تو مؤمنین کی طرح فلاح پا جاؤگے۔

سارا قرآن مجید اسی آیت کے بیان میں ہے۔ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ (اس میں نشانیاں ظاہر ہیں) یعنی اس راہ میں پہلے نشانیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان نشانوں میں سے کسی ایک نشان کے توڑنے کا قصد کرتا ہے تو تمام لوگ اُس کے درپے ہو جاتے ہیں کہ کیا تو راہزن ہے کہ ہماری شاہراہ کو ویران کرتا ہے اور ہم کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اب سامنے جناب محمدؐ پاک ہیں صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ اب کوئی شخص جب تک آپؐ تک نہ پہنچے ہم تک نہیں پہنچتا۔ جیسا کہ جب تو کسی جگہ جانے کا ارادہ کرتا ہے پہلے عقل رہبری کرتا ہے کہ مصلحت یہ ہے کہ پہلے فلاں جگہ جانا چاہیئے۔ پھر آنکھ پیشوائی کرتی ہے اور اُس کے بعد اعضاء حرکت میں آتے ہیں۔ ان مراتب کی یعنی اگرچہ اعضاء کو آنکھ کی خبر نہیں اور آنکھ کو آدمی کے عقل کی خبر نہیں لیکن ہر کوئی عقل ہی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور غصّے کے ضبط کرنیوالے اور لوگوں سے درگذر کرنیوالے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے لوگوں نے سوال کیا کہ دُنیا اور آخرت میں صعب ترین چیز کونسی ہے؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا غضب بولے اُس سے نجات دینے والی کونسی چیز ہے؟ فرمایا اپنے غصّے کے ضبط کرنیسے اُس کا غضب فرو کرو۔

طریقہ یہ ہے کہ جب تیرا نفس خالق کی شکایت کرنا چاہے تو اُس کے خلاف کرے یعنی شکر ادا کرے اور شکر میں اسقدر مبالغہ کرے کہ تجھے اُس کی محبّت حاصل ہو جائے کیونکہ بناوٹ سے شکر پڑھنا حق تعالیٰ سے محبّت تلاش کرنا ہے۔ اور مخلوق کی شکایت بھی خالق کی شکایت ہے کیونکہ حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

کسی شخص کے ساتھ تیری دُشمنی اور غُصّہ تیرے باطن میں آگ کی مثل پوشیدہ ہوتا ہے۔ جب تو کوئی چنگاری نکلتی دیکھے اُس کو اُسی جگہ بُجھا دے تاکہ واپس باطن میں جہاں سے پیدا ہوئی ہے چلی جاوے۔ اور اگر تُو نے کبریت جوابی اور دُشنام سے مدد کی تو یہ چنگاری باہر پھیل جائے گی اور ایک دُوسری باطن سے نکل آئے گی اور اب ان کا واپس باطن میں بھیجنا دُشوار ہو جائیگا اسی لیئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ تو جواب میں کہہ اُس سے بہتر پھر تو اچانک دیکھے گا کہ جس شخص کے ساتھ تیری دشمنی تھی وہ تیرا ولی دوست ہو جائیگا۔ اسطرح تو دُشمن پر دو وجہ سے غالب آ جائیگا۔ ایک تو یہ کہ اُس کا گوشت دپوست تیرا دُشمن نہیں بلکہ اُس کا خیال

Marfat.com

ہی تیرا دشمن ہے۔ جب احسان کی زیادتی سے تیرے دل سے اُس کا خیال جاتا رہا تو لازمی طور پر اُس کا دل بھی صاف ہو جائیگا کیونکہ اوّلاً قدرتاً انسان احسان کا غلام ہو جاتا ہے اور دُوسرے عداوت کا فائدہ نہ دیکھنے سے بھی۔ جیسے چھوٹے بچے مذاقیہ ایک شخص کو نوکر کہہ کر پکارتے ہیں وہ آگے سے گالی دینے لگتا ہے تو اُن کی رغبت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اُن کے سخن پر عمل کرتا ہے اور اگر اُس شخص میں کوئی تغیر نہیں دیکھتے اور فائدہ نہیں دیکھتے تو اُن کا رجحان ختم ہو جاتا ہے۔

دُوسرے جب کہ درگذر کرنے کی صفت تجھ میں ظاہر ہو گئی تو معلوم ہُوا کہ تیری مذمت و دروغ کو اُس نے غلط دیکھا ہے اور اُس نے تیری اصلیت کو نہیں دیکھا۔ اور معلوم ہُوا کہ مذموم وہ ہے نہ کہ تُو۔ اور کوئی حجت دشمن کو اِس سے زیادہ شرمندہ نہیں کرتی کہ اُس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ پس اُس کے شکریہ میں تعریف سے تُو اُس کو زہر دے رہا ہے کیونکہ وہ تیرے نقص کا اظہار کرتا ہے اور تُو نے اپنا کمال ظاہر کر دیا کہ تُو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ محبوب ربّ العالمین ناقص نہیں ہوتا۔

تُو اُس کی اِسقدر تعریف کر کہ اُس کے دوست گمان میں پڑ جائیں کہ شاید ہم سے نفاق سے ہے کہ اُس کیساتھ اِس قدر اتفاق ہے۔ اگر تیرا دشمن مجسم تکبر ہے تو اُس کے تکبر کی مونچھیں نرمی سے اُکھیڑ ڈال اور اگر وہ بڑا قوی گردن ہے تو اُس کی گردن حلم سے توڑ ڈال۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفاتِ عالیہ یعنی کظم خشم خویش اور عفو سے مُشرف اور مُزین اور مُعطر فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

سورہ نساء

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ الخ

اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

عارفین باللہ کثرتِ مجاہدہ سے صانعِ حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں اور عین الیقین سے مشاہدہ حاصل کر لیتے ہیں اور شرابِ توحید سے مخمور ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ محبوبِ لم یزلی اُن کی نظر اور تصور سے ہرگز غائب نہیں ہوتا۔ پس ایسے لوگ فانی فی اللہ ہو جاتے ہیں اور اُن کے حق میں گناہ گناہ نہیں رہتا اور جُرم جُرم نہیں ہوتا کیونکہ وہ مغلوب الحال اور مستہلکِ نورِ ذات ہوتے ہیں۔

کسی بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ایک مہمان عزیز آرہا ہے۔ ہر غلام اپنے ہاتھ میں سونے کا ایک ایک گلاس لیکر کھڑا ہو جائے۔ اس کے بعد جب بادشاہ سلامت برآمد ہوئے تو جو غلام سب سے زیادہ مقرب و با اختصاص تھا وہ جمالِ شاہی سے ایسا بیخود و مست ہُوا کہ گلاس اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گرا اور ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کی تقلید میں دوسرے غلاموں نے بھی اپنے اپنے گلاس پھینک کر توڑ ڈالے۔ اس پر جب عتابِ سلطانی نازل ہُوا تو سبھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس غلام خاص کو دیکھ کر یہ کیا۔

Marfat.com

بادشاہ نے فرمایا کہ اے بیوقوف! وُہ گلاس اس نے کب توڑا تھا۔ وُہ تو ہم ہی نے توڑا تھا۔ وہ ہمیں دیکھ کر اپنے آپ میں رہا کب تھا۔ وُہ اُس گھڑی غلام تھا ہی نہیں۔ جمالِ بادشاہی میں فنا ہو کر خود بادشاہ ہو گیا تھا۔ اُس کا ظاہری قصور عین طاعت و کمالِ اطاعت تھا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں سو اُن کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صُلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

مَیں نے روزی کا قاعدہ تحقیقاً جان لیا ہے اور میری عادت نہیں کہ فضول دوڑتا پھروں اور بغیر ضرورت کے رنج اُٹھاؤں البتہ جو کچھ میری روزی نقدی یا خوراک یا لباس یا دیگر ضروریات میں سے میرے مقدر ہے جب کہ مجھے بیٹھے بٹھائے مل جاتی ہے تو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس روزی کی طلب میں دوڑوں۔ روزی کی طلب مجھے ناحق رنج اور خوار کرتی ہے اور اگر میں صبر کیساتھ اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہوں تو میں روزی کو اپنے پاس کھینچ لیتا ہوں۔ چونکہ روزی مجھے نہیں کھینچ سکتی لہٰذا میرے پاس آجاتی ہے کیونکہ روزی خود میری طالب ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کارِ دین میں مشغول رہ تاکہ دُنیا تیرے پیچھے دوڑے اِس بیٹھنے سے مُراد کارِ دین پر بیٹھنا ہے اگر کوئی دین کی خاطر دوڑتا ہے تو حقیقتاً وُہ بیٹھا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص حصولِ دُنیا کیلئے بیٹھا ہوا ہے تو حقیقتاً وُہ دوڑ رہا ہے اگرچہ بیٹھا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَّاحِدًا كَفَاهُ اللّٰهُ سَائِرَ هُمُوْمِهٖ (جس نے اپنے تمام رنجوں کو چھوڑ کر صرف ایک رنج و فکر کو قائم رکھا حق تعالیٰ اُس کی دوسری فکروں کو از خود دُور کریگا)۔ جس کسی کو دس غم ہوں اگر وُہ دین کا غم قائم کرے تو حق تعالیٰ اُس کے دوسرے غموں کو بغیر اُس کی کوشش کے دُور کر دیتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے نام و نان کیلئے زندگیاں نہیں گزاریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی میں وقف کی ہوئی تھیں۔ اس لیئے دین و دُنیا یعنی سب جہان کو حاصل ہوا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتا ہے وُہ اِس جہان میں اور اُس جہان میں پیغمبروں کے ساتھ ہمنشین اور ہمخانہ ہوتا ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ۔ یہ کیا وُہ تو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کیساتھ ہمنشین ہوتا ہے جیسا حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ (جو مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کا ہمنشین ہو جاتا ہوں)۔ اگر اللہ تعالیٰ اُس کا ہمنشین نہ ہوتا ہرگز اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا شوق نہ ہوتا۔ بُوئے گُل ہرگز بغیر گُل نہیں ہوتی اور بُوئے مُشک ہرگز بغیر مُشک نہیں ہوتی۔

اِس کلامِ الٰہی کا بحر ناپیداکنار ہے اور اِس کے مطالب اور معانی، حقائق اور دقائق، رموز اور کنوز، اسرار اور انوار بیشمار

بعید از انحصار ہیں۔ جیسا ایک عاشق اور معشوق کے مکالمہ میں ساری رات ختم ہو جاتی ہے لیکن ابھی اُن کے کلمات ختم نہیں ہوتے۔ یہ زمانہ گزرا جا رہا ہے لیکن اِس کلام الٰہی کا نور زیادہ ظاہر ہو رہا ہے یعنی نئی نئی تفاسیر کا وجود ظہور میں آ رہا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی عمر کی رات تو گذر گئی لیکن اُن کی احادیث کا نور نہ ختم ہوا نہ ہوگا۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ۝

اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔

یہ علمائے ظاہر جو کہ فارغ التحصیل ہیں یا تحصیل میں ہیں خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم علمائے ربانی کیساتھ بیعت کریں تو ہم اپنے علوم کو بھلا بیٹھیں گے حالانکہ اگر یہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوں تو ان کے علوم زندہ ہو جائیں۔ تمام علوم مثل نقوش کے ہیں۔ جب اُن میں رُوح پڑتی ہے تو ایسے ہو جاتے ہیں جیسے مُردہ قالب میں جان پڑ جائے۔ اِن تمام علوم کی اصل اُسی جگہ سے ہے یعنی عالم بے حرف و صوت سے منتقل ہوتے ہیں۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ۝ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام حرف اور صوت سے نہیں کیا کیونکہ حرف کو ظاہر کرنے کے لئے کام اور لب چاہیئے اور اللہ تعالیٰ لب اور دہن سے منزہ ہیں۔ پس حقتعالیٰ انبیاء علیہم السلام کیساتھ گفت و شنود عالم بے حرف و صوت میں کرتے ہیں جہاں اِن عقول جزوی کے اوہام نہیں پہنچتے اور نہیں پہنچ سکتے۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام عالم لامکان سے عالم شہادت میں اِن طفلانِ راہ کیلئے اُستاد بن کر آجاتے ہیں جیسا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ اگرچہ یہ علمائے ظاہر کی جماعت جو کہ حرف و صوت میں مقید ہیں فقراء کاملین کے احوال کو نہیں پہنچ سکتے لیکن اُن سے قوت حاصل کرتے ہیں اور نشو و نما پاتے ہیں اور اُن سے اطمینان قلب حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیر خوار بچہ ماں کو تفصیلاً نہیں شناخت کرتا لیکن اُس سے آرام حاصل کرتا ہے اور قوت حاصل کرتا ہے یا جیسا کہ میوہ شاخ پر پرورش پاتا ہے اور میٹھا ہو جاتا ہے لیکن اُس کو درخت کی خبر نہیں ہوتی۔ اسیطرح علمائے ظاہر ابتداء میں اگرچہ اقطاب عارفین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کمالات کو نہیں جانتے اور نہیں پا سکتے لیکن پرورش پا کر قوت حاصل کر لیتے ہیں اور اُسی طرح صاحب کمال ہو جاتے ہیں۔ تمام علوم مثل نقوش کے ہیں اور جاننا چاہیئے کہ ان تمام کیلئے عقل و حرف و صوت سے وراء ایک اور عالم ہے جو بہت عظیم ہے۔

شیخ محقق قدس سرہٗ کا قول ہے کہ اوّل دید ہے بعد ازاں گفت و شنود جیسا کہ بادشاہ کو دیکھتے تو سبھی ہیں لیکن خاص وہ شخص ہے جو بادشاہ کے ساتھ کلام کرے۔

میرے نزدیک یہ قول غلط اور فضول اور مہمل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے گفت و شنود کرتے تھے لیکن دیدار کے طالب تھے۔ مقام کلام مقام کلیم اللہ تھا اور مقام دیدار مقام رسول اللہ تھا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ پس یہ قول

Marfat.com

کیسے درست ہو سکتا ہے۔

سُورۂ مائدہ

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ط

آج تمہارے لیئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں۔

کسی درویش کا ایک شاگرد تھا جو اُسی کی خاطر بھیک مانگا کرتا تھا۔ ایک دن بھیک مانگ کر اُس کیلئے کھانا لایا اور اُس درویش نے کھایا۔ رات کو وُہ درویش محتلم ہُوا۔ صبح کو شاگرد سے دریافت کیا کہ یہ کھانا کس سے لایا تھا۔ اُس نے کہا ایک حسین جوان لڑکی نے دیا تھا۔ بولا۔ قسم ہے اللہ پاک کی کہ بیس سال سے مجھے احتلام کبھی نہیں ہُوا۔ یہ اُسکے لُقمہ کا اثر تھا۔

درویش کو احتراز کرنا چاہیئے اور ہر کسی کا لقمہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ درویش لطیف ہے لُقمہ اُس میں جلدی اثر کرتا ہے اور نتائج ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ صاف سفید کپڑے پر تھوڑا سا داغ بھی صاف نظر آنے لگتا ہے لیکن سیاہ کپڑے پر کوئی اثر نہیں رکھتا نہ کپڑے کیلئے نہ ناظرین کیلئے۔ پس جبکہ معاملہ ایسا ہے تو درویش کو ظالموں وحرام خواروں اور بے دینوں کا لقمہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ وُہ لُقمہ فوراً اثر کرتا ہے اور اُس حرام لُقمہ سے فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اُس لڑکی کے طعام سے وُہ درویش محتلم ہُوا۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ o

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کیطرف سے نُور آیا ہے اور ایک واضح کتاب۔ نُور سے مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

سوال۔ جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باوجود اُس عظمت کے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ کو نہ پیدا کرتا تو مَیں آسمانوں کو بھی نہ پیدا کرتا) یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش ربِ محمدؐ نے محمدؐ کو نہ پیدا کیا ہوتا) یہ کیسے ہے؟

جواب۔ یہ سُخن مثال سے روشن ہو جائیگا۔ ایک گاؤں میں ایک مرد کسی عورت پر عاشق ہو گیا۔ اور دونوں کی عیش کی جگہ نزدیک تھی۔ آپس میں عیاشی کرتے اور خوب تر د تازہ ہوتے تھے۔ اُن کی حیات ایک دُوسرے سے تھی جیسا مچھلی پانی ہی میں زندہ رہتی ہے۔ کئی سال اکٹھے رہے۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے اُن کو غنی کر دیا اور بیشمار گائیں بکریاں گھوڑے مال بسزہ اور خدم وحشم اُن کو عطا فرمایا۔ دولت کی زیادتی کی وجہ سے دونوں نے شہر کا ارادہ کیا اور دونوں نے شاہانہ محل خریدے اور وُہیں بُود وباش اختیار کی۔ ایک نے شہر کی ایک طرف اور دُوسرے نے شہر کی دُوسری طرف ڈیرے لگائے۔ اَب اُس

Marfat.com

حال میں وُہ عیش اور وُہ وصال نصیب نہ ہو سکتا تھا اس لیئے اُن کے دِل مغموم اور جگر سوزاں تھے۔ دِل ہی دِل میں آہ وزاری کرتے تھے لیکن ہمکلامی کا بھی اِمکان نہ تھا۔ حتیٰ کہ یہ سوزش کمال کو پہنچی اور اُن کی ہستی کو کُلّی طور پر جلا دیا۔ اب کیا تھا اُنکی زاری جناب الٰہی میں قبول ہو گئی۔ تمام مال اسباب اور بکریاں گُم ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ بتدریج پہلی حالت کو پہنچ گئے۔ اِس کے بعد وُہ پھر اپنے اُسی گاؤں میں لوٹ آئے اور اُسی عیش و وصل و کنار میں مشغول ہو گئے۔ اُس فراق کی تلخی کو یاد کرنے پر آواز نکالی یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا۔ جب حضور نبی کریم نورِ قدیم محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ اطہر واقدس عالمِ قدس میں مجرّد تھی اور حقتعالےٰ کے وصال سے مخمور تھی اُس رحمت کے دریا میں مثل ماہی کے غوطہ زن تھی۔ اگرچہ اِس عالم میں آپؐ مقامِ پیغمبری و رہنمائی خلق اور عظمتِ بادشاہی سے مشرف ہیں اور تمام عوالم میں شہرت کے ڈنکے بج رہے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت آپؐ کے مقتدی ہیں لیکن جب آپؐ اُس وصالِ مطلق کے زمانہ کو یاد فرماتے ہیں تو فرمانے لگتے ہیں کہ کاش ہم پیغمبر نہ ہوتے اور اِس عالم میں تشریف فرما نہ ہوتے کیونکہ اُس وصالِ مطلق کی نسبت یہ تمام مملکت بار و عذاب و رنج ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ وُہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے اُنکے

مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ساتھ دوستی کریگا بیشک وُہ اُن ہی میں سے ہوگا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

دنیادار بادشاہوں کی مجلس اِس لیئے خطرناک نہیں کہ جان کا خطرہ ہے۔ جان کا پنچھی تو پرواز کرہی جاتا ہے کیا آج کیا کل۔ لیکن اسلیئے خطرناک ہے کہ اُن کے نفوس مال و دولت سے قوت پکڑ کر مثل اژدہا کے ہیبت ناک ہو جاتے ہیں۔ اب جو کوئی اُن کی صحبت کرتا ہے اور دوستی کا دعوی کرتا ہے اور اُن کا مال قبول کرتا ہے لازمی ہے کہ اُنکے موافق کلام کرے اور اُن کی بُری رائے کو صدقِ دِل سے قبول کرے کیونکہ وُہ اُن کے مخالف بول نہیں سکتا اور یہی چیز خطرناک ہے کیونکہ دین کو نقصان دہ ہے۔ جتنا تُو اُس طرف کو آباد کرے گا یہ طرف یعنی دین برباد کرے گا۔ جتنا تو اُس طرف رجوع کریگا اِس طرف جو معشوق ہے تجھ سے مُنہ پھیرے گا۔ اور جتنا تو اہلِ دُنیا سے ملاپ کرے گا وُہ محبوبِ حقیقی تجھ پر غضبناک ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا ہے خداوند تعالیٰ اُسی ظالم کو اُس پر مسلط کر دیتے ہیں)۔ تو جبکہ اُس کی طرف رجوع رکھتا ہے تو بھی اِس حکم میں داخل ہے۔ جب تو ہمیشہ اُس کی مجلس میں جائیگا آخر اُسی کو تجھ پر مسلط کر دیں گے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو اُن سے محبت ہے اور اُن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

مجھے اُن لوگوں پر تعجب آتا ہے جو کہتے ہیں کہ اولیاء و عشاق حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ جس کیلئے نہ کوئی جگہ نہ صُورت نہ مکان بلکہ بے چُون و چگون ہے کس طرح عشق بازی کرتے ہیں اور مدد و قوت حاصل کرتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں اور پھر دن رات اُسی کے عشق میں گذارتے ہیں۔

ایک شخص جو دُوسرے شخص سے محبت رکھتا ہے اور اُس سے مدد حاصل کرتا ہے آخر یہ مدد اُس کے لُطف و احسان و علم و ذکر و فکر و خوشی اور غم سے حاصل کرتا ہے اور یہ جُملہ صفات عالمِ لامکان سے ہیں اور وُہ دمبدم اِن معانی سے مدد حاصل کرتا ہے اور متاثر ہوتا ہے۔ کیا اُس پر تعجب نہیں آتا اور اِس پر تعجب آتا ہے کہ اُس ذاتِ لامکان سے کس طرح محبت کرتے ہیں اور اُس سے کسطرح مدد حاصل کرتے ہیں۔

ایک جسمانی حکیم اِس حقیقت کا مُنکر تھا۔ اِتفاقاً بیمار ہو گیا اور اپنا کام ترک کر دیا۔ کافی مدت بیمار رہا۔ ایک رُوحانی حکیم اُس کی بیمار پُرسی کیلئے گیا۔ ارشاد فرمایا۔ تُو کیا مانگتا ہے؟ بولا۔ صحت۔ ارشاد فرمایا کہ اِس صحت کی صُورت بیان کر کہ کیسی ہے تاکہ تیرے لیئے حاصل کر دوں۔ بولا۔ اُس کی صورت کوئی نہیں وُہ بے چُون ہے۔ ارشاد فرمایا۔ تُو پھر کسطرح طلب کرتا ہے آخر بیان کر کہ صحت ہے کیا؟ بولا۔ مَیں تو یہ جانتا ہُوں کہ جب صحت حاصل ہوتی ہے مجھ میں قوت آجاتی ہے اور فربہ ہو جاتا ہُوں اور سُرخ و سفید ہو جاتا ہُوں اور تازہ اور شگفتہ ہو جاتا ہُوں۔ ارشاد فرمایا۔ مَیں تجھ سے نفسِ صحت پُوچھتا ہُوں کہ ذاتِ صحت کیا چیز ہے؟ بولا۔ مَیں نہیں جانتا بیچون ہے۔ ارشاد فرمایا۔ اگر تُو مُسلمان ہو جائے اور پہلے مذہب سے توبہ کرے تو تیرا علاج کر دوں تاکہ صحت تجھ کو حاصل ہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عالیجناب سیدِ کُل ختمِ رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ اقدس و عالیہ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عجب ہے کہ اگرچہ انسان کی حقیقت اور کمالات بیچون ہیں لیکن اُس کی صُورت کے واسطہ سے اُن کمالات سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ فرمایا۔ یہی حال زمین و آسمان کا ہے۔ اِس عالم کی صُورت کے واسطہ سے حقیقتِ عالم یعنی حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اِس چرخ و فلک کا تصرف اور بادلوں کا بروقت برسنا اور موسم سردی اور گرمی کا اور پھر ان موسموں میں تبدیلی کو کیا تُو نہیں دیکھتا کہ سب صواب اور حکمت پر مبنی ہیں آخر یہ ابر جماد کیا جانتا ہے کہ وقت پر برسنا چاہیئے۔ یا زمین کو تُو دیکھتا ہے کیسے سبزی کو اُگاتی ہے اور پھر ایک دانہ سے کیسے دس دانے دیتی ہے۔ آخر کوئی ہستی ہے جو یہ سب کام کر رہی ہے۔ اُس کو اِس عالم کے واسطہ سے دیکھ یعنی صنائع میں غور کرنے سے صانعِ حقیقی تک پہنچ جا۔

اخبار میں وارد ہُوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنگل میں پھر رہے تھے کہ بڑے زور کی بارش شروع ہو گئی۔ ایک غار کے گوشہ میں سیہ گوش کے خانہ میں پناہ لی۔ جس وقت بارش ختم ہوئی وحی ہوئی کہ سیہ گوش کے خانہ سے باہر تشریف

Marfat.com

لیجائیے کیونکہ اُس کے بچے آپ کی وجہ سے اندر نہیں آتے۔ عرض کیا۔ الٰہی! لابن اوی ماوی ولیس لابن مریم ماوی یعنی سیہ گوش کے بچوں کیلئے پناہ ہے اور خانہ ہے اور مریم کے بچے کیلئے نہ پناہ ہے نہ جگہ ہے نہ خانہ ہے نہ مقام ہے ۔

ارشاد ہوا کہ سیہ گوش کے بچوں کیلئے خانہ ہے لیکن ایسا معشوق اُن کو گھر سے باہر نہیں نکالتا۔ ایسا باہر نکال دینے والا تیرے ہی پیچھے ہے۔ اگر تیرے لئے خانہ نہیں تو کیا باک کیونکہ ایسا دھکا دینے والا تجھ پر مہربان ہے۔ اور اس خلعت کے لطف سے تو ہی مخصوص ہوا ہے کہ وہ محبوب تجھ کو دھکے دے رہا ہے۔ اس خلعت کے مقابلہ میں کئی ہزار زمین و آسمان دُنیا و آخرت عرش و کرسی بالکل سستے ہیں اور ہیچ ہیں ۔

ایعزیز۔ ہر جگہ اور ہر حال میں کوشش کر کہ تو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا محب اور عاشق بنا رہے اور جب محبت تجھے حاصل ہو گئی تو تو ہمیشہ محب ہی رہے گا کیا گور میں کیا حشر میں کیا بہشت میں اِلیٰ مَالَانِہَایَۃ۔ جب تو گندم بوئے گا تو گندم ہی اُگے گی اور وہی گندم ہی انبار میں ہو گی اور وہی گندم ہی تنور میں پکے گی ۔

مجنوں نے چاہا کہ لیلیٰ کو عریضہ لکھے۔ قلم ہاتھ میں پکڑی۔ ؎

خَیَالُکَ فِیْ عَیْنِیْ وَ اِسْمُکَ فِیْ فَمِیْ ٭ وَ ذِکْرُکَ فِیْ قَلْبِیْ اِلٰی اَیْنَ اَکْتُبُ

پس جبکہ تیرا تصور آنکھوں میں مقیم ہے اور نام تیرا زبان پر ہے اور ذکر تیرا صمیم جان میں ہے تو تیرے سامنے عریضہ کہاں لکھوں کیونکہ تو ان محلوں میں سیر کر رہا ہے۔ پس قلم توڑ دی اور کاغذ پھاڑ دیا ۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ

اور جب وہ اُس کو سنتے ہیں جو اترا جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝

ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے یقین کیا سو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں ۔

حسام الدین ارزنجانی فقراء کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے مجلس کرنے سے قبل عظیم بحاثی تھا۔ جس جگہ جاتا بے حد بحث و مناظرہ کرتا اور خوب کلام کرتا لیکن جب درویشوں سے مجلس کی اُس کا دل اس سے سرد پڑ گیا ع

نبُرد عشق را جز عشقِ دیگر (عشق کو سوائے عشق دیگر کے کوئی چیز نہیں کاٹتی) ۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّجْلِسَ مَعَ اللّٰہِ فَلْیَجْلِسْ مَعَ اَھْلِ التَّصَوُّفِ (جو شخص خداوند تعالیٰ کی ہمنشینی چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ اہل تصوف کی ہمنشینی اختیار کرے)۔ یہ عُلوم فقراء کے احوال کی نسبت تحصیل اور عمر ضائع کرنا ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ (جان رکھو کہ دنیا کی زندگی

محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔

لیکن جب آدمی بالغ اور عاقل اور کامل ہو جاتا ہے کھیل میں مشغول نہیں ہوتا۔ اور اگر مشغول ہوتا ہے تو غایت شرم سے پنہاں ہوتا ہے۔ یہ عالم قیل و قال اور اُس کی خواہشات مثل ہوا کے ہیں اور آدمی خاک ہے اور جب ہوا خاک سے ملتی ہے جس جگہ پہنچتی ہے آنکھوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور اُس کے وُجود سے سوائے تشویش اور اعتراض کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اب (جب کامل ہو جاتا ہے) اگرچہ خاک ہے جو کلام بھی سُنتا ہے اُسی پر زار زار روتا ہے۔ اُس کے آنسو آبِ رواں کی طرح ہیں جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (آپؐ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں)۔ اب جب خاک پر ہوا کی بجائے پانی نازل ہوتا ہے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔ جب خاک کو پانی مل گیا اُس پر سبزہ و ریحان و بنفشہ و گلاب پیدا ہوتا ہے۔

یہ راہِ فقر ایسا راہ ہے کہ اُس میں تیری جُملہ آرزوئیں پُوری ہو جاتی ہیں اور جس جس چیز کی تُو نے تمنا کی ہو گی ضرور تجھے عطا کی جائے گی۔ اگر فوجوں کو شکست دینا اور دُشمنوں پر فتح پانا اور مُلکوں کا حاصل کرنا اور تسخیرِ خلق اور اپنے زمانہ میں فوقیت حاصل کرنا اور فصاحت و بلاغت وغیرہ تیری مُراد ہو تو جب تُو نے راہِ فقر حاصل کر لیا یہ سب کُچھ تجھے حاصل ہو جائیگا۔ اور اس راہ میں کوئی شخص نہیں گزرا جس نے شکایت کی ہو۔ بخلاف دُوسرے راہوں کے کہ جو کوئی اُن پر چلا اور کوشش کی لاکھوں میں سے ایک کو مقصود حاصل ہُوا لیکن اطمینانِ قلب اور تسکین اُس کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر فن میں حصُولِ مقصُود کے لئے اسباب کی ضرورت ہے اور سوائے اسباب کے مقصود حاصل ہی نہیں ہوتا اس لئے وُہ دُور کی راہیں ہیں اور پُر آفت اور مانع بھی کیونکہ شاید وُہ اسباب مقصُود سے باز رکھیں۔

اَب جب تُو عالمِ فقر میں پہنچ جائیگا حقتعالیٰ تجھ کو وُہ سلطنت عطا کریں گے جو تیرے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہوگی اور جو کُچھ تُو پہلے تمنا کرتا اور مانگتا تھا اُس سے شرمندہ ہوگا کہ ہائے افسوس مَیں نے ایسی حقیر چیز کیوں طلب کی لیکن حقتعالےٰ فرمائیں گے کہ اگرچہ تُو اب اُس سے مُنزہ اور فارغ اور بیزار ہے لیکن چُونکہ ایک وقت تیرے دِل میں اُس کا خیال گزرا تھا اور تُو نے ہمارے لئے ترک کیا۔ ہمارا کرم بے نہایت ہے۔ وُہ بھی ضرور تجھے مُیسّر کر دی جائینگی۔

چنانچہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظہورِ رسالت اور شُہرت سے پہلے عرب کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر تمنا کرتے تھے کہ ہم کو بھی ایسی ہی فصاحت و بلاغت نصیب ہو۔ جب آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عالم غیب کشف ہوا اور آپؐ کُلی طور پرستِ حق ہو گئے تو وُہ طلب اور تمنا آپؐ کے دِل مبارک پر سرد پڑ گئی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وُہ فصاحت و بلاغت جو آپؐ طلب کرتے تھے آپؐ کو عطا کی۔ عرض کیا۔ یارب! میرے کس کام آئے گی۔ میں اب اُس سے فارغ ہوں اور نہیں چاہتا۔ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا۔ وُہ بھی ہو گی اور فراغت بھی قائم رہے گی اور آپؐ کا کُچھ نقصان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وُہ کلام عطا کیا کہ تمام عالم نے آپؐ کے عہدِ مبارک سے آج تک آپؐ کے کلام پاک کی شرح میں

Marfat.com

بے شمار تفاسیر تیار کیں اور کر رہے ہیں اور پھر بھی اُس کے کما حقہٗ ادراک سے قاصر ہیں۔ اور حقتعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ کا اسم مبارک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کمزوری سے اور خطرہ سے اور حاسدوں کے شر کی وجہ سے کانوں میں پوشیدہ اظہار کرتے ہیں۔ ہم آپؐ کی بزرگی اس حد تک نشر کریں گے کہ تمام اقالیم میں بلند مناروں پر بلند آوازوں اور لطیف الحانوں سے اذان دیں گے حتیٰ کہ مشرق مغرب میں آپؐ کے اسم مقدس و معظم کا ڈنکا بج جائیگا ٭

جس کسی نے اِس راہ فقر میں اپنی ہستیٔ موہوم منادی اُس کو تمام دینی اور دُنیاوی مقصود حاصل ہو گئے اور کسی ایک شخص نے بھی اِس راہ کی شکایت نہیں کی۔ ہمارا سخن نقد ہے اور دُوسروں کے نقل اور نقل ہمیشہ نقد کی فرع ہوتی ہے نقد آدمی کے پاؤں کی مثل ہے اور نقل پائے چوبین کی مثال ہے۔ اب قدم چوبین قدم اصل سے چرایا ہُوا ہے اور اُس کا اندازہ اُس سے لیا گیا ہے۔ اگر عالم میں پاؤں کا وجود نہ ہوتا تو قالب چوبین کہاں سے تیار کرتے ٭

پس بعض سخن نقد ہوتے ہیں اور بعض نقل اور ایک دوسرے سے ملتے جُلتے ہیں اسلیئے کوئی تمیز چاہیئے کہ نقد کی نقل سے شناخت کرے۔ تیز ایمان ہے اور کُفر بے تمیزی ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ فرعون کے زمانہ میں جب عصائے مُوسیٰ اژدہا بنا اور جادوگروں کی لکڑیاں اور رسیاں بھی سب سانپ بن گئیں۔ تو جو تمیز نہیں رکھتا تھا سب کو ایک جیسا دیکھا اور فرق نہ کیا اور جو تمیز رکھتا تھا اُس نے سحر اور حق کی شناخت کی اور مومن ہو گیا۔ پس ہم نے جان لیا کہ ایمان تمیز ہے۔ آخر اِس فقہ کی اصل وحی تھی لیکن جب خلق کے تصرف اور حواس اور اذکار سے مل گئی تو وُہ لُطف نہ رہا اور اب وحی کی لطافت سے کب مل سکتی ہے ٭

جیسا کہ یہ پانی جو ندی میں شہر کی طرف بہ رہا ہوتا ہے اپنے سرچشمہ پر دیکھ کیسا صاف اور لطیف ہوتا ہے جب شہر میں داخل ہوتا ہے اور اہلِ شہر کے محلوں سے گزرتا ہے لوگ اُس میں ہاتھ پاؤں اور کپڑے دھوتے ہیں اور مال مویشی کا گوبر اُس میں پھینکتے ہیں اور جب شہر کی دُوسری طرف گزرتا ہے تو پھر دیکھ کہ اگرچہ وہی پانی ہے لیکن خاک کو گلزار کرتا ہے اور سبزہ زار بنا دیتا ہے اور تشنگان کو سیراب کرتا ہے۔ لیکن اب کوئی تمیز چاہیئے جو دریافت کرے کہ اِس پانی میں وُہ لطافت جو پہلے تھی اب نہیں رہی اور اِس کے ساتھ کئی ناپسندیدہ چیزیں مل گئی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَلْمُؤْمِنُ کَیِّسٌ مُمَیِّزٌ فَطِنٌ عَاقِلٌ (مومن زیرک تمیز دانا اور عاقل ہے) ٭

بوڑھا آدمی عاقل نہیں ہے جب کہ بازی میں مشغول ہے۔ اگرچہ صد سالہ ہو تو بھی کودک ہے۔ اور اگر کودک ہے جب بازی میں مشغول نہیں تو بُوڑھا ہے۔ اِس جگہ سن معتبر نہیں ہے۔ البتہ پانی "اسپن" چاہیئے۔ ماءِ اسپن وُہ ہوتا ہے جو تمام پلیدیوں کو پاک کر دے اور اُس کی ذات میں کچھ اثر نہ ہو۔ اُسی طرح صاف و لطیف رہے اور معدہ میں مضمحل نہ ہو اور گندہ اور خلط نہ ہو جائے۔ اور وُہ آبِ حیات ہے ٭

سوال۔ ایک آدمی نے نماز میں نعرہ مارا اور رو پڑا۔ اُس کی نماز باطل ہو جائے گی یا نہ ؟ ٭

Marfat.com

جواب۔ اگر اس کا گریہ اس وجہ سے تھا کہ اُس کو ایک دُوسرا عالم دکھایا گیا جو محسوسات سے باہر تھا۔ آخر اُسکی آنکھوں نے کچھ دیکھا ہے اور جب ایسی چیز دیکھی جائے جو نماز کی جنس بلکہ نماز کو مکمل کرنے والی ہو تو وُہ خود نماز کا عین مقصود ہے۔ اس صورت میں اُس کی نماز درست بلکہ کامل تر ہو گی۔ اور اگر اس کے برعکس وُہ دُنیا کیلئے رویا یا کسی دشمن کے غالب آنے پر اُس کے کینہ سے رویا یا کسی پر حسد کرنے کی وجہ سے رویا کہ اُس کے پاس اتنا اسباب ہے اور میرے پاس نہیں اُس کی نماز ابتر و ناقص اور باطل ہو جائے گی۔

پس ہم نے جان لیا کہ ایمان تمیز ہے جو حق اور باطل کے درمیان اور نقد اور نقل کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اور جس کسی کو تمیز حاصل نہیں وہ محروم ہے۔ اب میرے اس کلام سے جس کو تمیز حاصل ہے فائدہ حاصل ہو گا اور جس کسی کو تمیز نہیں یہ سخن اُس کے سامنے ضائع کرنا ہے۔ جیسا کہ دو شخص شہری عاقل و کامل از رُوئے شفقت ایک دیہاتی کو نفع پہنچانے کیلئے گواہی دیتے ہیں۔ لیکن وُہ دیہاتی جہالت کی رُو سے ایسی چیز کہہ دیتا ہے کہ وُہ گواہی بے سُود ہو جاتی ہے اور اُن کی کوشش ناکام ہو جاتی ہے اور اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ دیہاتی اپنا آپ ہی گواہ ہے۔

لیکن جب حالت سُکر غالب آ جاتی ہے مست پھر نہیں دیکھتا کہ اس جگہ کوئی مُمیز ہے یا کہ نہیں۔ اس سُخن کا مستحق اور اہل ہے یا کہ نہیں۔ جو کچھ زبان پر آ جائے باہر نکال دیتا ہے جیسا کہ ایک عورت جب اُس کے پستان دُودھ کی زیادتی کی وجہ سے درد کرنے لگتے ہیں محلہ کے کتوروں کو جمع کر کے دُودھ اُن پر گرا دیتی ہے۔

اب یہ سُخن جب بے تمیز کے ہاتھ لگا اسطرح ہے کہ ایک قیمتی لعل تُو ایک بچہ کے ہاتھ میں دیدے جو اُس کی قدر نہیں جانتا۔ جب وُہ اُس سے سیر ہو جاتا ہے ایک سیب اُس کے ہاتھ میں رکھ دیتے ہیں اور وُہ لعل اُس سے لے لیتے ہیں کیونکہ وُہ تمیز نہیں رکھتا۔ تمیز ایک عظیم نعمت ہے۔

حضرت سُلطان العارفین بایزید بسطامی علیہ الرحمت کو اُن کا باپ بچپن میں مدرسہ میں لے گیا کہ علم دین حاصل کریں جب ایک مدرس کے سامنے لیگئے بولے۔ کیا یہ اللہ کا فقیہہ ہے۔ لوگوں نے کہا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا فقیہہ ہے۔ بولے میں اللہ کے فقیہہ کا طالب ہوں۔ جب ایک نحوی کے پاس آپکو لیگئے بولے۔ کیا یہ اللہ کی نحو ہے۔ لوگوں نے کہا۔ یہ نحو سیبویہ ہے۔ بولے میں نہیں چاہتا۔ اسی طرح جس جگہ آپ کو لے جاتے اسی طرح جواب دیتے۔ حتیٰ کہ باپ عاجز آ گیا اور آپکو چھوڑ دیا۔ کچھ مدت بعد آپ بغداد شریف حاضر ہوئے۔ جسوقت امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کو دیکھا نعرہ مارا اور بولے۔ ھٰذَا فَقِیْہُ اللّٰہِ (یہ اللہ کا فقیہہ ہے) اور یہ کسطرح ہو سکتا ہے کہ بچہ اپنی ماں کو شناخت نہ کرے کیونکہ وُہ اُس کے دُودھ کا پروردہ ہے اور باعقل و تمیز ہے۔

Marfat.com

سورۂ انعام

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اے حبیب کریم صلی اللہ علیک وسلم! آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

متواتر سننے سے کان فعل رویت کرتا ہے اور حکم رویت رکھتا ہے جیسا کہ تو اپنے ماں باپ سے پیدا شدہ ہے۔ لوگ تجھ کو کہتے ہیں کہ تو اُن سے پیدا شدہ ہے۔ تو نے آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن لوگوں کے متواتر کہنے سے یہ خبر تیرے لئے حقیقت ہو جاتی ہے اور اب اگر وہ کہیں کہ تو اُن سے پیدا نہیں ہوا تھا تو نہیں سُنے گا۔ اور اسیطرح بغداد شریف اور مکہ معظمہ کے متعلق تو نے خلق سے بہت ہی متواتر سُن رکھا ہے کہ موجود ہیں۔ اب اگر کہیں بلکہ قسم اُٹھائیں کہ موجود نہیں ہیں تو ہرگز باور نہیں کرے گا۔ پس ہم نے جان لیا کہ کان متواتر سُننے سے حکم دیدار رکھتا ہے۔

جیسا کہ ظاہر کی رُو سے گفت تواتر کو دید کا حکم دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی کلام تواتر کا حکم رکھے کہ وہ ایک نہیں ہے بلکہ کئی ہزار ہے۔ پس اُس کا ایک حکم کئی ہزار احکام ہوتا ہے۔ اور اس میں کیا عجب ہے؟ یہ بادشاہ ظاہر کئی ہزار کا حکم رکھتا ہے اگرچہ ایک ہے۔ اگر اُس کو کئی ہزار کہیں تو بھی بجا ہے۔ پس جب ظاہر میں یہ معاملہ ہے تو عالم ارواح میں بطریق اولیٰ جائز ہے۔

اگرچہ تو نے سارا عالم پھرا ہے لیکن جب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی خاطر نہیں پھرا تو تجھے دوبارہ پھرنا چاہیئے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وہ پہلی سیر ہماری خاطر نہ تھی بلکہ کسی اپنی غرض کی خاطر تھی۔ چونکہ دنیاوی غرض کیلئے تھی اس لئے وہ غرض تیرے لئے حجاب ہو گئی اور تو ہمیں نہ دیکھ سکا۔ جیسا کہ بازار میں جب تو کسی شخص کو کوشش سے تلاش کرتا ہے تو تو دوسرے کسی شخص کو نہیں دیکھتا اور اگر دیکھتا ہے تو خلق کو اپنے خیال کے مطابق دیکھتا ہے۔ یا کتاب میں تو ایک مسئلہ دیکھنا چاہتا ہے۔ چونکہ تیرے کان اور آنکھیں اُس ایک مسئلہ سے پُر ہیں اُس کے سوا کتاب میں تو کچھ نہیں دیکھتا۔ پس جب تیرا مقصود اور نیت اور تھی جس جگہ بھی تو پھر تا رہا تو اُسی مقصود سے پُر تھا اس لئے اس حقیقت کو نہ دیکھا ہو گا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

آپ فرمائیے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

Marfat.com

مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے۔ تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں گے اس میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کرلیا ہے سو وُہ ایمان نہ لاویں گے ٭

یہ کفّار جو کہ کُفر میں ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو دوزخ کا رنج اُن کیلئے عین عنایت ہے۔ کیونکہ دُنیا کی راحت میں اُنہوں نے حقتعالیٰ کو بُھلا دیا اور دوزخ میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ پس دوزخ مُعیدِ کُفّار ہے کیونکہ وُہ اللہ تعالیٰ کو وہاں یاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ انسان کو جب قید خانہ میں اور بیماری میں اور دردِ دندان میں رنج پہنچتا ہے تو غفلت کے پردے پھٹ جاتے ہیں اور وُہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور فریاد کرتا ہے یَا رَبُّ یَا رَحْمٰنُ۔ اور جب صحت حاصل ہوجاتی ہے غفلت کے پردے پھر دِل پر چھا جاتے ہیں اور کہتا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کو کہیں نہیں پاتا کہیں نہیں دیکھتا۔ کیا تلاش کروں۔ یہ کیسے ہے کہ رنج کے وقت تُو پالیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے اور اب تجھے نظر نہیں آتے۔ پس جب تُو اُن کو رنج میں ہی دیکھتا ہے رنج کو تجھ پر مستولی کرتے ہیں تاکہ تُو اللہ تعالیٰ کا ذاکر بنے۔ ایسے ہی دوزخی راحت میں خداوند تعالیٰ سے غافل تھا۔ خداوند تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا تھا۔ اب دوزخ میں مدام ذکرِ خدا میں مشغول ہے۔ چونکہ حقتعالیٰ نے عالم کی جُملہ مخلوقات کو اسلئے پیدا فرمایا کہ اُن کی بندگی کریں اور اُن کی تسبیح پکاریں اس لیئے اب کُفّار جبکہ راحت میں اُن کا ذکر نہیں کرتے جہنّم میں جائیں گے تاکہ اُن کا ذِکر کریں اور اُن کی مُراد پُوری کریں ٭

لیکن مومنوں کیلئے دوزخ کے رنج کی حاجت نہیں کیونکہ وُہ اِس راحت میں اُس رنج سے غافل نہیں ہیں اور اُس رنج کو ہمیشہ حاضر دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ اُستاد اگر عاقل بچّہ کو ایک بار پاؤں پر کھڑا رہنے کی سزا دیتا ہے تو وُہ اُس کو نہیں بُھلاتا لیکن احمق بُھلا دیتا ہے اسلئے اُس کو ہر لحظہ سزا چاہیئے۔ اور اسی طرح زیرک گھوڑا ایک بار مہماز اور تازیانہ کھاتا ہے اُس کو دُوسری ضرب کی حاجت نہیں ہوتی۔ لیکن مریل ٹٹّو کو ہر لحظہ مہماز چاہیئے۔ اور وُہ سواری کے لائق نہیں ہوتا اُس پر گو بر لادتے ہیں ٭

اہلِ دوزخ دوزخ میں بہ نسبت دُنیا کے زیادہ خوش ہوں گے کیونکہ دُنیا میں وُہ حقتعالیٰ سے بے خبر ہیں اور دوزخ میں باخبر ہوں گے اور کوئی چیز عرفانِ حق سے زیادہ شیریں نہیں۔ پس وُہ جو دُنیا کی آرزو کرتے ہیں اسلئے ہے کہ ایسے اعمال کریں جن سے اُس مظہرِ لُطف سے باخبر ہوجائیں نہ اسلئے کہ دُنیا دوزخ سے خوشتر ہے ٭

اور منافق کو درکِ اسفل میں اسلئے ڈالیں گے کہ وُہ اللہ تعالےٰ پر ایمان تو لایا لیکن اُس کا کُفر قوی تھا عمل نہ کیا اسلئے اُس کو کافر سے سخت تر عذاب ہوگا تاکہ حقتعالیٰ سے باخبر ہوجائے۔ لیکن کافر تو اُس پر ایمان ہی نہ لایا۔ اُس کا کُفر چونکہ ضعیف ہے کمتر عذاب ہی سے باخبر ہوجائیگا ٭

اور یہ جو جنّت والوں کو دوزخی پُکارتے ہیں اَفِیضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ط (بہاؤ ہم پر تھوڑا

پانی یا جو روزی تم کو دی اللہ تعالیٰ نے۔ اعراف۔ ع ۶)۔ حاشا کہ وُہ طعام اور شراب اُن سے چاہتے ہیں بلکہ اُن کی پکار اس لئے ہے کہ اُس چیز سے جو آپ لوگوں نے حاصل کی ہے اور آپ پر چمک رہی ہے ہم پر بھی افادہ فرماویں۔ یعنی عرفانِ حق سے ہم کو بھی مشرف فرماویں ❖

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

سو جب ہمارا عذاب آپہنچا تو اُنہوں نے تضرع و عاجزی سے کیوں نہ کام لیا۔ لیکن اُن کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان اُن کے اعمال کو اُن کے خیال میں آراستہ کر کے دکھلاتا رہا ❖

سوال۔ ایک شخص کو زندگی میں پانچ بار تلقین کرتے ہیں اور وُہ سخن کو فہم نہیں کرتا تو موت کے بعد اُس پر کیا سوال کریں گے جب وُہ ہر چیز بھول جائے گا؟

جواب۔ جب آموختہ جواب وُہ بھلا دیتا ہے تو لازمی ہے کہ ناآموختہ سوال بالکل آسان اور صاف ہوں گے۔ ایک شخص جب کسی فقیر کامل کے پاس آتا ہے تو اُس کے کلمات سُنتا ہے۔ بعض کو قبول کرتا ہے کیونکہ اُس قسم کی کلام اُس نے آگے سُن رکھی ہے۔ اور بعض کو نیم قبول کرتا ہے اور بعض کی تردید کرتا ہے اور بحث کرتا ہے۔ یہ ردّ و قبول اور بحث بغیر کسی کے پڑھانے کے کرتا ہے۔ اسی طرح اُس جگہ انسان بغیر کسی وسیلہ کے خود بخود سوالات کے جواب دیگا ❖

اور کسی شخص کا عالمِ ربّانی کی زیارت کیلئے آنا ہی بے کام و زبان عین سوال ہوتا ہے کہ مجھے رستہ دکھا دیجئے اور جو کچھ دکھایا ہے اُس کو زیادہ روشن کر دیجئے۔ اور اُس عالم ربّانی کا اُس کے پاس بیٹھنا ہی خاموش یا گویا اِن پنہانی سوالات کا جواب ہے۔ اسی طرح بادشاہ کا سارا دن اپنے غلاموں سے بے زبان سوال ہے کہ کیسے کھڑے ہوتے ہیں اور کسطرح نگرانی کرتے ہیں اور اگر کسی شخص کی نیت میں فتور ہوتا ہے تو اُس کا جواب بھی غلط ہوتا ہے اور یہ اُس کو طاقت نہیں کہ جواب ٹھیک دے سکے۔ جیسا کہ جس شخص کی زُبان میں لُکنت ہوتی ہے اگرچہ وُہ صحیح تلفظ ادا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن نہیں کر سکتا۔ زرگر کا زر کو کسوٹی پر مارنا سوال بھی ہے اور جواب بھی۔ زر زُبانِ حال سے جواب دیتا ہے میں یہ ہُوں خالص یا آمیختہ۔ ؎ بُوتہ خود گویدت چُوں پالُودی!! ❖ کہ زرّی یا مِس زر اندودی

(کسوٹی پر یعنی آزمائش پر ہی انسان کا پتہ چلتا ہے کہ خالص ہے یا ملمّع۔ یعنی سچّا عاشق ہے یا صرف مدّعی) ❖

بھوک طبیعت کی طرف سے سوال ہے کہ تن کے خانہ میں خلل پڑ گیا ہے اِس کو اینٹیں دے اور گارا دے۔ کھانا جواب ہے کہ یہ ہے۔ نہ کھانا اِس امر کا جواب ہے کہ ابھی ضرورت نہیں۔ پہلا کھانا ابھی ہضم نہیں ہُوا اُس پر اور لادنا مناسب نہیں۔ طبیب نبض پکڑتا ہے۔ یہ سوال ہے اور جنبیدنِ رگ اُس کا جواب ہے۔ قارورہ کیطرف نظر کرنا بے لافِ گفتن سوال بھی ہے اور جواب بھی۔ دانہ زمین میں بونا سوال ہے کہ مجھے فلاں میوہ چاہیئے۔ درخت کا اُگنا بے لافِ زبان اُس کا جواب ہے۔

Marfat.com

چونکہ جواب بے حرف ہے لہٰذا سوال بھی بے حرف چاہیئے۔ اور اگر دانہ بوسیدہ ہوتا ہے تو نہیں اُگتا۔ یہ سوال بھی ہے اور جواب بھی کہ مجھ میں کچھ جوہر باقی نہ تھا میں پھل کیا دُوں۔ جیسا کہ ایک بادشاہ نے ایک رُقعہ تین بار پڑھا لیکن جواب نہ لکھا سائل نے شکایت لکھی کہ تین بار آگے درخواست کی گئی ہے آپ قبول فرماویں یا ردّ فرماویں۔ بادشاہ نے درخواست پر لکھا
مَا عَلِمْتُ اَنَّ تَرْكَ الْجَوَابِ جَوَابٌ، جَوَابُ الْاَحْمَقِ السُّكُوْتُ۔ (لیکن میں نے جان لیا ہے کہ جواب کا چھوڑنا ہی جواب ہے یعنی بے وقوف کا جواب خاموشی ہے)۔ تو پس درخت کا نہ اُگنا ترکِ جواب ہے لہٰذا یہی جواب ہے۔

ہر حرکت جو آدمی کرتا ہے وُہ سوال ہے اور جو کچھ غم یا خوشی اُس کو پیش آتا ہے وُہ اُس کا جواب ہے اگر جواب اچھا سُننے تو چاہیئے کہ شکر ادا کرے اور تمام سوال اسی جنس کے کرے جس پر اُس نے یہ جواب سُنا۔ اگر جواب بُرا سُنے تو استغفار پڑھے اور پھر اس قسم کا سوال نہ کرے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (جب ہمارا عذاب آپہنچا تو انہوں نے تضرع و عاجزی سے کیوں نہ کام لیا۔ بلکہ اُن کے دل تو سخت ہو چکے تھے) وُہ یہ نہ سمجھے کہ جواب اُن کے سوال کے مطابق ہے یعنی سزا اُن کو بداعمال کی ہے۔ کیونکہ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (اور شیطان نے اُن کے کرتوت اُن کی نظر میں بھلے کر دکھائے) یعنی اپنے سوال کو اچھا دیکھتے تھے اور کہتے تھے یہ جواب زشت اس سوال کے لائق نہیں ہے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ دُھواں لکڑی سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ آگ سے۔ جسقدر لکڑی زیادہ خشک ہو گی اُس کا دُھواں اُتنا کم ہوگا۔ اگر تو اپنا باغ مالی کے سپرد کر دے اور وہاں سے بُوئے ناخوش آئے تو تہمت باغبان کو لگا نہ کہ گلستان کو۔

ایک شخص نے اپنی ماں کو قتل کر ڈالا۔ کسی نے دریافت کیا کہ ماں کو تُو نے کیوں قتل کیا۔ بولا میں نے ایک چیز دیکھی تھی جو مناسب نہ تھی۔ اُس نے کہا تو مرد کو بھی قتل کرنا چاہیئے تھا۔ بولا۔ تو پس ہر روز میں ایک مرد قتل کروں۔ پس جو کچھ تجھے پیش آئے اپنے نفس کو ادب دے تاکہ ہر روز تجھے کسی ایک سے جنگ نہ کرنی پڑے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (ہر شئے خداوند تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ نساء۔ رع ۱۱) تو میں کہتا ہوں تو پس اپنے نفس کو عتاب کرنا اور خلق سے درگذر کرنا بھی منجانب خداوند تعالیٰ ہے۔ چنانچہ ایک شخص زردآلو کے درخت سے میوہ توڑ کر کھا رہا تھا۔ باغ کے مالک نے مطالبہ کیا اور کہا۔ کیا تیرے دل میں خوفِ خدا نہیں؟ بولا "خوف کیسا؟ درخت خداوند تعالیٰ کا اور مَیں بندۂ خدا۔ خدا کا بندہ خدا کی نعمت سے کھا رہا ہے۔" اُس نے کہا ٹھیرجا اس کا جواب دیتا ہُوں۔ اور اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ رسّہ لاؤ اور اس کو اس درخت پر باندھ دو اور خوب مارو تاکہ جواب اس پر ظاہر ہو جائے۔ اُس نے فریاد شروع کی اور بولا۔ کیا تیرے دل میں خوفِ خدا نہیں؟ کہا "خوف کیسا؟ تُو بندۂ خدا اور یہ چوبِ خدا۔ چوبِ خدا کو بندۂ خدا پر مار رہے ہیں"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس عالم کی مثال پہاڑ کی سی ہے۔ تو جیسی کلام اچھی یا بُری کرتا ہے ویسی صدا پہاڑ

Marfat.com

سے سُنتا ہے۔ ؎ ایں جہاں کوہست و فعلِ ما ندا : ✧ سوئے ما آید ندا ہا را صدا

اور اگر تیرا یہ گمان ہے کہ تو نے خُوب کہا اور پہاڑ نے زشت جواب دیا یہ غلط ہے۔ یہ محال ہے کہ بُلبل پہاڑ میں بولی بولے اور کوہ سے صدائے زاغ آئے یا کوئی اور آواز۔ پس یقین رکھ کہ تُو جیسی بولی بولتا ہے ویسا جواب پاتا ہے۔ ؎

بانگ خوش دار چوں بکوہ آئی ✧ کوہ را بانگ خر چہ فرمائی

(جب تُو پہاڑ میں آئے تو بولی اچھی بولی ورنہ پہاڑ کو بانگ خر سے ملامت نہ کر) ع

خوش آوازت ہمی دارد صدائے گنبدِ خضرا (اِس آسمان کے گنبد کی صدا بھی ایسی اچھی ہے جیسی کہ تیری آواز ہے) ✧

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

آپ خود اُس طریق پر چلتے رہیئے جس کی وحی آپ کے ربّ کیطرف سے آپ کے پاس آئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے ✧

عارف کامل کے پاس جب اغیار آجاتے ہیں تو اگر وُہ خاموش رہے تو ملول ہوتے ہیں اور رنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر وُہ کلام کرے تو لا محالہ کلام اُن کے حال کے مطابق کرتا ہے تو بھی رنجیدہ ہوتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور طعنہ دیتے ہیں کہ ہم سے ملول ہے اور اعراض کرتا ہے۔ آتش دیگ سے کب اعراض کرتی ہے لیکن دیگ ضرورت سے زیادہ آتش برداشت نہیں کرسکتی لہٰذا گریز کرتی ہے۔ پس آتش و ہیزم کا اعراض اعراض نہیں ہے بلکہ جب اُس نے دیکھا کہ دیگ میں قوّتِ برداشت نہیں اُس سے دُور ہو جاتی ہے پس در حقیقت علیٰ کُلِّ حال دیگ ہی گریز کرتی ہے یعنی عارف کامل کا اغیار سے گریز کرنا حقیقتاً اُن کا گریز کرنا ہے۔ عارف کامل مثل آئینہ کے ہے۔ چونکہ وُہ لوگ گریز کرتے ہیں اِسلئے اُن کا گریز آئینہ میں ظاہر ہو جاتا ہے لہٰذا عارف بھی اُن سے اعراض کرتا ہے۔ آئینہ کا خاصّہ ہے کہ انسان اپنا ہی چہرہ اُس میں دیکھتا ہے۔ اگر عارف کامل کو وُہ اپنے پر ملول دیکھتے ہیں تو یہ اُنہیں کی ملالت ہے کیونکہ ملالت صفتِ ضعیف ہے۔ عارف کامل کے دِل میں ملالت کیسے سما سکتی ہے اور ملالت کا وہاں کیا واسطہ ✧

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝

اور ہر کسی کو اپنے اعمال کے سبب درجے ملیں گے۔ اور آپ کا ربّ اُنکے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ✧

انبیاء اور اولیاء علیہم السّلام کی لوگ جو مالی اور جانی خدمت کرتے ہیں اگر وُہ اُن کا شکریہ اور تعظیم اور خوشامد نہیں کرتے تو وُہ اِس وجہ سے نہیں کہ وُہ متکبّر ہیں یا اُن کو فراغت نہیں یا وُہ منعم کا حق نہیں جانتے کہ قول اور فعل سے جزا دینی چاہیئے بلکہ وُہ اُن کا عقیدۂ پاک جانتے ہیں کہ وُہ خدمت اور قربانی خالص خداوند تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں۔ لہٰذ

Marfat.com

اُن کو حوالہ بخدا کرتے ہیں کہ اُن کی تعظیم اور تکریم اور خوشامد خود وہی کرے جس کی خاطر انہوں نے خدمت اور قربانی کی ہے۔ اور اگر بعد میں وُہ اُن کی تعریف اور تعظیم کرتے ہیں تو اُس وقت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس اجرا اور مکافات جو اُن کو دینا چاہتا ہے میں سے بعض اُن کو نصیب ہو جاتا ہے۔

دُوسرے یہ انکساری اور خوشامد اور مدح کرنا حظِّ دُنیا ہے۔ جب اُنہوں نے دُنیا میں رنج اُٹھایا اور مال اور جان اور جاہ کی قربانی کی تو یہ اُن کیلئے بہتر ہے کہ اُن کا کُلّی عوض حق تعالیٰ ہوں نہ کہ دُنیا اسلیئے وُہ اُن کی خوشامد نہیں کرتے کیونکہ خوشامد حظِّ دُنیا ہے۔ مال کھایا نہیں جاتا اور بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے بلکہ مال سے مویشی و خادم و لونڈیاں خریدی جاتی ہیں اور منصب حاصل کیئے جاتے ہیں تاکہ لوگ اُس کی مدح اور خوشامد کریں۔ پس دُنیا کی یہی تعریف ہے کہ انسان مکرم اور محترم ہو اور لوگ اُس کی مدح اور خوشامد کریں۔

(شیخ نساج بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک صاحبدل اور بزرگ مرد تھے۔ دانشمند اور بزرگ لوگ آپ کی زیارت کیلئے جاتے اور دوزانو ہو کر آپ کے پاس بیٹھتے۔ شیخ صاحب اُمّی تھے۔ لیکن وُہ لوگ جب آپ سے قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث پاک کے معانی سمجھنے کی درخواست کرتے تو آپ فرماتے "مَیں عربی زبان نہیں جانتا۔ آیہ کریمہ یا حدیث پاک کا ترجمہ کر دیجئے تاکہ مَیں اُس کے معانی بیان کر دوں"۔ وُہ آیہ کریمہ کا ترجمہ کہہ دیتے۔ اور آپ اُس کی تفسیر اور تحقیق بیان کر دیتے اور فرماتے سید المرسلین جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں مقام میں تھے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اُس مقام کی یہ کیفیت ہے اور اُس مقام کا مرتبہ اور راستے اور عروج تفصیل سے بیان کر دیتے)۔

ایک روز علوّی معروف نے شیخ صاحب کی خدمت میں قاضی کی مدح کی کہ ایسا قاضی عالم میں نہیں پایا جاتا رشوت نہیں لیتا۔ بغیر کسی غرض و حمایت کے خالص و مخلص خُدا کی خاطر خلق میں عدل کرتا ہے۔ شیخ صاحب نے فرمایا۔ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ وُہ رشوت نہیں لیتا سراسر دروغ ہے۔ آپ مردِ علوّی ہیں اور عالیجناب سید المرسلین حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے ہیں آپ اسقدر مدح اور ثنا کر رہے ہیں کیا یہ رشوت نہیں ہے اور اس سے بہتر کیا رشوت ہو سکتی ہے کہ اپنے مقابلہ میں اُس کی اسقدر شرح کر رہے ہیں۔

لطیفہ۔ سوال۔ مغل ہمارے مال لُوٹ کر لے جاتے ہیں اور پھر گاہے گاہے ہم کو بھی مال بخشتے ہیں۔ اس مال کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ جو کچھ مغل لُوٹ کر لے جاتے ہیں وُہ مال گویا اللہ تعالیٰ کے خزانہ اور قبضہ میں آگیا۔ جیسا کہ دریا سے شخص ایک کُوزہ یا ایک گھڑا بھر لیتا ہے اور وُہ اُس کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ تاوقتیکہ پانی کُوزہ یا گھڑا میں ہے کسی کو اُس میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں اور جو کوئی بغیر اذن کے پانی گھڑا سے لیجائے وُہ غاصب ہو گا۔ لیکن جب پانی واپس دریا میں گرا دیا جائے سب پر حلال ہو گا اور اُس کی ملکیت سے خارج ہو جائیگا۔ پس ہمارا مال اُن پر

Marfat.com

حرام ہے اور اُن کا مال ہم پر حلال ہے ٭

سورہ اعراف

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابلیس تجھ کو کیا مانع تھا کہ سجدہ نہ کیا جب مَیں نے فرمایا۔ بولا مَیں اُس سے بہتر ہوں۔ مجھ کو تُو نے آگ سے بنایا اور اُس کو بنایا خاک سے ٭

یہ آدمی کا نفس جو شبہ اور اشکال کا محل ہے ہرگز کسی وجہ سے اُس سے شبہ اور اشکال دُور نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ وہ عاشق نہ ہو۔ اُس کے بعد اُس میں یہ چیزیں نہیں رہ جاتیں کیونکہ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ (کسی شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے)۔ ابلیس نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اور امر کی مخالفت کی تو کہا، خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝ میری ذات نار سے ہے اور اُس کی ذات مٹی سے۔ یہ کب مناسب ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کو سجدہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مقابلہ کرنے اور جدال کرنیکے جرم میں لعنت کی اور دُور کر دیا تو بولا۔ یا ربّ! سب کچھ تُو نے کیا اور تُو نے ہی مجھے گمراہ کیا اور اب مجھ کو لعنت کرتا ہے۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہُوا اور حقتعالیٰ نے آپ کو جنت سے باہر نکال دیا اور حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا۔ اے آدمؑ! جب مَیں نے آپ کو آپ کے گناہ کے باعث پکڑا اور سزا دی تو آپ نے میرے ساتھ بحث کیوں نہ کی۔ آخر آپ کے پاس حجت تھی۔ آپ کہہ سکتے تھے "یا ربّ! سب کچھ آپ ہی کیطرف سے ہے اور آپ ہی نے کیا ہے۔ جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور جو آپ نہیں چاہتے اُس کا وجود ہی نہیں ہو سکتا"۔ آپ کے پاس یہ مُبین اور قوی حجت تھی۔ آپ نے کیوں پیش نہ کی۔ تو آپ نے عرض کیا۔ الٰہی! مَیں خُوب جانتا تھا لیکن آپ کی بارگاہ میں ترکِ ادب نہ کر سکتا تھا اور عشق نے اجازت نہ دی کہ آپ سے مواخذہ کروں ٭

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ

اہلِ دوزخ اہلِ جنت کو پکار کر درخواست کریں گے کہ ذرا ہمیں بھی پانی عنایت کرو۔ یا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو رزق

اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

تمہیں دے رکھا ہے اُسی میں سے عنایت کرو۔ اہلِ جنت جواب دینگے کہ خداوند تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں کافروں پر حرام کر دیں ہیں ٭

طالبانِ خدا پر لازم ہے کہ جب اُن کے باطن میں عروسانِ معنی چہرہ دکھائیں اور اسرار کا انکشاف ہو ہرگز ہرگز اُن کو

Marfat.com

اغیار کے پاس نہ بیان کریں اور اُن کے سامنے شرح نہ کریں جیسا کسی عارف کا قول ہے لَا تُعْطُوا الْحِكْمَةَ غَيْرَ أَهْلِهَا فَتَظْلِمُوهُمْ وَلَا تَمْنَعُوهَا عَنْ أَهْلِهَا فَتَظْلِمُوهُمْ (حکمت نااہل کو مت سکھاؤ پس اُن پر ظلم کرو گے اور اُس کے اہل سے مت روکو پس تم اُن پر ظلم کرو گے)۔ اگر تیری محبوبہ یا معشوقہ تیرے ہاتھ لگ جائے اور تیرے گھر میں خود آ پہنچے اور کہے کہ مجھے کسی غیر کو مت دکھا کہ میں اب تیری ملکیت ہوں۔ کیا یہ جائز ہے اور مناسب ہے کہ تو اُس کو بازاروں میں پھرائے اور ہر کسی کو بلائے کہ آ اس کو دیکھ؟ کیا وہ معشوقہ اس چیز کو پسند کرے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ تیرے ہاتھ سے جاتی رہے گی اور چہرہ چھپالے گی اور غضبناک ہو گی۔ حقتعالیٰ نے یہ اسرار اُن پر حرام کئے ہیں۔

جیسا کہ جب اہل دوزخ اہل بہشت سے فریاد کریں گے کہ آخر آپ کا کرم کہاں ہے۔ اُن نعمتوں اور بخششوں سے جو حقتعالیٰ نے آپ پر کیں ہیں از روئے صدقہ اور بندہ نوازی ہم پر بھی اگر کوئی چیز گرائیں اور ایثار کریں تو کیا کمی ہے۔

۲ وَلِلْأَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ (اہل زمین کیلئے سخیوں کے پیالہ سے حصہ ہے)۔ چونکہ ہم آگ میں جل رہے ہیں اور پگھل رہے ہیں اسلئے اُن میوہ جات سے اور اُن شیریں اور صاف پانیوں سے قدرے اگر ہم کو بھی عطا فرمادیں تو کیا ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ تو جنتی جواب دیں گے یہ نعمتیں خداوند تعالیٰ نے آپ پر حرام کیں ہیں۔ ان نعمتوں کا تخم دار دنیا میں بونا تھا۔ چونکہ اس جگہ آپ نے یہ تخم جو ایمان و صدق اور اعمال صالح تھا نہ بویا اس جگہ کیا پھل اٹھاؤ گے۔ اور اگر ہم از روئے کرم آپ پر ایثار کریں تو چونکہ حق تعالیٰ نے آپ پر حرام کی ہیں یہ آپ کے حلق جلادیں گی اور گلے سے نیچے نہ اتریں گی اور اگر آپ جیبوں میں رکھینگے تو جیبیں پھٹ جائینگی اور گر پڑیں گی۔

عالی جناب سرور کائنات مفخر موجودات حضور نبی کریم نور قدیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس آرا تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسرار توحید اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح پاک میں کلام کر رہے تھے کہ اوپر سے منافقوں کی ایک جماعت آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر صحابہ کرامؓ کو فرمایا خَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ (اپنے برتنوں کو ڈھانپ لو) یعنی اپنے پیالوں، کوزوں، دیگوں اور گھڑوں کے منہ ڈھانپ کے رکھا کرو کیونکہ کئی جانور پلید اور زہریلے ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے برتنوں میں گر پڑیں اور آپ نادانی سے اُن برتنوں میں سے پانی پی لیں اور وہ آپ کو نقصان پہنچائے۔ اس پیرایہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا کہ اغیار سے حکمت کو پوشیدہ رکھیں اور منہ کو اور زبان کو اغیار کے سامنے بند رکھیں کیونکہ وہ چھپے ہیں۔ اس حکمت اور نعمت کے لائق نہیں ہیں۔

بعض لوگ اگرچہ اہل اللہ کی کلام تفصیلاً نہیں سمجھتے لیکن اجمالاً جانتے ہیں کہ وہ اُن کو دعوت حق دے رہے ہیں یعنی اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہے ہیں اُن کا نیاز۔ وجد۔ محبت اور عشق ہی اُن کے فہم کی علامت ہے۔ جیسا کہ ایک دیہاتی جب شہر میں آتا ہے بانگ نماز سنتا ہے۔ اگرچہ بانگ کے تفصیلاً معانی نہیں جانتا لیکن مقصود سمجھتا ہے۔

Marfat.com

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ

اور جب مُوسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت پر آئے اور اُن کے رب نے اُن سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار!

اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا

اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہُوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے

رہو سو اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے۔ جب اُن کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اُسے چُور چُور کر دیا اور موسیٰ علیہ

السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کو بے نقاب نہیں دیکھ سکتے کیونکہ انسان جو یہ آرزو رکھتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل کروں یہی آرزو اُس کیلئے حجاب ہے۔ اور وُہ اللہ تعالیٰ کو دارِ دُنیا میں بے نقاب نہیں دیکھتا اور اسیطرح تمام آرزوئیں اور محبتیں اور شفقتیں جو لوگ انواع اشیاء سے مثلاً باپ و ماں و بھائی و احباب و سمٰوات و ارضون و نباتات و حالات و علوم و اعمال و طعامہا و شرابہا سے رکھتے ہیں سب از رُوئے حق رکھتے ہیں اور وُہ اشیاء جُملہ نقاب ہیں۔ جب لوگ دارِ دُنیا سے گزر کر دارِ آخرت میں پہنچ جائیں گے اور اُس شہنشاہِ حقیقی کو ان نقابوں کے بغیر دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ وُہ سب اشیاء نقاب اور رُوپوش تھے۔ اُن کا مطلوب حقیقت میں ایک ہی چیز تھی اُس وقت تمام مشکلیں حل ہو جائیں گی تمام سوالات و اشکالات جو اُن کے دِنوں میں تھے سب کا جواب سُن لیں گے اور سب کچھ عیاں ہو جائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا جواب اسطرح نہ ہوگا کہ ایک ایک کو اُس کے اشکال کا جُدا جُدا جواب دے بلکہ ایک ہی جواب سے تمام سوالات ایک ہی دفعہ حل ہو جائیں گے جیسا کہ جاڑے میں ہر کوئی کسی کپڑا میں یا پوستین میں یا تنور میں یا غار میں سردی سے بچاؤ کی خاطر گرمی حاصل کرتا ہے اور پناہ لیتا ہے (یعنی مقصود سب کا ایک ہی ہے) اور اسیطرح جُملہ نباتات درخت اور گھاس وغیرہ سردی کی وجہ سے بے برگ و بر ہو جاتے ہیں اور شاخوں اور کونپلوں کو باطن میں چھپا لیتے ہیں تاکہ سردی کے خطرہ سے محفوظ رہیں۔ جب بہار آتی ہے اُن سب کا جواب ایک ہی تجلّی سے فرماتی ہے۔ اور اُنکے جُملہ مختلف سوالات احیا در وئیدگی و اموات بیکبار حل ہو جاتے ہیں اور وُہ اسباب دُور ہو جاتے ہیں اور جُملہ نباتات سر باہر نکال لیتی ہیں اور جان لیتی ہیں کہ اس بلا کا موجب کیا تھا۔

حقتعالیٰ نے ان نقابوں کو اس مصلحت کیلئے پیدا فرمایا ہے کہ اگر وُہ ذات بے نقاب تجلّی فرمادے تو ہم اُسکو برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتے اور بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ ان نقابوں کیواسطہ سے ہم مدد اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اِس آفتاب کو دیکھیئے کہ اُس کے نُور میں ہم چلتے پھرتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نیک و بد کی تمیز کرتے ہیں اور اُس سے گرمی حاصل کرتے ہیں اور درخت و باغات مثمر ہوتے ہیں اور خام و تُرش میوہ جات اُس کی حرارت سے پختہ و شیریں

Marfat.com

ہوتے ہیں اور زر و نقرہ و لعل و یاقوت کے معادن اُس کی تاثیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر یہ آفتاب جو کہ وسیلے سے اسقدر نافع ہے زیادہ نزدیک آجائے کچھ فائدہ نہ پہنچائے بلکہ تمام عالم کو جلا ڈالے اور تباہ کر دے۔ حقتعالیٰ جب پہاڑ پر بحجاب تجلّی فرماتا ہے تو اُس کو پُر شجر و پُر گُل و پُر سبزہ و پیراستہ و آراستہ کر دیتا ہے اور جب بے حجاب تجلّی فرماتا ہے اُس کو ریزہ ریزہ و ذرّہ ذرّہ کر دیتا ہے جیسا ارشاد خداوندی ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اُسے چُور چُور کر دیا)۔

اگرچہ عقل اُس وجودِ مطلق کو ادراک نہیں کرتا لیکن عقل جہد خود کو کیسے ترک کرے۔ اگر جہدِ خود کو ترک کر دے تو وُہ عقل ہی نہیں ہے۔ اگرچہ وُہ ذات غیر مُدرَک ہے اور قابلِ ادراک نہیں ہے لیکن عقل وُہ ہے جو ہموارہ شب و روز ادراک باری تعالیٰ میں فکر اور جہد اور اجتہاد کرنے سے مضطرب اور بیقرار ہو۔ عقل پروانہ کی مثل ہے اور معشوق مثل شمع کے ہے۔ اگرچہ پروانہ جب اپنے آپ کو شمع پر فدا کرتا ہے جل جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے لیکن پروانہ وہی ہے جس کو اُس جلن کا آسیب و الم پہنچے اور وُہ شمع سے مُنہ نہ موڑے۔ اور اگر کوئی اَور جانور مانند پروانہ کے ہو جو نورِ شمع سے صبر کرے اور اپنے آپ کو اُس پر قربان نہ کرے وُہ پروانہ نہیں ہے اور اگر پروانہ اپنے آپ کو نورِ شمع پر فدا کرے اور وُہ اُس کو نہ جلائے تو وُہ شمع ہی نہیں ہے۔ پس آدمی جو نورِ حق سے صبر کرے اور کوشش نہ کرے وُہ آدمی نہیں ہے اور اگر وُہ حق کا ادراک کر سکتا ہے تو وُہ حق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا آدمی وُہ ہے جو اجتہاد سے خالی نہیں ہے اور نورِ جلالِ حق کے گرد بے آرام و بیقرار پھرتا ہے اور حق وُہ ہے جو آدمی کو جلا دے نیست کر دے اور کوئی عقل اُس کا ادراک نہ کر سکے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ

وُہ جو تابع ہوتے ہیں اُس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نبی ہے اُمّی۔

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جو اُمّی کہا گیا ہے بعض لوگ اُمّی کا یہ معنی کرتے ہیں کہ آپؐ لکھنے پڑھنے اور علوم پر قادر نہ تھے۔ یہ معنی سراسر غلط ہے۔ بلکہ آپؐ کو اِس وجہ سے اُمّی کہا گیا ہے کہ آپؐ کا لکھنا پڑھنا اور علوم و حکمت بازاد ہے کسبی نہیں ہے۔ وُہ نُورِ قدیم جو چاند کے چہرہ پر رقوم لکھتے ہیں کاغذ پر لکھنا کیسے نہیں جانتے اور عالم میں کونسی چیز ہے جو آپؐ نہیں جانتے جب کہ ہر کوئی آپؐ ہی سے سیکھتا ہے۔ عقلِ جزوی کے پاس کونسی چیز ہے جو عقلِ کُل کے پاس نہیں ہے۔

عقلِ جزوی اِس بات کے قابل نہیں ہے کہ اپنے آپ کوئی ایسی نئی چیز اختراع کرے کہ اُس کو یا اُسکی جنس کو اُس نے آگے نہ دیکھا ہو۔ اور یہ لوگ جنہوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں اور اُن میں نئے سوال اور نئی بنیادیں رکھی

Marfat.com

ہیں حقیقتاً نئی تصانیف نہیں ہیں بلکہ دیکھی ہوئی چیزوں کی شرح کرتے ہیں۔ وُہ جو نئی چیزیں اختراع کرتے ہیں وُہ عقلِ کُل ہوتے ہیں۔ عقلِ جزوی سیکھنے کے قابل ہے اور تعلیم کی محتاج ہے۔ لیکن عقلِ کُل معلّم ہے اور محتاج نہیں ہے اور اسیطرح جُملہ نئی اشیا جب تُو اُن کا کھوج نکالے گا اُن کا اصل اور آغاز وحی ہُوا ہے اور انبیا علیہم السّلام سے سیکھی گئی ہیں اور وُہ عقلِ کُل ہیں✤

حکایت غراب۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کی لاش کے ساتھ کیا کیا جاوے کوّے نے ایکدُوسرے کوّے کو مار ڈالا اور زمین کو کھود کر اُس کوّے کو اُس میں دفن کیا اور اُس کے اُوپر مٹی ڈال دی قابیل نے کوّے سے تعلیم حاصل کی اور قبر کا کھودنا اور میّت کا دفن کرنا سیکھا۔ اسی طرح جُملہ حرفتوں کا آغاز وحی الٰہی سے ہُوا ہے۔ (کوّے کا دُوسرے کوّے کو مار ڈالنا اور زمین کو کھودنا اور اُس کو اُس میں دفن کرنا اور اُوپر سے مٹّی ڈالنا سب وحی الٰہی سے تھا اور قابیل ہی کے دِل کا پر تَو تھا جو کوّے کے دِل میں منعکس ہُوا)✤

جو کوئی عقلِ جُزوی رکھتا ہے تعلیم کا محتاج ہے اور عقلِ کُل جُملہ اشیاء کی مُعلّم اور جملہ اشیاء کو پیدا کرنیوالی ہے اور وُہ انبیاء اور اولیاء علیہم السّلام ہیں جنہوں نے عقلِ جُزوی کو عقلِ کُل کیساتھ ملا دیا ہے اور ایک جان ہو گئے ہیں۔ مثلاً آدمی کے دست و پا و چشم و گوش اور جُملہ حواس اِس بات کے قابل ہیں کہ دِل و عقل سے تعلیم حاصل کریں پاؤں عقل سے چلنا سیکھتا ہے ہاتھ پکڑنا سیکھتا ہے آنکھ دیکھنا سیکھتی ہے کان سُننا سیکھتا ہے۔ لیکن اگر دِل و عقل نہ ہوں تو ان حواس میں سے ایک بھی صحیح کام نہ کرے۔ اب جیسا کہ یہ آنکھ عقل و دِل کی نسبت کثیف اور غلیظ ہے اور وُہ لطیف ہیں اور یہ کثیف اُس لطیف سے قائم ہے اور اگر کوئی لطافت اور تازگی رکھتی ہے تو اُس سے رکھتی ہے ورنہ بیکار اور پلید اور کثیف ہے۔ اسیطرح عقلِ جزوی بھی عقلِ کُل کیلئے ایک آلت ہے اور اُس سے تعلیم اور فائدہ حاصل کرتی ہے اور عقلِ کُل کی لطافت کے سامنے کثیف اور غلیظ ہے✤

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ

اور ہم نے دُنیا میں اُن کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ بعضے اُن میں نیک تھے اور بعضے اُن میں اَور طرح کے تھے اور ہم نے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○

نعمتوں اور مصیبتوں دونوں کے ذریعہ سے اُن کی آزمائش کی تاکہ وُہ ہماری طرف رجوع کریں✤

شُکر نعمتوں کیلئے صیّاد و آہنی بند ہے۔ جسوقت تُو دِل سے شُکر کی آواز سُنے تو زیادتی کی کوشش کر جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اُس کا امتحان لیتا ہے۔ پس اگر صبر کرے تو اُسے چُن لیتا ہے اور اگر

Marfat.com

شکر کرے تو خواص میں داخل کر لیتا ہے۔ بعض وہ ہیں جو اللہ کے قہر پر شکر کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اُس کے الطاف پر شکر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک اُن میں سے اچھا ہے لیکن شکر ایسا تریاق ہے جو قہر کو بھی الطاف میں تبدیل کر دیتا ہے۔ عاقل کامل وہ ہے جو ظالم کی جفا پر حضور اور خفا میں شکریہ ادا کرے اور یہ وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کر لیا ہے۔ اور اگر ظالم کو فی النار کرنا مقصود ہو تو شکر کیساتھ تو اپنے مقصود کو جلدی پائیگا کیونکہ شکرِ ظاہر شکوۂ باطن کا نقیض ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے انا الضحوك القتول (میں ہنستا ہوا قاتل ہوں) یعنی ظالم کی جفا پر ہمارا ہنسنا اس لئے ہے کہ وہ اُس کو قتل کر دیتا ہے۔ "ضحک" سے مراد مقام شکایت میں شکر ہے اور اخبار میں مذکور ہے کہ ایک یہودی جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اصحابیؓ کا پڑوسی تھا اور وہ یہودی بالاخانہ کی کھڑکی سے کوڑا اور پلیدی اور بچوں کا پیشاب وغیرہ اُس اصحابیؓ کے گھر گیرتا تھا۔ وہ اُس یہودی کا شکر ادا کرتا اور اپنے گھر والوں کو شکر کرنیکا امر کرتا تھا اور اسی طرح آٹھ سال گذر گئے حتیٰ کہ وہ اصحابیؓ فوت ہو گیا۔ یہودی ماتم پرسی کیلئے اُن کے گھر آیا تو گھر میں اُن نجاسات کو دیکھا جو اُس کی کھڑکی سے پھینکے گئے تھے۔ چونکہ جانتا تھا کہ کتنی مدت سے یہ کام جاری ہے اسلئے سخت پشیمان ہوا اور گھر والوں سے کہنے لگا کہ تم نے مجھے کیوں نہ خبر دی اور عجب ہے تم ہمیشہ میرا شکر کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ ہمیں شکر کا امر کرتا تھا اور ترکِ شکر سے باز رکھتا تھا پس یہودی ایمان لے آیا۔

ذکرِ نیکاں محرّضِ نیکی است ! ✤ ہمچو مطرب کہ باعثِ سُبکی است

نیکوں کا ذکر نیکی پر مستعد کرنے والا ہوتا ہے جیسا کہ گویا روح کو چست کر دیتا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کا مقدر شدہ آزمائشوں پر صبر اور شکر اور خطاؤں کی بخشش کا ذکر کیا ہے۔ شکر گویا نعمت کے پستان چوسنا ہے۔ پستان اگرچہ پُر ہوں جب تک چوسے نہ جائیں دودھ نہیں آتا۔

سوال۔ ناشکری کا سبب کیا ہے اور مانع شکر کونسی چیز ہے؟

جواب۔ مانعِ شکر طمع خام ہے۔ ایسے شخص کو جو نعمت نصیب ہوتی ہے چونکہ پہلے ہی اُس نعمت کی طمع رکھتا تھا اسلئے طمع خام نے اُس کو ناشکر کر دیا۔ طمع خام یعنی حرص کے باعث ایسے شخص کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا ہے کوزۂ چشم حریصاں پُر نشد ۔ اسلئے ہر نعمت اور ہر دولت کو وہ اپنی اُمید سے کم ہی سمجھتا ہے لہٰذا کبھی خوش نہیں ہوتا اور حقتعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ نیز حرص کے باعث وہ ہر چیز کو اپنی سعی پر منسوب کرتا ہے اور حقتعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا لہٰذا شرک کرتا ہے۔ طمع خام کچا میوہ اور کچی روٹی اور کچا گوشت کھانے کی مانند ہے جو علت اور ناشکری پیدا کر دیتا ہے اور جب کوئی مضر چیز کھائی جائے پیٹ کا استفراغ واجب ہوتا ہے حقتعالیٰ اپنی حکمت سے اُس کو بے شکری میں مبتلا کر دیتے ہیں تاکہ استفراغ واجب ہو جائے (ناشکری کے باعث کسی

Marfat.com

مصیبت میں ڈال دیتے ہیں جو استفراغ کا کام کرتی ہے) اور اُس فاسد خیال سے فارغ ہو جائے تاکہ وُہ ایک علّت صَدمہ نہ ہو جائے (یعنی مصیبت کیوقت اِنسان اپنی طاقت و قوت کو بھول جاتا ہے اور حقتعالیٰ کو یاد کرنے لگ جاتا ہے تو گویا مصیبت اُس کو شرک خفی سے پاک کر دیتی ہے اور اگر اُس پر کوئی مصیبت نازل نہ کی جائے تو اُس کی حالت کُفر تک پہنچ جائے اور وُہ ہلاک ہو جائے)۔ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ٥ (اور ہم نے نعمتوں اور مصیبتوں دونوں کے ذریعہ سے اُن کی آزمائش کی تاکہ وُہ ہماری طرف رجوع کریں) یعنی ہم نے اُن کو رزق دیا جہاں سے اُن کا گمان بھی نہیں اور وُہ غیب ہے۔ اُن کی نظر رُویتِ اسباب پر جمی ہُوئی ہے۔ گویا وُہ اللہ کے شرکاء ہیں جیسا کہ جب حضرت سُلطان العارفین بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "اُے رب! مَیں نے تیرے ساتھ شرک نہیں کیا" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے بایزید! پہلے دُودھ والی رات کو یاد کر۔ جب تمہارے پیٹ میں درد ہُوا اور تُو نے دُودھ رات کو پیا تھا اور درد کو دُودھ کیطرف منسوب کیا حالانکہ نفع اور ضرر میری طرف سے ہے"۔ پس آپ نے سبب کی طرف نظر کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرک شمار کیا اور فرمایا "دُودھ سے قبل اور دُودھ کے بعد مَیں ہی ضرر پہنچانے والا ہُوں اور چاہُوں تو دُودھ کو مثل گناہ کے بنا دُوں اور اُس کو اُستاد کی تادیبی سزا کے مثل بنا دُوں"۔ اُستاد نے کہا پھلوں کو مت کھانا لیکن شاگرد نے کھا لئے پس اُستاد نے اُس کے پاؤں کے تلوے پر مارنا شروع کیا۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے اگر وُہ کہے کہ کھایا تو مَیں نے پھلوں کو ہے اور آپ میرے پاؤں کو تکلیف دے رہے ہیں۔ اِسی اصل پر وُہ شخص جو شرک سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کا کفیل ہے کہ اُس کے رُوح کو شرک کی آلودگی سے پاک کرے۔ تھوڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہے۔

حمد اور شکر کے درمیان یہ فرق ہے کہ شکر نعمتوں پر کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا جائیگا کہ مَیں اُس کی خُوبصورتی اور بہادری پر شکر کرتا ہُوں۔ اور حمد عام ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ

اور جس وقت آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پُشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن سے اُنہیں کے متعلق اقرار لیا

بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰی ۚ شَهِدْنَا ۚ

کہ کیا مَیں تمہارا رب نہیں ہُوں۔ سب نے جواب دیا۔ ہاں ضرور ہیں۔ ہم قائل ہیں۔

انبیاء اور اولیاء اور نیک و بد خلائق کے احوال یعنی اُن کے مراتب اور مدارج میں اختلاف کی مثال ایسے ہی جیسے کہ غلاموں کو کافروں کے مُلک سے لاکر مسلمانوں کی ولایت میں بیچتے ہوں اور بعض پانچسالہ بعض دہ سالہ

Marfat.com

بعض پندرہ سالہ غلام لائے جاتے ہوں۔ جو طفلی میں لائے جاتے ہیں چونکہ بہت سال مسلمانوں کے درمیان پرورش پاتے ہیں اور بوڑھے ہو جاتے ہیں اپنی اصلی ولایت کے احوال کُلّی طور پر فراموش کر دیتے ہیں اور اُن پر کوئی پچھلا اثر باقی نہیں رہ جاتا۔ جو ذرا بڑے لائے جاتے ہیں اُن کو پچھلا مذہب یاد آتا ہے اور جو کافی جوان عمر کے لائے جاتے ہیں اُن کو پچھلا مذہب بہت زیادہ یاد آتا ہے۔ اسی طرح اَرواح اُس عالم میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تھے جیسا ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ج (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ عرض کیا کہ ضرور ہیں) اور اُن کی غذا و قوت کلامِ حق تھی جو بے حرف و صوت تھی۔ جو طفلی میں لائے گئے ہیں جب اُس کلام کو سُنتے ہیں اُن احوال میں سے اُن کو کچھ یاد نہیں آتا اور اپنے آپ کو اُس کلام سے بیگانہ دیکھتے ہیں اور وُہ گروہ محجوبوں کا ہے جو کُلّی طور پر کُفر اور گمراہی میں چلے گئے ہیں اور بعضوں کو قدرے احوال یاد آتے ہیں اور اُسطرف کا جوش و خروش اُن کی رہبری کرتا ہے اور وُہ مومنوں کا گروہ ہے۔ اور بعض جب اُس کلام کو سُنتے ہیں وُہ قدیمی حالت کو صاف اُسیطرح دیکھتے ہیں اور سارے حجاب کُلّی طور پر اُن کے دل سے اُٹھ جاتے ہیں اور پھر وصالِ حق کے لُطف اُڑاتے ہیں اور وُہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام ہیں۔

سورۃ انفال

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً

سو تُم نے اُن کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وُہ پھینکی۔

حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝

اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے اُن کی محنت کا خوب عوض دے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سُننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

میری کلام میرے بس میں نہیں ہے اسلئے مجھے رنج پہنچتا ہے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ دوستوں کو وعظ سناؤں اور کلام میرے بس میں نہیں ہے لیکن اس وجہ سے کہ میری کلام مجھ سے بالاتر ہے اور میں اُس کا محکوم ہوں خوش ہوتا ہوں کیونکہ جو کلام حق تعالیٰ کرتے ہیں جس جگہ بھی پہنچے اُس کو زندہ کر دیتی ہے اور کمال اثر پیدا کرتی ہے جیسا فرمانِ الٰہی ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ وُہ تیر جو کمانِ حق سے نکلتا ہے کوئی ڈھال اور زرہ اُس کو نہیں روکتی اسلئے میں خوش ہوں۔

عارف باللہ کے دل سے جو کلام پیدا ہوتی ہے زبان اُسکی ترجمانی کر دیتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو تھوڑی سی کلام ہی نافع ہو جاتی ہے اور اُس کو سینوں کے اندر بٹھا دیتے ہیں اور عظیم اثرات پیدا کرتے ہیں۔ اور

Marfat.com

اگر نہیں چاہتے تو صد ہزار سُخن بے سُود جاتے ہیں۔ ایک بھی دِل میں قرار نہیں پکڑتا۔ سب بھُول جاتے ہیں۔ جیسا کہ ستارۂ آتش جامۂ سوختہ پر پڑتا ہے اگر حق تعالیٰ چاہتے ہیں تو وُہی ایک ستارہ ہی کافی ہو جاتا ہے اور پھیل جاتا ہے اور اگر نہیں چاہتے تو سَو ستارے اگر اُس سوختہ جامہ پر پڑیں ایک بھی اثر نہیں کرتا۔

وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (آسمانوں اور زمینوں میں خُدا ہی کے لشکر ہیں۔ فتح ع ۱) یہ سُخن بھی سپاہِ حق ہیں۔ امرِ الٰہی سے قلعوں کو کھول دیتے ہیں اور قابض ہو جاتے ہیں۔ اگر حُکم کرتے ہیں کہ اتنے ہزار سوار فلاں قلعہ پر جائیں اور چہرہ دکھائیں لیکن قبضہ مت کریں وُہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر ایک سوار کو حکم کرتے ہیں کہ اُس قلعہ کو فتح کر دو تو وُہی ایک سوار قلعہ کو کھول دیتا ہے اور قبضہ کر لیتا ہے۔ چاہتے ہیں تو ایک مچھر کو نمرود پر غالب کر دیتے ہیں اور اُس کو ہلاک کرا دیتے ہیں۔ چنانکہ ایک عارف کا قول ہے اِسْتَوٰی عِنْدَ الْعَارِفِ الدَّانِقُ وَالدِّیْنَارُ وَالْاَسَدُ وَالْھِرَّۃُ (عارف کے نزدیک پیسہ و دِینار اور شیر و بلّی برابر ہیں)۔ اگر حقتعالیٰ ایک پَیسہ میں برکت رکھتے ہیں تو وُہ صد ہزار دینار کا کام کرتا ہے اور اگر ہزار دِینار سے برکت اُٹھائے تو وُہ ایک پَیسہ کا کام بھی نہیں کرتے۔ اور اسیطرح اگر بلّی کو کسی پر غالب کرتے ہیں تو وُہ اُس کو ہلاک کر دیتی ہے جیسے مچھر نے نمرود کو کیا۔ اور اگر چاہتے ہیں تو شیر کو درویشوں کی سواری بنا دیتے ہیں اور وُہ اُن کے خوف سے کانپتا ہے جیسا کہ بعض درویش شیر پر سواری کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر نار گلزار ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ تھی کہ آپؑ کو جلائے۔ الغرض جب اُنھوں (عارفوںؒ) نے جان لیا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اُن کے نزدیک سب کچھ یکساں ہے۔

سامعین کو چاہیئے کہ عارف کی کلام اپنے دِل سے سُنیں کیونکہ مفید صرف وہی ہوتی ہے جو دِل سے سُنی جائے اگر ہزار چور باہر سے آئیں دروازے کو نہیں کھول سکتے جب تک کوئی اندرونی چور اُن کا یار نہ ہو جو اندر سے دروازہ کھولے۔ ہزار سُخن کوئی باہر سے کہے جب تک تُو دِل سے تصدیق نہ کرے فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک درخت کیلئے اگر ہزار سیلاب تُو اُوپر سے گرائے فائدہ مند نہیں ہوتے جب تک اُس کی جڑ میں تری نہ ہو۔ پہلے اُس کی جڑ میں تری چاہیئے تاکہ وُہ اُن کی مدد کرے۔ بیت ؎

نُور اگر صد ہزار می بیند ❁ جز کہ بر اصل نُور ننشیند

یعنی اگر سارا عالم منوّر ہو جائے جب تک آنکھ میں نُور نہ ہو ہرگز اُس نُور کو نہیں دیکھ سکتا۔

خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ یعنی سب سے افضل کلام وُہ ہے جو قلیل ہو اور مفید ہو۔ سُورہ اِخلاص اگرچہ بظاہر چھوٹی سی ہے لیکن از رُوئے اِفادت سورہ بقرہ پر فوقیت رکھتی ہے۔ حضرت نُوح علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ہزار سال دعوت کی اور صرف چالیس شخص آپ پر ایمان لائے۔ عالی جناب سرورِ کائنات مغزِ موجودات حضور نبی کریم نورِ قدیم

حا۔ وُہ جلا ہُوا کپڑا جسپر پتھر اور چقماق سے آگ نکالیں۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ دعوت خود ظاہر ہے کہ کسقدر تھی۔ کتنے اقالیم آپؐ پر ایمان لائے اور کتنے اُولیا اور اوتاد آپؐ سے ظاہر ہوئے۔ پس بسیاری واندکی کا اعتبار نہیں ہے غرض افادت ہے۔

بعض کیلئے تھوڑی کلام زیادہ کی نسبت زیادہ مفید ہوتی ہے جیسا کہ تنور میں جب آتش حد سے زیادہ بھڑکائی جائے اُس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا بلکہ اُس کے نزدیک بھی کوئی نہیں جاسکتا اور ایک ضعیف چراغ سے تو فائدہ حاصل کرتا ہے۔ پس مقصود فائدہ ہے۔

بعض کیلئے فائدہ اِس امر میں ہے کہ عارف باللہ کی کلام نہ سُنیں بلکہ صرف زیارت سے رُوح کو مسرور رکھیں اور اگر کلام سُنیں گے تو وُہ اُن کیلئے نقصان دہ ہو گی۔ ایک درویش نے ایک بزرگ کا قصد کیا۔ جب اُس جگہ پہنچا اور شیخ صاحب کے دروازہ پر آیا اندر سے آواز آئی "واپس چلے جائیے۔ آپ کا سفر کرکے اِس دروازہ پر پہنچ جانا ہی آپ کیلئے نافع ہے۔ اگر آپ فقیر کو دیکھیں گے تو آپ کا نقصان ہوگا"۔

سُخن اندک و مفید ایسا ہے جیسا ایک چراغ افروختہ نے چراغ نا افروختہ کو بوسہ دیا اور چلا گیا۔ اِتنا ہی اُسکے حق میں کافی ہے کیونکہ وُہ مقصود تک پہنچ گیا۔

یہ سُخن اُس شخص کیلئے ہے جو سُخن کے توسط سے اِدراک کرتا ہے لیکن وُہ شخص جو بے سُخن اِدراک کرتا ہی اُس کو سُخن کی کیا حاجت ہے۔ یہ ارضون و سمٰوات تفکر کرنیوالے کیلئے سب سُخن ہی سُخن ہیں اور ایک سُخن سے پیدا شدہ ہیں جیسا اِرشادِ باری تعالیٰ ہے کُنْ فَیَکُوْنُ (ہو جا پس وُہ ہو جاتا ہے۔ یٰسٓ ع ۵) پس اُس شخص کے سامنے جو پست آواز کو سُن لیتا ہے غلغلہ اور شور کرنے کی کیا حاجت ہے۔

ایک عربی گو شاعر بادشاہ کے حضور میں آیا۔ بادشاہ تُرک تھا فارسی بھی نہیں جانتا تھا۔ وُہ شاعر بادشاہ کیلئے چند اشعار عجیب و غریب عربی میں تیار کرکے لایا۔ جب بادشاہ تخت پر بیٹھا اور اُمراء و وُزراء اور جُملہ اہلِ دیوان ترتیب کے مطابق حاضرِ بارگاہ ہوئے تو شاعر نے کھڑے ہو کر اشعار پڑھنے شروع کیئے۔ بادشاہ اُن مقامات میں جو محلِ تحسین تھے سر ہلاتا تھا اور اُن مقامات میں جو محلِ تعجب تھے حیران رہ جاتا تھا اور اُن مقامات میں جو محلِ تواضع تھے التفات کرتا تھا۔ اہلِ دیوان حیران ہو گئے کہ ہمارا بادشاہ تو عربی کا ایک حرف بھی نہیں جانتا تھا یہ موقع کے مطابق مجلس میں سر ہلانا اُس سے کیسے صادر ہُوا شاید وُہ عربی جانتا تھا اور اتنے سال ہم سے یہ بات پوشیدہ رکھی۔ ہائے افسوس ہم تو عربی زبان میں بادشاہ کو بے ادبی کے کلمات بولتے رہے ہیں۔ بادشاہ کا ایک خاص غلام تھا۔ اہلِ دیوان نے جمع ہو کر اُس کو اسپ و اُشتر اور مال و زر دیا اور اِتنا اور دینے کا وعدہ کیا کہ وُہ بادشاہ سے دریافت کرکے اُن کو آگاہ کرے کہ آیا بادشاہ عربی جانتا ہے یا نہیں اور اگر نہیں جانتا تو مناسب محل میں سر ہلانا کسطرح تھا؟ کیا وُہ کرامت تھی یا الہام ربانی تھا؟ ایک دن شکار میں غلام کو فرصت مِل گئی۔ بادشاہ کو بہت سا شکار ہاتھ آیا اور نہایت خوش ہُوا۔

Marfat.com

غلام نے موقع پاکر عرض کیا۔ بادشاہ ہنس پڑا اور کہا اللہ کی قسم میں عربی نہیں جانتا لیکن شعر کا مقصد جانتا تھا اِسلیئے محل کے مطابق تحسین کرتا تھا اور سر ہلاتا تھا ۔

پس معلوم ہُوا کہ اصل مقصود ہے اور شعر فرع مقصود ہے کیونکہ اگر مقصود مدِ نظر نہ ہو تو شعر کیسے کہا جائے۔ لہٰذا اگر مقصود پر نظر کریں تو دو یانگی نہیں رہتی۔ دو یانگی سب فروع میں ہے۔ اصل سب اشیاء کی ایک ہے (یعنی جملہ اشیاء کی حقیقت حضرتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے) اسیطرح مشائخ کرام علیہم الرضوان کے طریقے اگرچہ بظاہر گوناگون ہیں اور مقالات و مقامات و احوال میں متبائن ہیں لیکن سب کا مقصود ایک چیز ہے اور وُہ طلب حق ہے۔ جیسا کہ اِس سرائے دُنیا میں جب اندھیری چلتی ہے تو غالیچوں کو اُلٹ دیتی ہے گھروں میں کپڑے اُڑنے لگ جاتے ہیں خس و خاشاک کو ہوا پر اُڑا دیتی ہے حوض کا پانی راہ سے پھیر دیتی ہے درختوں کی شاخیں اور برگ رقص کرنے لگتے ہیں۔ یہ تمام مختلف احوال گوناگون نظر آتے ہیں لیکن سب کا مقصود و اصل و حقیقت ایک ہے یعنی سب کا ہلنا ایک آندھی کیوجہ سے ہے ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتے ہیں آدمی کے اور اُس کے قلب کے درمیان اور بلاشبہ تم سب کو خداوند تعالیٰ ہی کے پاس جمع ہونا ہے ۔

ہر شخص جب کسی جگہ کا عزم اور سفر کرتا ہے تو اُس کی عقلی تجویزیں ہوتی ہیں کہ اگر میں اُس جگہ چلا جاؤں تو میرے بہت سارے کام سرانجام ہو جائیں گے اور میری حالت بہت ہی اچھی ہو جائے گی۔ دوست میرے خوش ہوں گے اور دشمنوں پر غالب آجاؤں گا۔ یعنی کئی مطالب اُس کے پیشِ نظر ہوتے ہیں لیکن مقصودِ حق تعالیٰ کوئی اور ہی چیز ہوتی ہے۔ آسائش و معائش کی کئی تدبیریں کیں لیکن اُس کی مُراد کے مطابق ایک بھی میسر نہ ہوئی لیکن پھر بھی اپنی تدبیر اور اختیار پر اعتماد کرتا ہے۔ بیت

تدبیر کند بندہ و تقدیر نداند ۔ تدبیر بہ تقدیرِ خداوند چہ ماند

(یعنی بندہ تدبیر کرتا ہے لیکن تقدیرِ الٰہی کو نہیں جانتا۔ بندہ کی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کیساتھ کیسے مطابقت کر سکتی ہے)

اور اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وُہ ایک شہر میں بطورِ مسافر وارد ہُوا اور اُس جگہ اُس کا کوئی آشنا نہیں۔ حیران پھرتا ہے نہ کوئی اُسے شناخت کرتا ہے نہ وُہ کسی کو۔ وُہ آدمی پشیمان ہوتا ہے اور غصّہ و حسرت کرتا ہے کہ ہائے افسوس میں اِس شہر میں کیوں آیا کہ میرا کوئی بھی آشنا نہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے اور ہونٹ کاٹتا ہے۔ جب بیدار ہوتا ہے نہ شہر پاتا ہے نہ شہری۔ اُسوقت معلوم کرتا ہے کہ وُہ غصّہ و تاسف بے فائدہ تھا۔ اِسلیئے اُس حالت سے پشیمان ہوتا ہے اور اُس کو فضول خیال کرتا ہے۔ پھر دُوسری دفعہ جب سو جاتا ہے اتفاقاً

Marfat.com

اپنے آپ کو اُس جیسے شہر میں پھر دیکھتا ہے۔ غم وغصہ کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایسے شہر میں آنے سے پشیمان ہوتا ہے۔ کچھ خیال نہ کیا کہ بیداری میں اِس غم کرنے سے میں آگے ہی ندامت اُٹھا چکا ہوں اور رجان چکا ہوں کہ فضول بیفائدہ خواب تھا۔ پس تمام عالم کی یہ ہی حالت ہے۔ لوگوں نے صد ہزار بار آزمایا ہے کہ اُن کے عزائم وتدابیر سب باطل ہو گئے اور کوئی کام اُن کی مُراد کے مُطابق سرانجام نہ ہُوا لیکن حقتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اُن پر نسیان غالب کر دیتے ہیں اور وُہ جُملہ واقعات بھُول جاتے ہیں اور اپنے اختیار وتدبیر کے تابع ہو جاتے ہیں جیسا ارشاد خداوندی ہے أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتے ہیں آدمی کے اور اُس کے قلب کے درمیان)۔

حضرت ابراہیم اُدھم رحمۃ اللہ علیہ بادشاہی کیوقت میں شکار پر گئے ہُوئے تھے۔ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا حتیٰ کہ لشکر سے بالکل جُدا ہو گئے اور بہت آگے نکل گئے۔ گھوڑا پسینہ میں غرقاب ہو گیا لیکن آپ پھر بھی اُس بیابان میں اُس کو دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔ جب معاملہ حد سے گذر گیا تو ہرن نے منہ واپس پھیر کر کلام کرنی شروع کی کہ مَا خُلِقْتَ لِهٰذَا آپ کو اِسلیئے پیدا نہیں کیا گیا اور عدم سے وجود میں اِسلیئے نہیں لایا گیا کہ آپ میرا شکار کریں۔ آپئے میرا شکار کریجئے تو پھر آپکا کیا بن جائیگا؟ حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمت نے جب یہ کلمات سُنے تو گھوڑے سے نیچے اُتر آئے۔ صحرا میں ایک گڈریئے کو پایا اور اُس کے آگے زاری کی کہ اپنی کملی مُجھ کو دیجئے اور یہ شاہانہ مرصع لباس وسلاح واسپ آپ لے لیجئے لیکن کسی سے یہ راز فاش نہ کیجئے اور کسی کو میرے حال سے مطلع نہ کیجئے۔ آپ نے وُہ کملی اوڑھ کر بیت اللہ شریف کا راہ لیا۔ اب دیکھ کہ آپ کی کیا غرض تھی۔ آپ نے چاہا کہ ہرن کا شکار کریں لیکن حقتعالیٰ نے ہرن کیساتھ آپ کا شکار کر لیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمام عالم میں وُہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِسلام لانے سے پہلے اپنی ہمشیرہ کے گھر میں تشریف لائے۔ آپ کی ہمشیرہ قُرآن مجید کی سورہ طٰہٰ باآواز بلند تلاوت فرما رہی تھیں۔ جب بھائی کو دیکھا آپ چھُپ گئیں اور خاموش ہو گئیں حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار سونت لی اور فرمایا بتائیے آپ کیا پڑھ رہے تھے اور کیوں چھُپ گئے ورنہ اِسی وقت گردن اُتار دوں گا اور ہرگز امان نہ دوں گا۔ آپ کی ہمشیرہ نہایت خوف زدہ ہوئیں۔ آپ کی ہیبت اور جلال کو جانتے تھے اِسلیئے جان کے خوف سے اقرار کر لیا اور کہا اُس کلام پاک سے تلاوت کر رہی تھی جو اِس زمانہ میں عالی جناب سرورِ کائنات مفخرِ موجودات محمدِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہُوا ہے۔ فرمایا پڑھیئے تاکہ میں سُنوں۔ آپ نے سورہ طٰہٰ کی تلاوت کی۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت غضبناک ہُوئے۔ آپ کا غضب صد گُنا ہو گیا۔ فرمایا اگر اِس وقت آپ کو قتل کر دوں تو مُجھ جیسا بیوقوف کون ہو گا۔ پہلے اُنؐ کا سر اُتار دُونگا اور پھر تیرا۔ اِسی طرح غایت غضب کی حالت میں شمشیر برہنہ لئے جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مسجد مبارک

Marfat.com

کی طرف رُخ کیا۔ جب قریش کے سرداروں نے آپ کو دیکھا تو بولے خُوب۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسالت مآب محمدؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا قصد رکھتے ہیں اور اِس کام کو صرف آپ ہی سرانجام دے سکتے ہیں کیونکہ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قوّت اور جوانی میں لاثانی تھے۔ جس لشکر کیطرف رُخ کرتے اُسی پر غالب آتے یہاں تک کہ سیّدِ کُل ختمِ رُسُل جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہمیشہ فرماتے تھے کہ خداوندا! میرے دین کو عمرؓ سے یا ابوجہل سے نصرت دہ کیونکہ یہ دونوں اپنے عہد کے مُستثنٰی تھے۔ اور آخر جب حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہُوئے تو ہمیشہ روتے تھے اور عرض کرتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلّم! اگر جناب دُعا میں ابوجہل کو مُقدّم رکھتے اور فرماتے کہ خداوندا! ہمارے دین کو ابوجہل سے یا عُمرؓ سے نُصرت و قُوّت بخش تو میرا حال کیا ہوتا۔ مَیں ابد الآباد تک ضلالت کے چاہ میں رہتا۔ اَلقصّہ شمشیر برہنہ لئے جب آپ مسجد مبارک کے راہ پر ہی تھے تو حضرت جبرئیل امین وحی لائے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلّم! عُمر فاروقؓ ابھی آ رہے ہیں تا کہ اسلام قبول کریں۔ آپؐ اُن کو رحمت کی گود میں لے لیں۔ جُونہی حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد مبارک میں داخل ہُوئے تو رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ختم المرسلین حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل مبارک میں نُورِ محبت کا تیر مارا۔ آپؓ نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ محبّت اور عشق نے آپ کی جان میں جوش مارا اور غایت محبّت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ آنحضور نُورٌ علیٰ نُور جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حضور میں گداز ہو جاؤں اور مِٹ جاؤں۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلّم! مُجھے ایمان نصیب فرمایئے اور کلمہ مبارک اِرشاد فرمایئے تا کہ مَیں سُنوں۔ جب مسلمان ہو گئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلّم! یہ شمشیر برہنہ آپؐ کیلئے لایا تھا اب اِس کا کفّارہ یہ ہے کہ جو شخص آپؐ کے حق میں ذرّہ بھر گُستاخی کریگا اُس کو امان نہ دوں گا اور اِس تلوار سے اُس کا سَر قلم کر دُوں گا۔ مسجد سے باہر نکلے تو ناگاہ آپ کے والد سامنے آ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شکایت کی۔ آپؓ نے اُس کا سَر قلم کر دیا اور شمشیر خُون آلودہ ہاتھ میں لیئے چل دیئے۔ صنادیدِ قریش شمشیر خُون آلودہ دیکھ کر کہنے لگے آپ نے سَر لانے کا وعدہ کیا تھا سَر کہاں ہے؟ جواب دیا یہ ہے میرا سَر۔ بولے یہ سَر تو آپ اِسجگہ سے ساتھ لے کر گئے تھے۔ فرمایا یہ سَر وُہ سَر نہیں ہے۔ اب دیکھ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا ارادہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی کیا مُراد تھی تا کہ تجھ کو ثابت ہو جائے کہ تمام کام اُسیطرح سَرانجام ہو رہے ہیں جسطرح وُہ ذاتِ پاک چاہ رہے ہیں ؎

شمشیر بکف عُمرؓ در قصدِ رسُولؐ آید ❊ در دامِ خُدا اُفتد و بخت نظر یابد

یعنی حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار ہاتھ میں لئے جناب رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا قصد کر کے آتے ہیں۔ لیکن ازلی بخت یاور ہُوئے اور اُس محبوب کبریا شاہ ہر دوسرا نازنین ارض وسما صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

Marfat.com

نے اپنی جادو بھری نظروں سے اسیرِ دامِ زُلفِ عنبر شمامہ کر لیا ۔
حساب کتاب کیوقت آپ سے بھی پوچھا جائیگا کہ آپ کیا لائے ہیں آپ عرض کریں کہ سَر لایا ہُوں سا گر فرمائیں کہ یہ سَر ہم نے آگے ہی دیکھا ہُوا ہے تو عرض کیجئے یہ سَر وُہ سَر نہیں ہے۔ سَر وُہ ہے جس میں سِرِّ الٰہی ہو ورنہ بدوں اس کے ہزار سَر کی قیمت چو نی بھی نہ پڑے گی ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اَولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے

بندہ اور حقتعالیٰ کے درمیان صرف دو ہی چیزیں حجاب ہیں اور وُہ صحت اور مال ہیں۔ باقی حجب ان ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص کہ تندرست ہے کہتا ہے کہاں ہے خُدا میں نہیں جانتا اور نہیں دیکھتا اور جُونہی کہ بیمار ہو جاتا ہے فریاد شروع کر دیتا ہے یا اللہ یا اللہ گویا اللہ تعالیٰ سے ہمراز اور ہمکلام ہو جاتا ہے پس دیکھا کہ وُہ صحت ہی اُس کے لئے حجاب تھی اور ذاتِ حق اس کے نیچے بندہ میں پنہاں تھی ۔
اور جتنا کہ آدمی کے پاس مال و منال ہو وُہ اسبابِ مرادات مہیّا کرتا رہتا ہے اور شب و روز ان میں مشغول رہتا ہے۔ جُونہی کہ فقر آتا ہے نفس ضعیف ہو جاتا ہے اور حق وردِ زبان ہو جاتا ہے ؎

مستی و تہی دستیت آورد بمن ؛ من بندۂ مستی و تہی دستیٔ تُو

اے محبوبِ من! مستی اور تنگدستی نے مجھے آپ سے ملا دیا۔ مَیں اس مستی اور تنگ دستی پر قربان جاؤں ۔
حقتعالیٰ نے فرعون کو چار سَو سال عُمر و مملکت و بادشاہی و کامرانی دی۔ اور وُہ جُملہ حجاب تھیں کیونکہ اُسکو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے دُور رکھتی تھیں۔ ایک روز بھی اُس کو نامُرادی و دردِ سر نہ دیا مبادا کہ حقتعالیٰ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تُو اپنی مُراد میں مشغول رہ اور مجھ کو یاد تک نہ کر ؎

از مملکت سیر شُد سلیمانؑ ؛ وَ ایوبؑ نگشت از بلا سیر

یعنی حضرت سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام بادشاہی سے سیر ہو گئے لیکن حضرت ایّوب علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام بیماری سے سیر نہ ہُوئے ۔

سورہ توبہ

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ

اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنے باپ کیلئے دُعائے مغفرت مانگنا وُہ بھی صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں

Marfat.com

تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۝

نے اُس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب اُن پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وُہ خُدا کا دُشمن ہے تو وُہ اُس سے محض بے تعلق ہو گئے۔

واقعی حضرت ابراہیم علیہ السّلام بڑے رحیم المزاج اور حلیم الطبع تھے ۔

آہ وزاری کرنے سے درویش کا ذوق جاتا رہتا ہے اِس لئے چاہیئے کہ آہ وزاری نہ کرے تاکہ ذوق جانے نہ پائے لیکن بعض اہل اللہ کی حالت اِس کے متضاد ہے کہ اگر وُہ آہ وزاری نہ کریں تو اُن کا ذوق جاتا رہتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ فرماتے اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۝ (یعنی چونکہ سیدنا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے ہی نرم دِل اور حلیم الطبع تھے اِسلئے اپنے مشرک باپ کیلئے بھی دُعائے مغفرت مانگی کیونکہ اگر آپؑ اُن کیلئے جناب الٰہی میں آہ وزاری نہ کرتے تو آپؑ کا ذوق جاتا رہتا) ۔

اور طالبِ خُدا کو چاہیئے کہ اپنی عبادات اور ریاضات کا اظہار نہ کرے کیونکہ یہ بھی اظہارِ ذوق ہے ۔

اور یہ جو تُو کلام کرتا ہے اِسلئے کرتا ہے کہ تجھے ذوق حاصل نہیں ہُوا۔ پس اگر یہ کلام ذوق کو ضائع کرنے والی ہے تو بُرندۂ ذوق کے ساتھ مباشرت نہ کرنی چاہیئے۔ اور اِس کی مثال ایسے ہے کہ سوئے ہُوئے کو کوئی شخص آواز دیتا ہے "جاگ بھائی۔ دِن چڑھ گیا۔ قافلہ جاتا ہے۔" لوگ کہتے ہیں "بھائی مت آواز دو کیونکہ وہ ذوق میں ہے۔ اُس کا ذوق جاتا رہے گا۔" وُہ کہتا ہے "وُہ ذوق ہلاکت ہے اور یہ ذوق نجات کا باعث۔" کہتے ہیں "بھائی تشویش مت دو کیونکہ اِس آواز سے سُویا ہُوا شخص فکر میں آجائیگا یعنی بیداری کے بعد اُسے فکر پیدا ہوگا ورنہ خواب میں اُسے کیا فکر ہوگا" ۔

اور آواز بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اگر بانگ کُنندہ اُس سے زیادہ صاحب کمال ہے تو اُس کی آواز فکر کی زیادتی کا مُوجب ہوگی۔ چونکہ مُنبّہ صاحب علم ہے جب وُہ اُس کو غفلت سے بیدار کریگا تو اپنے علم سے اُس کو زندہ کردیگا اور اُس کو اپنے مقام پر کھینچ لے جائیگا۔ پس اُس کا فکر اُس کو بلندی کی طرف پرواز کرائے گا کیونکہ اُسے بلند مقام سے آواز دی گئی ہے۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہے یعنی مُنبّہ اُس سے کم عقل رکھتا ہے تو جب وُہ اُس کو بیدار کرے گا اُسکی نظر نیچے پر پڑے گی۔ چونکہ بیدار کُنندہ اسفل ہے لابُد اُس کی نظر اسفل پر پڑے گی اور اُس کا فکر اُس کو عالمِ سفل کی طرف گرائیگا ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

اَے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ رہو ۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ آدمی کے نفس میں ایسا شر ہے جو حیوانوں اور درندوں میں بھی نہیں پایا جاتا اسوجہ سے

Marfat.com

نہیں ہے کہ آدمی اُن سے بدتر ہے بلکہ اسوجہ سے ہے کہ جو خُوئے بد و شرِّ نفس اور نحوُسات آدمی میں پائے جاتے ہیں وُہ اُس پوشیدہ لعل کے مطابق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں رکھا ہُوا ہے کیونکہ یہ بُرے اخلاق اور نحوُسات اور شرِّ نفس اُس لعل پر حجاب ہیں۔ جسقدر لعل زیادہ نفیس و زیادہ عظیم اور زیادہ قیمتی ہوگا اُسی قدر اُس پر حجاب زیادہ ہوں گے۔ پس آدمی میں شوُمی و شرّ و اخلاقِ بد اُس لعل کے حجاب کے سبب سے ہیں ❖

اور اِن حجابوں کا رفع کرنا سوائے کثرتِ مجاہدات کے ممکن نہیں ہے۔ مجاہدات کئی قسم کے ہیں اور سب سے اعظم مجاہدہ اُن فقراءِ کاملین کی صحبت ہے جنہوں نے اِس دُنیا سے مُنہ موڑ لیا ہے اور محض ذاتِ حق کے طالب ہیں کوئی مجاہدہ اِس سے زیادہ سخت نہیں ہے کہ آدمی اولیاء اللہ کی مجلس کرے کیونکہ اُن کی نظر کیمیا اثر اِس نفس کو گداز اور فنا کر دیتی ہے۔ اور اِسی وجہ سے ہے جو کہتے ہیں کہ جب سانپ چالیس سال تک آدمی نہ دیکھے تو اژدہا بن جاتا ہے یعنی اگر آدمی چالیس برس کی عُمر تک کسی ایسے شخص کو نہ دیکھے جو اُس کے نفس کے شرّ و شوُمی کی گدازش کا سبب ہو تو اُس کا نفس مثلِ اژدہا کے ہو جاتا ہے ❖

جس جگہ قُفل بہت بڑا لگایا جائے وُہ اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس جگہ کوئی نفیس اور ثمین چیز ہے اور جس جگہ حجاب بہت زیادہ لعل اُسی قدر قیمتی ہوتا ہے جیسا کہ سانپ خزانے پر بیٹھا ہُوا ہوتا ہے۔ تو سانپ کی زشتی کو نہ دیکھ وُہ نقاب ہے بلکہ گنج کو دیکھ ❖

اولیاء اللہ کی طرف خلقِ خدا کی رغبت اُن کے کمال کا اقتضا ہے اور ہمیشہ انسان اپنا کمال حاصل کرنے کیلئے خواہش کرتا ہے۔ تمام ہستیوں کا کمال اللہ تعالیٰ کا ہی کمال ہے۔ اور کسی نقص کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی عالم کے کمال و مصالح و بطالت کا سبب ہے (مثلاً کسی جگہ زلزلہ آیا۔ تو یہ زلزلہ خلق کو سزا، عبرت اور رُوحانی کمال کی ترقی اور صدہا حکمتوں کا سبب ہے اور فعلِ الٰہی کے سامنے انسانی تدبیر و طاقت کو باطل اور ہیچ ثابت کرنیوالا ہے)۔ اگر تو عالم کا وجود اللہ تعالیٰ سے علیحدہ مستقل ذاتی تصوّر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو عالم سے وراء الوراء تصوّر کرتا ہے تو تجھے کبھی ذوقِ وصال نصیب نہیں ہو سکتا۔ جب تک تو اِس وہمی خدا کے تخیّل و تصوّر کو اللہ تعالیٰ کیخاطر ترک نہ کرے تجھے کمال حاصل نہیں ہو سکتا (یعنی عالم کو ظہورِ حق سمجھ)۔ اور اِس دجلہ کو مثل جھاگ کے سمجھ جو آگ کے جوش کی وجہ سے دیگ سے باہر نکلتی ہے۔ جب تک تُو اپنی خودی سے بیخبر نہ ہوگا اللہ تعالیٰ سے باخبر نہیں ہوگا۔ اگر تُو تمام علوم فقہ صرف نحو وغیرہ میں کمال مہارت حاصل کرے خلقت کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ جب تجھے فقر کا کمال حاصل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ تیرے کمال کی خوشبو تمام عالم میں پہنچا دے گا اور تمام لوگ تیرا اکرام و احترام کریں گے۔ اُسوقت تیرے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی طلب باقی رہ جائے گی اور تُو ہر وقت ذوق میں رہے گا۔ اور انواعِ علوم کے باوجود اور ہر کسی کے ساتھ کلام کرنے کے باوجود تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا ❖

Marfat.com

اُس حالت میں تجھے وُہ بصیرت اور حکمت نصیب ہوگی کہ تمام عالم میں تُو ایک ہی متکلّم دیکھے گا اور تمام رنگوں کو رُوح کے رنگ دیکھے گا (یعنی تمام رنگوں پر وُہ بیرنگ ہی جلوہ نُما ہے) ذوق وغلبہ واکرام یہ ہے کہ تُو اپنے عُشق کو اِس کمال تک پہنچا دے کہ دُوسرے ارواح کو اپنی طرف کھینچ لے اور تیری حالت کی روشنی میں اُن کو اپنا پچھلا گناہ اور پریشان ہوائیں اِس طرح بھُول جائیں اور ناپید ہو جائیں جس طرح سُورج کے نُور کے سامنے چراغ اور ستاروں کی روشنی گُم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ تیری روشنائی اُن کی ایسی رہبری کرے کہ وُہ تیرے کمال کے گیت گائیں ۔

اصل بہ ہر متابعت پیر کامل ہے لیکن متابعت کی حقیقت سے لوگ بے بہرہ ہیں۔ متابعت کے معنی یہ ہیں کہ ایک بادشاہ صاحب داد و دہش عادل حکیم کریم تمام اخلاق حمیدہ سے متصف بیشمار خزائن اور عساکر کا مالک کسی آباد مملکت میں نقل کر جاتا ہے اور اُس کا ایک وارث جو کہ اُس کا ولی عہد ہوتا ہے تخت پر بیٹھ جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ (علماء پیغمبروں کے جانشین ہیں) اور وہی سیرت داد و دہش اور وُہی اخلاق برتتا ہے تو متابعت اِس کو کہتے ہیں نہ کہ ہر گدا گھڑا ہو کر متابعت کا دعوےٰ کر دے۔ متابعت اَور چیز ہے اور مبایعت اَور چیز ۔

ایک عارف نے کہا کہ میں ایک دن آگ کے بھٹ میں دل کی کشائش کیلئے گیا کیونکہ وُہ بعض اولیا کی گزرگاہ تھی۔ اُس بھٹیارے کا ایک شاگرد تھا جو کمر باندھ کر کام کر رہا تھا۔ بھٹیارا اُس کو حکم دے رہا تھا کہ ایسا کر اور ویسا کر اور وُہ نہایت ہوشیاری سے کام کر رہا تھا۔ گلخن تاب اُس کی چُستی و فرمانبرداری پر خوش ہو کر کہنے لگا اِسی طرح چُست و چالاک رہ اور ادب ملحوظ رکھ تاکہ اپنا مقام تیرے سپرد کر دوں اور اپنی جگہ پر تجھ کو بٹھا دوں۔ مجھے ہنسی آگئی اور میرا عُقدہ حل ہو گیا کہ اِس عالم کے رئیس بھی اپنے چاکروں کیساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ (یعنی شیخ کامل اپنے لائق مُرید کو اپنا خلیفہ بنا دیتے ہیں اور اپنا منصب عطا کر دیتے ہیں)۔

ایک شخص امامت کرتا تھا اُس نے پڑھا اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا (عرب کے دیہاتی کفر و نفاق میں بڑے ہی سخت ہیں سورہ توبہ ع ۱۲) عرب کا ایک دیہاتی حاضر تھا اُس نے زور سے اُس کو ایک طمانچہ مارا اُس نے دوسری رکعت میں پڑھا وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (اور عرب کے دیہاتیوں میں سے بعضے ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دِن پر پُورا پُورا ایمان رکھتے ہیں سورہ توبہ ع ۱۲) اُس عرب نے کہا اَلصَّفْعُ اَصْلَحَکَ (طمانچے نے تجھے دُرست کر دیا)۔ ہم ہر وقت غیب سے طمانچے کھا رہے ہیں۔ جس وقت کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے اُسی وقت طمانچہ سے اُس کی دُرستی کی جاتی ہے۔ (یعنی دوستوں کو عتاب کرتے ہیں بیگانوں کو عتاب نہیں کرتے) ۔

بعض عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم خسف اور قذف کی طاقت نہیں رکھتے اور فرمایا قطع الاعمال

قطع الوصال سے آسان تر ہے۔ خسف سے مراد دنیا میں دھنس جانا یعنی اہلِ دنیا سے ہو جانا ہے۔ اور قذف سے مراد دلِ اولیاء سے دور ہو جانا ہے جیسا کہ کوئی شخص کھانا کھاتا ہے اور وہ اس کے معدہ میں اتفاقاً ترش ہو جاتا ہے تو وہ اس کو قے کر دیتا ہے۔ اگر وہ طعام ترش نہ ہوتا اور قے نہ کیا جاتا تو اس آدمی کا جزو بن جاتا۔ اسی طرح مرید بھی چاپلوسی اور خدمت کرتا ہے تاکہ شیخ کے دل میں جگہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ ایسی چیز جو مرید سے صادر ہو اور شیخ کی ناراضگی کا باعث ہو حتیٰ کہ شیخ اس کو دل سے گرا دے مثل اس طعام کے ہے جو کھائی اور قے کر دیا۔ جیسا کہ چند ایام کی خدمت کے بعد مرید نے شیخ بننا چاہا۔ شیخ نے اس ناپسندیدہ حرکت سے اسکو دل سے گرا دیا۔

عشق تو منادی بعالم در داد ٭ تا دلہا را بدست شور و شر داد
وآنگہ ہمہ را بسوخت خاکستر کرد ٭ وآورد بباد بے نیازی برداد

یعنی اس بادِ بے نیازی میں دلوں کی راکھوں کے ذرات رقص کر رہے ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں اور اے محبوب گر یہ ایسا نہیں ہے تو تیرے حسن و جمال کی خبر کون لایا اور ہر دم اس خبر کو کون تازہ کر رہا ہے۔ اور اگر عشاق اپنی حیات اس جلنے اور برباد ہونے میں نہ دیکھیں تو اتنی رغبت کیسے کریں؟ وہ دل جو آتشِ شہواتِ دنیا میں جل کر خاکستر ہو گئے ہیں کبھی ان سے بھی آوازہ اور رونق دیکھی اور سنی ہے؟

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبرؐ تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مغفرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

اصل میں تمام علوم آدمی کی سرشت میں بوئے ہوئے ہیں اور روح اس سے تمام مغیبات کو دکھاتی ہے جیسا کہ صاف پانی جو کچھ اس کے تحت میں ہے (سنگریزے اور سفال وغیرہ) اور جو کچھ اس کے اوپر ہے سب کا سب دکھا دیتا ہے کیونکہ ان سب کا عکس پانی میں موجود ہوتا ہے۔ حقتعالیٰ نے یہ خاصیت بے تعلیم و تربیت اس کی ذات میں رکھی ہوئی ہے لیکن جب پانی میں خاک یا دوسرے رنگوں کی ملاوٹ ہو گئی تو وہ کمال اور وہ خاصیت جاتی رہی حتیٰ کہ وہ اپنا اصلی کمال بالکل بھول گیا۔

حقتعالےٰ نے انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کو آبِ صافی و بزرگ کیطرح بھیجا کہ جو آب حقیر رنگین و تیرہ اس میں ملتا ہے اپنی عارضی رنگ و تیرگی سے نجات پا جاتا ہے۔ پس اس کو اپنا ذاتی کمال یاد آ جاتا ہے۔ جب اپنے آپ کو صاف

Marfat.com

دیکھتا ہے تو یقین سے جان لیتا ہے کہ مَیں پہلے ایسے ہی صاف تھا۔ وُہ تیرگی اور رنگ عارضی تھے۔ اُس کو وُہ حالت یاد آجاتی ہے جو ان عوارض سے پیش تھی اسلئے بول اُٹھتا ہے ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (یہ وُہی ہے جو اس سے قبل ہمیں رزق مِل چکا ہے۔ بقرع ۳) پس انبیاء و اولیاء اُسکو پہلی حالت یاد دلانے والے ہیں نہ کہ اُس کے جوہر میں کوئی نئی چیز ڈالتے ہیں۔ اب ہر آب تیرہ جس نے اُس آب بزرگ کو شناخت کر لیا کہ مَیں اُسی سے ہُوں اور اُسی کی آن سے ہُوں مِل گیا اور وُہ آب تیرہ جس نے اُس آب بزرگ کو شناخت نہ کیا اور اُس کو غیر خود دیکھا اور غیر جنس دیکھا مُستے رنگوں اور تیرگیوں کیساتھ پناہ لی حتیٰ کہ سمندر کیساتھ نہیں ملتا اور سمندر کیساتھ ملنا اُس کیلئے محال ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ (جس رُوح نے اُس سے موانست کی وُہ اُس سے مِل گئی اور جس نے اُس سے بیگانگی اختیار کی وُہ الگ ہو گئی) اور اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں) (یعنی قطرہ کی ذات بھی پانی اور سمندر کی ذات بھی پانی۔ دونوں کی حقیقت ایک ہے)۔ مُراد یہ ہے کہ آب بزرگ آب خوردکی جنس سے ہے اور اُس کے نفس (ذات یا حقیقت) سے ہے اور اُس کے گوہر سے ہے۔ اور آب خورد جو اُس کو بیگانہ تصور کرتا ہے یہ تناکر حقیقتاً نفسِ آب سے نہیں ہے بلکہ آب کے قرینِ بد سے ہے جن کا عکس اس پانی پر پڑ رہا ہے۔ غایت آمیزش کیوجہ سے وُہ یہ نہیں جانتا کہ میرا اُس آب بزرگ یعنی سمندر سے بھاگنا میری ذات سے ہے یا ان قرینِ بد کے عکس کی وجہ سے جیسا کہ گل خوار نہیں جانتا کہ مٹی کیطرف میری رغبت میری طبیعت سے ہے یا اُس علّت کیوجہ سے جو میری طبع میں داخل ہو گئی ہے ٭

سورہ ھود

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝

بیشک آپؐ کا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے ٭

اکثر لوگ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ (تمام زبان کی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں) کا معنیٰ نہیں جانتے۔ مُراد یہ ہے کہ یہ عبادات وخدمات و نیازات سب اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مِلک ہیں کیونکہ اگر حق تعالیٰ ہم کو صحت نہ بخشے اور اپنے لیئے فارغ نہ کرے تو یہ عبادات و ریاضات ہم ہرگز نہیں کر سکتے۔ پس ثابت ہُوا کہ یہ تحیات و صلوات و طیبات للہ ہیں یعنی ہماری مِلکیت نہیں بلکہ سب اُسی کی آن ہیں اور اُسی کی مِلک ہیں۔ جیسا کہ موسم بہار میں لوگ زراعت کرتے ہیں اور باہر صحرا میں آجاتے ہیں اور سفر کرتے ہیں اور عمارات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ سب موسم بہار کی بخشش ہے ورنہ سردی کے موسم میں سب گھروں اور غاروں میں محبوس

Marfat.com

تھے۔ پس حقیقت میں وہ زراعت و تفرج و تنعم سب بہار کی آن ہیں اور اسی کی ملک ہیں۔

لوگوں کی نظر اسباب پر ہے اور جانتے ہیں کہ تمام کام اسباب سے سرانجام ہو رہے ہیں لیکن اولیاء اللہ پر یہ امر منکشف ہو چکا ہے کہ اسباب محض پردہ ہیں۔ جب اُن کی نظر مُسبّب پر پہنچتی ہے تو جان لیتے ہیں کہ اسباب ایک طلسمی حجاب ہیں۔ جیسا کہ کوئی شخص پردے کے پیچھے سے کلام کرتا ہے تو لوگ خیال کرتے ہیں کہ پردہ کلام کر رہا ہے اور نہیں جانتے کہ پردہ کوئی کام نہیں کر رہا بلکہ محض حجاب ہے۔ جب وہ شخص پس پردہ سے باہر نکل آتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ پردہ بہانہ تھا۔

اہل اللہ نے بلا اسباب کام سرانجام ہوتے دیکھے ہیں جیسے کہ پہاڑ سے اُشتر پیدا ہوا و عصاے موسیٰ اژدہا بن گیا و سنگ خارا سے بارہ چشمے جاری ہوئے و سیدِ کل ختمِ رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کو ایک اُنگلی مبارک کے اشارے سے پھاڑ ڈالا و حضرت آدم علیہ السلام بے پدر و مادر وجود میں آ گئے و حضرت عیسےٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے و حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاطر نار گلزار ہو گئی اور اسی طرح بیشمار واقعات دیکھے ہیں پس جب انہوں نے یہ واقعات دیکھے تو جان لیا کہ اسباب ایک بہانہ ہیں کارساز کوئی اور ہے۔ اسباب سوائے پردہ پوشی کے نہیں ہیں تاکہ عوام اُن میں مشغول ہو جائیں۔

حقتعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ ہم آپ کو فرزند دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فریاد کی کہ میں بوڑھا ہوں اور میری زوجہ بھی بوڑھی ہے اور میرا آلۂ تناسل بھی ضعیف ہو چکا ہے اور میری بیوی اس حالت کو پہنچ گئی ہے کہ حمل کا امکان بھی نہیں۔ یا ربّ! ایسی عورت سے فرزند کیسے پیدا ہو گا؟ جیسا ارشاد خداوندی ہے قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ (عرض کیا۔ اے ربّ! کہاں سے ہو گا مجھ کو لڑکا؟ اور مجھ پر آیا بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے۔ فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتے ہیں جو چاہیں آل عمران۔ ع ۴)۔ جواب آیا کہ اے زکریا تو نے پھر سر رشتۂ عقل گم کر دیا ہے کیا صد ہزار بار آپ کو نہیں دکھایا گیا کہ تمام کام بغیر اسباب کے ہو رہے ہیں؟ آپ نے اُن کو بھلا دیا۔ آپ نہیں جانتے کہ اسباب ایک بہانہ ہیں ہم قادر ہیں کہ اس وقت آپ کے سامنے آپ سے صد ہزار فرزند بے زن و بے حمل پیدا کر دیں بلکہ اگر اشارہ کریں تو جہان در جہان خلقت پیدا کر دیں جو تمام بالغ اور دانا ہوں۔ کیا ہم نے آپ کو عالم ارواح میں بے مادر و پدر پیدا نہ کیا؟ ہمارے الطاف و عنایات آپ پر تو اس وجود میں آنے سے پہلے ہی سابق تھے۔ آپ نے اُن کو کیوں بھلا دیا ہے؟

سورۂ یُوسُف

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ

Marfat.com

اے بیٹو! جاؤ اور یوسفؑ اور اُن کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید مت ہو بیشک اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

کی رحمت سے وہی لوگ نااُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں ◊

آدمی کو چاہیئے کہ اپنی اُس تمیز کو تمام اغراض سے معرّا کر دے اور دین میں ایک یار تلاش کرے کیونکہ دین تو یار شناسی ہے لیکن چونکہ عمر بے تمیزوں کے ساتھ گذاری ہے قوتِ تمیز ضعیف ہو گئی ہے اب اُس یارِ دین کو شناخت نہیں کر سکتا ◊

تُو نے اِس وجود کی پرورش کی حالانکہ اس میں تمیز نہیں ہے۔ تمیز تو آدمی میں ایک مخفی صفت ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ دیوانہ بھی جسم و دست اور پاؤں رکھتا ہے لیکن تمیز نہیں رکھتا اور ہر نجاست پر ہاتھ مارتا ہے اور پکڑتا ہے اور کھاتا ہے اور اگر یہ تمیز وجودِ ظاہر میں ہوتی نجاست نہ پکڑتا۔ پس ہم نے جان لیا کہ تمیز وُہ حسنِ لطیف ہے جو کہ تجھ میں ہے اور تُو شب و روز بے تمیز تن کی پرورش میں مشغول ہے۔ تُو بہانہ کرتا ہے کہ وُہ اِس سے قائم ہے اگر یہ بھی تو اُس سے قائم ہے پھر کیسے ہے کہ تو کُلّی طور پر اِسی کی تیمارداری میں لگا ہوا ہے اور اُسکو بالکل فراموش کر دیا ہے؛ بلکہ یہ اُس سے قائم ہے اور وُہ اِس سے قائم نہیں ہے۔ وُہ نور ان چشم و گوش وغیرہ کے دریچوں سے سر باہر نکالتا ہے اگر یہ دریچے نہ ہوں تو کسی اور دریچوں سے ظاہر ہو جائے۔ تیری مثال ایسے ہے کہ آفتاب کے سامنے ایک چراغ لا رکھتا ہے کہ آفتاب کو اس چراغ سے دیکھتا ہوں۔ حاشا! اگر تو چراغ نہ لاتا آفتاب خود بخود چمک رہا ہے۔ چراغ کی کیا حاجت ہے ◊

حق تعالیٰ سے نااُمید نہیں ہونا چاہیئے جیسا فرمانِ الٰہی ہے وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید مت ہو بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہی لوگ نااُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔) اُمید پُر امن شاہراہ ہے۔ اگر تُو نے راہِ طریقت اختیار نہیں کیا تو فی الحال اسی شاہراہ پر نگاہ رکھ۔ اپنی خطایا پر مت نگاہ رکھ۔ تو راستی کو اختیار کر تاکہ کوئی خطیّہ باقی نہ رہ جائے۔ راستی عصائے موسوی کی مثل ہے اور خطایا مثل اسحار کے ہیں۔ جب راستی آجاتی ہے سب کو نگل جاتی ہے۔ اگر تُو نے بدی کی ہے تو اپنے ساتھ کی ہے تیری جفا اُس تک کہاں پہنچ سکتی ہے؛ بیت

مُرغکی بر آن کوہ نشست و برخاست ✱ بنگر کہ در آن کوہ چہ افزود و چہ کاست

(یعنی ایک پرندہ اُس پہاڑ پر بیٹھا اور اُڑ گیا۔ تُو غور کر کہ اُس پہاڑ میں کیا بڑھا اور کیا گھٹا؟) جب تُو راست ہو جائے گا کوئی خطیّہ باقی نہ رہ جائیگا۔ اُس کی بارگاہ سے نااُمید مت ہو ◊

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـــِٕيْنَ ۝

Marfat.com

یعنی سب بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی دُعائے مغفرت کیجئے بیشک ہم خطاوار تھے ؞

جس کسی کے دِل میں یہ خیال آئے اور یہ عتاب نازل ہو کہ افسوس یہ کام میں نے کیوں کیا اور میری کیا حالت ہے یہ دوستی اور عنایت کی دلیل ہے وَيَبْقَى الْحُبُّ مَا يَبْقَى الْعِتَابُ (یعنی جب تک عتاب باقی رہے گا محبت باقی رہے گی) کیونکہ عتاب دوستوں کو کرتے ہیں بیگانوں کو عتاب نہیں کیا جاتا ؞

اس عتاب میں بھی بڑا فرق ہے۔ جس کو عتاب سے تکلیف محسوس ہو اور اُس سے خبردار ہو تو یہ حق تعالیٰ کی محبت اور عنایت کی دلیل ہے لیکن اگر کسی پر عتاب نازل ہو اور اُس کو تکلیف نہ ہو تو یہ محبت کی دلیل نہیں ہے چنانچہ ایک غالیچہ کو لاٹھی مارتے ہیں تاکہ اُس سے گرد اُتار دیں عُقلاء اس کو عتاب نہیں کہتے لیکن اگر اپنے فرزند کو یا اپنے محبوب کو مارتے ہیں تو اس کو عتاب کہتے ہیں اور محبت کی دلیل ایسے محل پر ظاہر ہوتی ہے۔ پس تاوقتیکہ تُو اپنے آپ میں درد اور پشیمانی دیکھتا ہے یہ اللہ تعالےٰ کی دوستی اور عنایت کی دلیل ہے اور اگر اپنے بھائی میں تُو کوئی عیب دیکھتا ہے تو وُہ عیب تجھ میں ہے جو اُس میں دیکھ رہا ہے۔ عالَم مثلِ آئینہ کے ہے اور ہر کسی میں تُو اپنے ہی نقش و نگار دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ (مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے)۔ اپنے آپ سے وُہ عیب نکال دے کیونکہ وُہ جو تُو اُس سے رنجیدہ ہوتا ہے حقیقتاً اپنے آپ سے رنجیدہ ہوتا ہے ؞

ایک مست ہاتھی کو پانی پلانے کیلئے چشمہ پر لائے اُس نے اپنے آپ کو پانی میں دیکھا اور بھاگنے لگا۔ وُہ خیال کرتا تھا کہ ایک دوسرے ہاتھی سے بھاگ رہا ہوں۔ یہ نہیں جانتا کہ اپنے آپ سے بھاگ رہا ہے جب تمام اخلاقِ بد ظلم و کینہ و حسد و حرص و بے رحمی اور کبر تجھ میں پائے جائیں تجھ کو رنج نہیں ہوتا اگر ان کو دُوسروں میں دیکھے تو تجھے رنج پہنچتا ہے۔ پس جان لے کہ تُو اپنے آپ سے بھاگ رہا ہے اور اپنے آپ سے رنجیدہ ہو رہا ہے۔ آدمی کو اپنے پھوڑوں اور زخموں سے نفرت نہیں آتی۔ دستِ مجروح آش میں ڈال دیتا ہے اور اپنی اُنگلیں چاٹ لیتا ہے اور اُس سے اُس کے دِل کو ذرّہ بھر کراہت نہیں آتی لیکن اگر کسی دُوسرے کے ہاتھ پر ذرّہ بھر پھوڑا یا زخم دیکھتا ہے اُس آش کو گوارا نہیں کرتا۔ اسیطرح اخلاقِ بد مثل پھوڑوں اور زخموں کے ہیں۔ جب اپنے آپ میں ہوں اُن سے تو رنجیدہ نہیں ہوتا لیکن دُوسرے میں اگر ذرّہ بھر بھی دیکھے تو رنجیدہ ہوتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔ جیسا کہ تُو اُس سے بھاگتا ہے اگر وُہ تجھ سے بھاگے اور رنجیدہ ہو تو اُس کو بھی معذور سمجھ۔ تیرا رنج اُسکا عُذر ہے کیونکہ تیرا رنج اُس کے دیکھنے کی وجہ سے ہے اور وُہ بھی یہی دیکھتا ہے جیسا کہ وارد ہُوا ہے اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا الکافر مرآۃ الکافر (کافر کافر کا آئینہ ہوتا ہے)۔ اسوجہ سے نہیں کہ کافر کے پاس مرآۃ نہیں لیکن اسوجہ سے کہ کافر کو اپنے مرآۃ کی خبر نہیں ؞

Marfat.com

ایک بادشاہ دِل تنگ آ کر نہر کے کنارے بیٹھا تھا۔ اُمراء اُس سے ہراساں اور ترساں تھے۔ کسی طرح سے خوش نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کا ایک مسخرہ تھا جو بہت ہی مُقرّب تھا۔ اُمراء نے اُس کی مِنّت کی کہ اگر تُو کسی طرح سے بادشاہ کو ہنسا دے تو ہم تجھے اتنا مال و دولت دیں گے۔ مسخرے نے بادشاہ کا قصد کیا۔ اُس نے ہر طرح سے کوشش کی لیکن بادشاہ اُس کیطرف نظر بھی نہ اٹھاتا تھا۔ اُس نے کئی شکلیں بنائیں تاکہ بادشاہ کو ہنسائے لیکن وُہ نہر کے پانی پہ نظر جمائے ہُوئے تھا اور سر اُوپر نہیں اٹھاتا تھا۔ بالآخر مسخرہ بولا۔ بادشاہ سلامت حضور پانی میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ جواب دیا ایک دَیّوث کو دیکھ رہا ہُوں۔ مسخرے نے جواب دیا اے شاہِ عالم بندہ بھی کور نہیں ہے (بادشاہ ہنس پڑا) پس ایسے ہی ہے اگر تُو کسی میں کوئی عیب دیکھتا ہے اور رنجیدہ ہوتا ہے تو آخر وُہ بھی کور نہیں ہے وُہ بھی وہی دیکھتا ہے جو تُو دیکھتا ہے ٭

سورۂ رعد

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ

ہمیشہ رہنے کی جنّتیں جن میں وُہ لوگ بھی داخل ہونگے اور اُن کے ماں باپ اور ازواج اور اولاد میں جو لائق ہونگے وُہ

عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝

وُہ بھی داخل ہونگے اور فرشتے اُن کے پاس ہر دروازے سے آتے ہونگے ٭

اَوراد طالبان و سالکان اِسطرح ہوتے ہیں کہ چُونکہ وُہ مجاہدات اور عبادات میں مشغول رہتے ہیں اِس لئے وقت کو تقسیم کر لیتے ہیں اور ہر شغل کیلئے وقت معیّن کر دیتے ہیں تاکہ وُہ معیّن وقت بحکم عادت اُن کا پاسبان کیطرح مُوکّل بن جائے۔ مثلاً صُبح سویرے جب اُٹھے تو وُہ وقت عبادت کیلئے اولیٰ تر ہے کیونکہ اُس وقت نفس ساکن تر اور صافی تر ہوتا ہے ٭

تمام مخلوق اپنی خاص نوعِ بندگی کیساتھ اور اپنے نفس کے اندازۂ شرف کے مطابق عبادت کرتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ (اور ہم میں ہر ایک کا ایک معیّن درجہ ہے اور ہم ہر وقت صف بستہ ہیں اور ہم ہر وقت تسبیح کرنیوالے ہیں۔ سورۂ صافات۔ رع ۵)۔ مخلوقات کی صد ہزار صفوف ہیں۔ ہر چند پاک تر پیشتر اور ہر چند کمتر پستر۔ انواعِ عبادات کا ذکر دراز ہے لیکن اِس دراز سے کوئی گریز نہیں ہے۔ جس نے اِس قصّہ کو کوتاہ کیا اُس نے اپنی عمر اور جان کو کوتاہ کیا سوائے اُس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ٭

Marfat.com

اور لیکن اَوراد و اصلان تیرے فہم کے اندازہ کے مطابق بیان کئے جاتے ہیں کہ صبح سویرے ارواحِ مقدس و ملائکہ مطہر اور وُہ خلق جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور اُنکا نام میں نے غایت غیرت کی وجہ سے مخفی رکھا ہے اُن کے سلام اور زیارت کیلئے آتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا اور فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ۝ (اور آپؐ نے دیکھے لوگ داخل ہوتے اللہ کے دین میں فوج فوج۔ سورہ نصر۔ ع ۱ اور ہر دروازہ سے فرشتے اُن کے پاس آتے رہتے ہیں۔) تو اگرچہ اُن کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے لیکن تو اِن کو نہیں دیکھتا اور نہ ان کے سلام و پیام کو سُنتا ہے۔ اور اِس میں کیا تعجب ہے؟ بیمار حالتِ نزدیکِ مرگ میں ایسے خیالات دیکھتا ہے کہ جو اُس کے پہلو میں ہوتا ہے اُس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی سُنتا ہے کہ وُہ کیا کہہ رہا ہے۔ وُہ حقائق اِن خیالات سے ہزار بار زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جبتک کوئی بیمار نہ ہو اُس بیمار کی طرح اُن حقائق کو نہ کوئی دیکھتا ہے نہ سُنتا ہے۔ قبل از مرگ اِن حقائق کو کوئی نہیں پا سکتا۔ وُہ زیارت کنندہ جو انبیاء علیہم السلام کے حالات اور کمالات کو جانتا ہے اور اُن کی اِس عظمت یعنی علی الصبح ارواحِ مقدس اور ملائکہ کا اُن کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے واقف ہے بیشمار توقف کرتا ہے تاکہ اُن کے ایسے اَوراد میں مخل نہ ہو اور شیخ کیلئے باعثِ زحمت نہ ہو چنانکہ ہر صبح شاہی محل کے دروازہ پر نوکر چاکر حاضر ہوتے ہیں اور اُن کا وِرد یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کیلئے ایک خاص مقام ایک خاص خدمت اور ایک خاص شغل مقرر ہوتا ہے۔ اور کئی نوکر دُور سے بھی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ اِن سب کے کام دیکھتا ہے اور خلقت سے غائبانہ اِن میں آتا ہے لیکن وُہ شاہی نوکر دیکھتے ہیں کہ بادشاہ نے فلاں خدمت کی ہے۔ لیکن جب بادشاہ تخت آرا ہوتا ہے تو ہر خاص و عام کو بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت ہوتی ہے کیونکہ وُہ تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ و كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَّبَصَرًا (یعنی اپنے کو اوصافِ خداوندی سے متصف کرو اور میں اُس بندہ کا کان اور آنکھ بن جاتا ہوں (الحدیث شریف) کا مصداق ہوتا ہے اور یہ سخت عظیم مقام ہے۔ اِس مقام میں بندگی نہیں رہتی (یعنی وہی تمام کی بندگی نہیں رہتی اِس مقام میں خود ہی عابد ہے اور خود ہی معبود خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود) ۝

گفتن بھی مقام حیف ہے کیونکہ اِس مقام کی عظمت عینؔ و ظاؔ و میمؔ سے فہم میں نہیں آسکتی۔ اگر اُس کی عظمت سے تھوڑا سا حصہ بھی نصیب ہو جائے تو نہ عینؔ باقی رہ جاتا ہے نہ مخرجِ حرف عینؔ نہ ظاؔ باقی رہ جاتا ہے نہ مخرجِ حرف ظاؔ۔ نہ ہست رہ جاتا ہے نہ نیست۔ انوار کے عساکر شہرِ وجود کو خراب کر دیتے ہیں جیسا ارشاد باریتعالیٰ ہے إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا (بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے ویران کر ڈالتے ہیں۔ سورہ نمل۔ ع ۳) ۔ اگر ایک اُونٹ چُوہے کی بل میں پاؤں رکھ کر اُس کو چاک خانہ میں آجائے وُہ خانہ ویران ہو جائیگا۔ ویران ہو جائیگا لیکن اُس ویران میں ہزار گنج ہوں گے۔ ۝

Marfat.com

گنج باشد بر موضع ویران ٭ سگ بود سگ بجائے آبادان

(یعنی ویران موضع میں دفینے اور خزینے ہوتے ہیں اور آبادی کی جگہ کُتّے ہوتے ہیں) جب ہم نے شرح مقامِ سالکان اسقدر دراز بیان کی ہے تو شرح احوال واصلان کیا بیان کی جائے سوائے اِس چیز کے کہ اُن کی نہایت ہے اور ان کی کوئی نہایت نہیں۔ نہایتِ سالکان وصال ہے نہایتِ واصلان کیا ہوگی ہاں وُہ وصل جسکے بعد فراق ناممکن ہے کوئی پختہ انگور دوبارہ کچا گچھا نہیں بن سکتا اور کوئی میوۂ پختہ باز خام نہیں ہوسکتا۔ ؎

حرام دارم با مردمان سخن گفتن ٭ وچُوں حدیث تو آید سخن دراز کنم

(یعنی اے محبوبِ من! مَیں لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کو حرام جانتا ہُوں لیکن جب آپ کا ذکرِ خیر آ جاتا ہے تو بے اختیار سخن دراز ہو جاتا ہے) واللہ ہم دراز نہیں کرتے بلکہ کوتاہ کرتے ہیں ؎

خون می خورم و تو بادہ می پنداری ٭ جان می بری و تو وادہ می پنداری

(یعنی اے محبوبِ من! مَیں اپنا خُون پی رہا ہُوں اور آپ اس کو شراب سمجھ رہے ہیں۔ میری آپ نے جان لی ہے اور آپ اِس کو خُوب سمجھ رہے ہیں) جس کسی نے اِس قصۂ عشق کو کوتاہ کیا اُس نے راہِ راست کو الوداع کیا اور بیابان کا مُہلک راہ اختیار کیا ٭

سورۂ حجر

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ہم ہی نے اِس کتابِ نصیحت یعنی قُرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں ٭

اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے حقتعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض اُن سے خاص تر ہیں جو حقتعالیٰ کے پاس سے آتے ہیں، اور جب قرآن مجید کو اس جگہ پاتے ہیں تو جانتے ہیں کہ اُسکو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہُوا ہے کَمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ٭

مفسّران کہتے ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ قرآن مجید کے حق میں ہے یہ بھی ٹھیک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اے اِنسان! ہم نے تجھ میں ایک گوہر اور ایک طلب اور ایک شوق رکھا ہُوا ہے اُس کے ہم نگہبان ہیں اُس کو ہم ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کمال تک پہنچا دیتے ہیں کہ اگر تُو ایک بار پکارے یا اللہ تو یقین رکھ کہ کوئی بلا تجھ پر غالب نہیں آسکتی ٭

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

Marfat.com

اور کوئی شئے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں لیکن ہم اس میں سے ایک مقدارِ معین کیمطابق اتارتے رہتے ہیں ٭

حکمت مثل بارش کے ہے جو اپنے معدن میں بے پایان ہے لیکن بقدرِ مصلحت نازل کی جاتی ہے۔ بارش بہار میں زمستان میں تابستان میں اور خزان میں موسم کی ضروریات کے مطابق نازل کی جاتی ہے لیکن جس جگہ سے نازل ہوتی ہے اُس جگہ بے حد ہے۔ عطار شکر اور دوائیوں کی پڑیاں کاغذ میں باندھ دیتے ہیں لیکن شکر اور دوائیاں صرف اُسی قدر نہیں ہوتیں جو کاغذوں میں ہوتی ہیں بلکہ شکر اور دوائیوں کی کانیں ہیں جو بے حد اور بے نہایت ہیں کاغذ میں کب سماتی ہیں ٭

جب تو عطار کی خدمت میں آتا ہے اگرچہ وہاں شکر بہت ہے لیکن وہ دیکھتا ہے کہ نقدی کتنی لایا ہے اُسی کے مطابق وہ دیتا ہے۔ نقدی اسجگہ ہمت و اعتقاد ہے بقدرِ اعتقاد و ہمت کلماتِ حکمت نازل ہوتے ہیں۔ جب تو شکر کی طلب میں آتا ہے تو تیری گون کیطرف دیکھتے ہیں کہ اس میں کتنا سماتا ہے۔ اُسی کیمطابق پیمانہ سے اُس کو بھر دیتے ہیں۔ لیکن اگر تو اونٹوں کی قطاریں اور بہت سی بوریاں لائیگا تو حکم ہوگا کہ بہت سے تولنے والے لاؤ جو فوراً اس کام کو سرانجام کریں کیونکہ ایک دو پیمانہ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اِسیطرح آدمی کو چاہیئے کہ اُس کو دریا کے دریا پُر نہ کر سکیں لیکن بعض آدمیوں کی ہمت اِسقدر پست ہوتی ہے کہ وہ چند قطرات سے مخمور ہو جاتے ہیں اور اُن کو زیادتی آتشِ عشق نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور یہ صرف عالمِ معنی و علوم و حکمت میں نہیں ہے بلکہ ہر چیز میں ایسا ہی ہے یعنی مال و زر و معادن سب بے حد و بے پایاں ہیں لیکن ہر کسی کی استعداد کے مطابق نازل کیئے جاتے ہیں کیونکہ اُس سے زیادہ کی کوئی تاب نہیں رکھتا بلکہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ کیا تو مجنوں و فرہاد وغیرہ عاشقوں کے حالات نہیں دیکھتا جنہوں نے ایک عورت کے عشق میں کوہ و دشت اختیار کرلئے کیونکہ اُن کی قوت سے بڑھ کر اُن میں محبت ڈالی گئی۔ اور کیا تو فرعون کیطرف نہیں دیکھتا؟ جب مُلک و مال حد سے بڑھکر نازل کیا گیا تو دعویٔ خدائی کیا۔ اسی لئے ارشاد ہوا وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝ یعنی کوئی چیز بھلی یا بُری ایسی نہیں جسکے ہمارے ہاں بے پایاں گنج نہ ہوں لیکن ہم بقدرِ حوصلہ نازل کرتے ہیں کیونکہ مصلحت اِسی میں ہے ٭

بعض لوگ اولیاء اللہ کے معتقد تو ہیں لیکن اُن کی حقیقت کو نہیں جانتے جیسا کہ ایک بچہ روٹی کا معتقد تو ہے لیکن روٹی کی حقیقت کو نہیں جانتا یا اشیاء کے اسماء جانتا ہے لیکن اُن کی حقیقت کو نہیں جانتا یا پیاس سے اُس کا چہرہ زرد و خشک ہو جاتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ پیاس کی حقیقت کیا ہے؟ وجودِ آدمی مثل عَلَم کے ہے۔ عَلَم کو پہلے ہوا میں لہراتے ہیں اور پھر ہر طرف سے افواج کے لشکر جھنڈے کے تلے جمع کیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح پہلے حضرت انسان کا قالب تیار کیا جاتا ہے اور بعد میں اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کو عقل و فہم و خشم و غضب و

Marfat.com

حلم وکرم وخوف ورجا واموالِ بے پایاں اور صفاتِ بے حد سے مُزیّن اور منوّر فرماتے ہیں۔ اب اِس وُجودِ آدمی کے عِلم کو جو دُور سے دیکھتا ہے صرف عِلم دیکھتا ہے اور جو نزدیک سے دیکھتا ہے عِلم کے تلے صفاتِ الٰہیہ کے افواج کے عساکر دیکھتا ہے۔ یہ دُوری اور نزدیکی مسافت سے نہیں ہے یعنی جاہل اِس کو صرف خاکی قالب دیکھتا ہے اور عارف باللہ جانتا ہے کہ اِس میں کیا لعل وجواہر رکھے ہُوئے ہیں۔

سورہ نحل

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اور اللہ تعالیٰ کیلئے بلند مثالیں ہیں اور وُہ بڑے زبردست ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیلئے مثال دینی جائز ہے مثل کی نفی ہے۔ مثل اور چیز ہے اور مثال اور چیز۔ آیۂ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ الخ (سورہ نور۔ ع ۵) میں حقتعالیٰ نے مثال کیلحاظ اپنے نور کو مصباح (چراغ یعنی رُوح) کیساتھ تشبیہہ فرمائی اور وجودِ اولیاء کو زجاجہ (شیشہ یعنی قلب) کیساتھ تشبیہہ فرمائی۔ اُس کا نُور کون و مکان میں نہیں سماتا رُوح اور قلب میں کیسے سما سکتا ہے؟ مشارقِ انوارِ حق جلّ جلالہٗ دل میں کیسے سماتے ہیں لیکن جب تُو اُس ذاتِ پاک کا طالب ہو جاتا ہے اُس ذات کو دل میں پاتا ہے۔ اُس ذات کا دل میں پانا ازروئے ظرفیت نہیں ہے کہ وُہ نُور اُس جگہ مُقیّد ہے بلکہ تُو اُسکو اسطرح پاتا ہے جیسا آئینہ میں اپنا نقش پاتا ہے حالانکہ تیرا نقش آئینہ میں مُقیّد نہیں ہے لیکن جب تُو آئینہ میں نظر کرتا ہے اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔

وُہ اشیاء جو عقل میں نہیں آتیں جب مثال کیساتھ بیان کی جاتی ہیں تو معقول ہو جاتی ہیں اور جب معقول ہو جاتی ہیں تو محسوس ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ تُو کہے "ایک آدمی آنکھیں بند کرتا ہے تو عجیب چیزیں دیکھتا ہے اور صُورِ غیبی کا مشاہدہ کرتا ہے اور جب آنکھیں کھولتا ہے تو کچھ بھی نہیں دیکھتا" اِس کو کوئی شخص معقول نہیں سمجھے گا اور باور نہیں کریگا لیکن جب تُو مثال کیساتھ بیان کریگا ہر کوئی تسلیم کریگا اور اِس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو خواب میں صد ہزار چیزیں دیکھتا ہے ممکن نہیں کہ بیداری میں ایک چیز بھی دیکھے۔ اور اسی طرح جب ایک مہندس اپنے ذہن میں ایک مکان کا نقشہ تیار کرتا ہے تو اُس وقت اُس کا طول وعرض وشکل کسی شخص کے عقل میں نہیں آسکتا لیکن جب کاغذ پر اُس کا نقشہ اُتارتا ہے تو اُس کی کیفیت معقول ہو جاتی ہے اور جب اُس نقشہ کے مطابق مکان موقع پر تیار ہو جاتا ہے تو محسوس ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ جُملہ نامعقولات مثال سے معقول

Marfat.com

اور محسوس ہو جاتے ہیں۔

اور اسی طرح یہ جو بیان کرتے ہیں کہ "اُس عالم میں اعمال نامے بعضوں کے دستِ راست اور بعضوں کے دستِ چپ میں اُڑتے ہُوئے آجائیں گے اور حشر ہوگا اور میزان و حساب و کتاب ہوگا اور ملائکہ ہوں گے اور جنت و نار ہوں گے" یہ چیزیں کسی کے عقل میں نہیں آسکتیں جب تک اِن کی مثال نہ دی جائے۔ اگرچہ اُن چیزوں کی اِس عالَم میں مثال نہیں ہے لیکن مثال سے معیّن اور معقول ہو جاتی ہیں۔ اور اُس کی مثال اِس عالَم میں یہ ہے کہ رات کو جب ساری خلقت کیا امیر کیا غریب کیا شاہ کیا گدا کیا قاضی کیا درزی سو جاتی ہے تو اُن کے اندیشے اُن سے اُڑ جاتے ہیں اور کسی کا خیال باقی نہیں رہ جاتا۔ پھر صُبح کی سفیدی جب صُورِ اسرافیل کی طرح اُن میں رُوح پھونکتی ہے تو اُس کے اجسام کے ذرّات کو زندہ کر دیتی ہے اور ہر کسی کا اندیشہ (خیال) نامۂ پرّان کیطرح اُسکی طرف آتا ہے اور اِس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ اندیشۂ خیاط سُوئے خیاط اندیشۂ آہنگر سُوئے آہنگر اندیشۂ فقیہہ سُوئے فقیہہ اندیشۂ ظالم سُوئے ظالم اندیشۂ عادل سُوئے عادل آجاتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہُوا کہ ایک شخص سویا تو خیاط لیکن اُٹھا تو آہنگر کیونکہ وُہ اُسی عمل میں مشغول تھا۔ اب اُس عالَم کی مثال بھی ایسے ہی ہے کہ جس خیال اور عمل میں کوئی شخص دارِ دُنیا میں مشغول ہے اُسی خیال اور مشغولی میں دارِ آخرت میں اٹھایا جائیگا اور یہ محال نہیں ہے کیونکہ اس عالَم میں اِس کی مثال موجُود ہے۔ اب جو کوئی اِس دُنیا میں مجاہدہ و ریاضت سے صفائیٔ قلب حاصل کر لیتا ہے اُس عالَم کے جُملہ احوال کو اِسی دُنیا میں مشاہدہ کر لیتا ہے اور تمام غیوب اُس پر مکشوف ہو جاتے ہیں اور وُہ جان لیتا ہے کہ قدرتِ حق سے کوئی چیز بعید نہیں۔

کئی اہلِ قبور کے اجزاء تُو بوسیدہ دیکھتا ہے لیکن اُن کو راحت نصیب ہے اور وُہ خوش اور سرمست ہوئے ہوئے ہیں اور اُس لذّتِ مستی سے باخبر ہیں۔ آخر یہ گزاف نہیں ہے جو کہتے ہیں "خاک بر د خوش باد" (اُسکی خاک خوش ہو) پس اگر اُس کی خاک کو خوشی کی خبر نہیں تو یہ کلمہ کیسے کہتے۔ رُباعی

صد سال بقائے آں بتِ مہوش باد ؎ تیرِ غمِ اُو دلِ من ترکش باد!

بر خاکِ درش بمرد خوش خوش دلِ من ؎ یارب کہ دعا کرد کہ خاکش خوش باد

(اُس چاند سے محبُوب کا وجُود ابدالآباد تک باقی رہے اور میرا دِل اُس کے غم کے تیر کیلئے ترکش ہو۔ میرا دِل اُس کے دروازہ کی خاک پر خوشی سے فِدا ہو گیا۔ الٰہی میری دُعا ہے کہ اُس کی خاک خوش ہو) اِس کی مثال اِس عالم شہادت میں پائی جاتی ہے مثلاً دو شخص ایک بستر میں سوئے ہُوئے ہیں ایک اپنے آپ کو حوروں میں اور باغاتِ بہشت میں دیکھتا ہے اور دُوسرا اپنے آپ کو سانپوں میں اور دوزخ کے شُعلوں میں دیکھتا ہے لیکن اگر تو کھوج نکالے تو نہ اُس کا حال دیکھے گا اور نہ اس کا حال دیکھے گا۔ پس اِس میں کیا تعجب ہے کہ قبر میں بعضوں کے اجزا

Marfat.com

لذّت و راحت دشمنی میں ہوں اور بعضوں کے عذاب اور الم میں لیکن تُو نہ یہ دیکھتا ہے اور نہ وہ دیکھتا ہے۔

پس معلوم ہُوا کہ نامعقول چیزیں مثال سے معقول ہو جاتی ہیں اور مثال مثل سے نہیں ملتی۔ جیسا کہ عارف باللہ کشاد و خوشی و بسط کو بہار سے تسمیہ کرتا ہے اور قبض و غم کو خزاں سے حالانکہ از رُوئے صورت خوشی بہار سے یا غم خزاں سے کیا مطابقت رکھتے ہیں لیکن یہ مثال ہے جس کے بغیر عقل اُس حقیقت کا تصور اور ادراک نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝ (اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرا اور نہ اُجالا اور نہ سایہ اور نہ آفتاب۔ فاطر۔ ع ۳) حقتعالیٰ نے ایمان کو نُور سے نسبت دی ہے اور کُفر کو ظلمت سے یا ایمان کو ٹھنڈے سایہ سے نسبت فرمائی اور کفر کو آفتاب سوزاں سے جو مغز کو پگھلا دے حالانکہ روشنی و لُطفِ ایمان اِس عالم کے نُور سے یا ظلمت و کُفر اِس عالم کی تاریکی سے کیا مناسبت رکھتے ہیں۔

سید بُرہان الدین علیہ الرحمۃ کلام فرما رہے تھے کہ ایک بیوقوف درمیان سے بول اُٹھا "ہم کو کلام چاہیئے بے مثال" سید علیہ الرحمۃ نے فرمایا "تُو بے مثال بن کے آتا کہ بے مثال کلام سُنے۔ آخر تُو بھی اپنی مثال ہے تُو یہ نہیں ہے (جو نظر آ رہا ہے) یہ تیرا قالب تیرا سایہ ہے۔ جب ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے کہتے ہیں فلاں شخص چلا گیا اگر وہ یہی (جسم) تھا تو کہاں چلا گیا۔ پس معلوم ہُوا کہ تیرا ظاہر تیرے باطن کی مثال ہے تاکہ تیرے ظاہر سے تیرے باطن پر استدلال کر سکیں۔ ہر چیز بوجہ کثافت کے نظر آ رہی ہے جیسا کہ انسان کا سانس موسم سرما میں بوجہ کثافت کے ظاہر نظر آتا ہے اور موسم گرما میں محسوس تک نہیں ہوتا"۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

اور اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتے لیکن جسکو چاہتے ہیں بے راہ کر دیتے ہیں اور جسکو چاہتے ہیں راہ پر ڈال دیتے ہیں اور تم سے تمہارے سب اعمال کی باز پرس ہو گی۔

ایک دین تو اُس جگہ یعنی قیامت میں ہو گا لیکن یہ چیز دار دُنیا میں ممکن نہیں ہے کیونکہ اِس جگہ ہر کسی کی مختلف مُراد اور مختلف خواہش ہے۔ دین کا ایک ہونا اس جگہ ممکن ہی نہیں۔ ہاں قیامت میں سب کا دین ایک ہو جائے گا کیونکہ سب ایک ہو جائیں گے اور ایک جگہ پر نظر کریں گے اور یک گوش و یک زبان ہو جائیں گے۔

آدمی کئی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اِس میں ایک مُوش ہے ایک مُرغ ہے اور صد ہزار مختلف وحوش ہیں۔ مُرغ اِس قفس کو اُوپر کیطرف لے اُڑتا ہے اور پھر مُوش اِس کو نیچے کیطرف کھینچ لاتا ہے مگر جب اُس جگہ یعنی دار آخرت میں پہنچ جاتے ہیں تو مُوش اور مُرغ دونوں صُلح کر لیتے ہیں اور سب ایک ہو جاتے ہیں کیونکہ مطلوب حقیقی نہ بالا ہے نہ زیر۔ جب مطلوب ظاہر ہو جاتا ہے تو طالب نہ بالا جاتا ہے نہ زیر یعنی تگ و دو چھوڑ

Marfat.com

دیتا ہے۔ (مُوش سے مُراد نفس، مُرغ سے مُراد رُوح اور مختلف وحوش سے مُراد صفاتِ بہیمیہ ہیں۔) جیسا ایک شخص نے ایک چیز گُم کر دی۔ وُہ اُس کو دائیں تلاش کرتا ہے بائیں تلاش کرتا ہے آگے تلاش کرتا ہے پیچھے تلاش کرتا ہے۔ جب اُس چیز کو پا لیتا ہے نہ اوپر تلاش کرتا ہے نہ نیچے نہ دائیں نہ بائیں نہ آگے نہ پیچھے۔ یعنی قیامت کو جب ہر کوئی اُس یُوسفِ گُم کردہ کو روزِ روشن کیطرح دیکھ لیگا تو سب اُسی کیطرف متوجہ ہو کر یک نظر و یک زبان و یک گوش و یک ہوش ہو جائیں گے تو گویا سب کا دین ایک ہو جائیگا۔ مثال کے طور پر دس آدمی ایک باغ یا ایک دُکان میں شریک ہیں۔ چونکہ اُن کا مطلوب ایک ہے اُن کا سخن ایک ہوگا اُن کا غم ایک ہوگا اور اُن کی مشغولی ایک چیز سے ہو گی۔ پس اسیطرح قیامت کے دن چونکہ سب کا معاملہ حقتعالیٰ سے ہوگا سب ایک ہو جائینگے۔

اسیطرح دُنیا میں ہر کوئی کسی خاص کام میں مشغول ہے۔ کوئی محبتِ زن میں کوئی مال میں کوئی کسب میں اور کوئی علم میں اور اس پر طُرّہ یہ ہے کہ ہر کسی کا یہ اعتقاد ہے کہ میرا درمان میرا ذوق میری خوشی اور میری راحت اسی میں ہے اور یہ شغل میرے لئے رحمتِ حق ہے۔ جب دارِ آخرت میں پہنچتا ہے تو رحمتِ حق کو تلاش کرتا ہے اور نہیں پاتا۔ پھر متحیّر ہو کر واپس ہوتا ہے اور کچھ دیر انتظار کرتا ہے اور کہتا ہے "اُس ذوق و رحمت کو تلاش کرنا چاہیئے شاید میں نے اچھی طرح تلاش نہیں کیا پھر تلاش کرتا ہُوں" اور جب پھر تلاش کرتا ہے نہیں پاتا حتیٰ کہ رحمتِ حق بے حجاب ظاہر ہو جاتی ہے۔ اُس وقت وُہ جان لیتا ہے کہ دارِ دُنیا میں وُہ راہ پر نہ تھا۔ لیکن حقتعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو قیامت سے پہلے ہی تمام اسرارِ غیب کو دیکھ رہے ہیں جیسا امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشادِ پاک ہے لَوْ كُشِفَ الْغِطَآءُ مَا ازْدَدْتُّ يَقِيْنًا (جب پردہ اُٹھ جائیگا تو ہمارے یقین میں اضافہ نہ ہوگا) یعنی جب قالب اٹھائے جائینگے اور قیامت ظاہر ہو گی تو ہمارا یقین کچھ زیادہ نہ ہوگا۔ اُس کی نظیر ایسے ہے کہ ایک گروہ شبِ تاریک میں مکان میں ہر جانب مُنہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب دِن ہو جاتا ہے سارے اپنا رُخ قبلہ کی طرف بدل لیتے ہیں لیکن وُہ شخص جس کا رُخ رات ہی کو قبلہ کیطرف تھا وُہ کیا بدلے گا بلکہ سب اُسی کی طرف پھر جاتے ہیں پس وُہ بندے ایسے ہیں کہ شبِ دُنیا میں ہی رُخ حقتعالیٰ کی طرف کئے ہوئے ہیں اور غیر سے مُنہ پھیرے ہُوئے ہیں اسلئے اُن کیلئے قیامت حاضر ہے۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں سخن تو بے پایاں ہے لیکن طالب کی استعداد کے مطابق کلام نازل ہوتا ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (اور کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں لیکن ہم اس میں سے ایک مقدارِ مُعیّن کے مطابق اُتارتے رہتے ہیں۔ سورہ حجر۔ رع ۲)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ج وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وُہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُس شخص کو (دُنیا میں ہی)

أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

حیاتِ ابدی عطا کر دیں گے اور (آخرت میں) اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں اُن کا اجر دیں گے ۔

امیر پروانہ نے ہم سے سوال کیا کہ اس چیز عمل ہے یا قول ؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم عالم میں ایسا شخص تلاش کرتے ہیں جو طالبِ عمل ہو لیکن جب مشتریِ عمل نہیں پاتے اور مشتریِ کلام پاتے ہیں تو ہم بھی کلام میں مشغول ہیں۔ ہر انسان عمل کو عمل سے علم کو علم سے صورت کو صورت سے اور حقیقت کو حقیقت سے پا سکتا ہے ۔

عمل سے مُراد نماز و روزہ نہیں ہے۔ نماز روزہ صُورتِ عمل ہے نہ کہ عمل ۔ عمل انسان کے باطن میں ایک جوہر ہے ۔ آخر سیدنا حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دَور سے جنابِ ختمِ رُسُل حضور نبی کریم نورِ قدیم احمدؐ بلامیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دَور تک نماز و روزہ اِس صُورت پر نہ تھا لیکن عمل بدستور تھا (یعنی شریعتیں بدلتی چلی آئی ہیں لیکن علمِ حقیقت یعنی صدق اِخلاص محبّت توحید توکل یہ کسی زمانہ میں نہیں بدلا) پس نماز و روزہ صُورتِ عمل ہے اور عمل انسان میں ایک باطنی جوہر اور باطنی کمال ہے جیسا کہ کہتے ہیں "فلاں دارو یعنی دوا نے عمل کیا" حالانکہ عمل کی اِس جگہ کوئی ظاہری صورت نہیں بلکہ اُس دوا کے باطنی جوہر کا نام عمل ہے ۔ اسیطرح کہا جاتا ہے "فلاں شہر میں فلاں شخص عامل ہے" اب ظاہر میں اُس کی کوئی چیز نظر نہیں آتی ۔ ہاں وُہ کام جو اُس کے متعلق ہیں اُن کے واسطہ سے اُس کو عامل کہتے ہیں ۔ پس اِس عمل سے مُراد وُہ عمل نہیں جو لوگ تصوّر کرتے ہیں ۔ وُہ خیال کرتے ہیں کہ عمل سے مُراد یہ ظاہری عمل ہے ۔ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ اگر ایک منافق یہ ظاہری عمل بجالائے تو کیا وُہ عمل اُس کو کچھ فائدہ دیگا ؟ ہرگز نہیں کیونکہ اُس میں صدق اور ایمان کی خوشبو نہیں ۔

تمام چیزوں کی اصل گفت ہے اور قول ہے ۔ لوگ گفت و قول سے خبر نہیں رکھتے اور اُس کو خوار دیکھتے ہیں حالانکہ گفت درختِ علم کا میوہ ہے جو عمل سے پیدا ہوتا ہے ۔ حقتعالیٰ نے عالم کو قول ہی سے پیدا کیا فرمایا كُنْ فَيَكُونُ (ہو جا پس ہو گیا) اور ایمان دل میں ہے لیکن اگر قول سے یعنی زبان سے اقرار نہ کرے تو بے سُود ہے ۔ اِسیطرح نماز کہ فعل ہے اگر اِس میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے تو درست نہیں ۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ قول معتبر نہیں تو یہ بات بھی قول ہی سے کہتا ہے ۔

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ جب ہم نیکی اور عمل صالح کریں تو اگر ہم خداوند تعالیٰ سے اُمیدوار رہیں اور جزا کی توقع رکھیں تو اِس میں کوئی حرج ہے ؟

میں نے جواب دیا اللہ کی قسم اُمید رکھنی چاہیئے کیونکہ ایمان یہی خوف و رجا ہے ۔ اُس نے دریافت کیا ۔

Marfat.com

رجا خود ٹھیک ہے لیکن یہ خوف کیا ہے؟ میں نے جواب دیا تو مجھے خوف بے رجا دکھا یا رجا بے خوف دکھا، جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتے تو پھر تُو کیسے سوال کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص گندم کاشت کرتا ہے وہ امید رکھتا ہے کہ گندم ضرور اُگے گی لیکن اس کیساتھ خائف بھی ہے کہ شاید کوئی مانع یا آفت پیش آئے اور گندم نہ اُگے۔ پس معلوم ہُوا کہ رجا بے خوف نہیں ہے بلکہ خوف بے رجا یا رجا بے خوف کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پس انسان اگر امید وار رہے اور جزا اور احسان کی توقع رکھے تو وہ کارِ خیر اور اعمال صالح کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ توقع اُس کیلئے بمنزلہ پَر ہے۔ جسقدر اُس کے پَر زیادہ قوی ہوں گے اُسی قدر اُس کا پرواز زیادہ ہوگا۔ اور اگر نا امید ہوگا کاہل اور سُست ہو جائیگا اور اُس سے کوئی کارِ خیر اور خدمت نہ ہو سکے گی۔ جیسا کہ ایک مریض کڑوی دوا پی لیتا ہے اور دس شیریں لذتیں ترک کر دیتا ہے اگر اُس کو صحت کی اُمید نہ ہو تو یہ وہ کیسے کر سکتا ہے؟

اَلْاِنْسَانُ حَیْوَانٌ نَاطِقٌ آدمی حیوانیت اور نطق سے مرکب ہے۔ جیسا کہ حیوانیت اُس میں دائمی ہے اور جزو لاینفک ہے اسیطرح نطق بھی دائمی ہے۔ اگر ظاہر میں کلام نہ کرے تو باطن میں کلام جاری رہتا ہے یعنی انسان دائمی ناطق ہے اور اس کی مثال سیلاب کی سی ہے جس میں کیچڑ ملا ہُوا ہو۔ اُس کا نطق آبِ صافی ہے اور کیچڑ اُسکی حیوانیت ہے۔ لیکن کیچڑ اس میں عارضی ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ آدمیوں کے وہ خاکی اجساد اور قالب سب گل سڑ جاتے ہیں اور اُن کا نطق و حکایت و علم اور یا د اچھی یا بُری باقی رہ جاتی ہے۔

صاحبدل کُل ہے۔ جب تُو نے اُس کو دیکھ لیا سبکو دیکھ لیا کیونکہ اَلصَّیْدُ کُلُّہٗ فِیْ جَوْفِ الْفَرَا (یعنی ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں)۔ جملہ خلائق اُس کے اجزاء ہیں اور وہ کُل ہے۔ ؎

جزو درویشند جملہ نیک و بد ❊ ورنباشد اینچنیں درویش نیست

(جملہ نیک و بد درویش کے اجزاء ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں تو درویش ہی نہیں ہے)۔ اب جب کہ تُو نے اُس کو دیکھ لیا جو کُل ہے تو بلاشبہ تُو نے سارے عالم کو دیکھ لیا اور اُس کے بعد جس کسی کو دیکھے گا دوبارہ دیکھے گا۔ اور اسی طرح اُس کا قول بھی قولِ کُل ہے۔ اُس کے قول کے بعد جو قول سُنے گا مکرر ہوگا۔ ؎

فَمَنْ یَرَاہُ فِیْ مَنْزِلٍ فَکَاَنَّمَا ❊ رَأَیٰ کُلَّ اِنْسَانٍ وَّ کُلَّ مَکَانٍ

پس وہ شخص جو اُسے منزل میں دیکھے گا گویا وہ ہر انسان اور ہر مکان کو دیکھ لے گا۔ یعنی حضرت انسانِ کامل تمام عوالم کا مجموعہ ہے۔ رُباعی

اَے نسخۂ نامۂ الٰہی کہ تُوئی! ❊ وی آئینۂ جمالِ شاہی کہ تُوئی

بیروں ز تو نیست ہر چہ در عالم ہست ❊ در خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ تُوئی

Marfat.com

یعنی اے حضرتِ انسان! نامۂ الٰہی کا نسخہ تو ہی ہے اور شہنشاہِ حقیقی کے جمال کا آئینہ تو ہی ہے یعنی تو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا مظہرِ اتم ہے۔ تیری ذات سے باہر کوئی چیز نہیں ہے اِسلئے جس چیز کو تو چاہتا ہے اپنی ذات میں طلب کر۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنے پروردگار کی راہ کیطرف (لوگوں کو) حکمت اور عمدہ نصیحت کیساتھ بلایئے

اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

اور اُن سے اُس طریقے سے بحث کیجئے جو اچھا ہو تحقیق آپ کا ربّ خوب جانتا ہے اُس شخص کو بھی جو اُس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

اطبّا کا قول ہے کہ جو چیز انسان کے مزاج کو اچھی لگے اور اُس کی طلب ہو وہ اُس کو قوت دیتی ہے اور اُس کے خون کو صاف کرتی ہے بشرطیکہ اُس چیز کا اچھا لگنا بغیر کسی بیماری کے ہو۔ مثلاً اگر ایک مٹی کھانے والے شخص کو مٹی اچھی لگے تو ہم مٹی کو مصلحِ مزاج نہیں کہیں گے اگرچہ اُس کو اچھی لگتی ہے۔ اِسی طرح صفرائی مزاج والے کو ترشی اچھی لگتی ہے اور شکر اچھی نہیں لگتی۔ اِس اچھا لگنے کا اعتبار نہیں کیونکہ اس کی بنا علت پر ہے۔ اچھی چیز وہ ہے جو بیماری سے پہلے اچھی لگی۔ مثلاً ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے یا توڑ دیا گیا ہے اور وہ لٹک رہا ہے۔ جرّاح اُسکو راست کرتا ہے اور اصلی جگہ پہ بٹھاتا ہے لیکن اُس کو یہ چیز اچھی نہیں لگتی کیونکہ اُسکو درد ہوتا ہے۔ جرّاح کہتا ہے بھائی جسوقت تیرا ہاتھ درست تھا اُس وقت اُس حالت میں تجھے خوشی تھی اور اُس سے تو آرام میں تھا لیکن جب ٹیڑھا ہو گیا اور اب سیدھا کرنے پر تجھے الم اور رنج پہنچتا ہے تو تو اِس ٹیڑھے پہ ہی خوش ہے۔ اب جو تو اِس ٹیڑھے پہ ہی خوش ہے تو تیری خوشی دروغ ہے اِس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اِسی طرح عالمِ قدس میں ارواح کی خوشی اور غذا ملائکہ کی طرح ذکرِ حق اور استغراق در حق تھی لیکن جب بواسطۂ اجسام معلول ہو گئے اور مٹی کھانا اُن کو اچھا لگا تو نبی اور ولی جو کہ طبیب ہے کہتا ہے بھائی تیری یہ خوشی دروغ ہے تیری غذا کوئی اور چیز ہے تو نے اُسے بھلا دیا ہے تیرے اصلی صحیح مزاج کی خوشی اُسی میں ہے جس پر تو پہلے خوش تھا۔ موجودہ غذا کا اچھا لگنا بوجہ بیماری کے ہے اور تو سمجھ رہا ہے کہ تیری خوشی اور صحت اِسی میں ہے۔ ایک عارف ایک نحوی کے پاس بیٹھا تھا۔ نحوی نے کہا سخن ان تینوں سے باہر نہیں ہے یا اسم ہے یا فعل ہے یا حرف ہے۔ عارف نے کپڑے پھاڑ دیئے کہ ہائے افسوس میری بیس سالہ عمر و کوشش و جستجو سب ضائع گئی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک علم (علم باطن) ان تین (علم صرف نحو) سے باہر ہے اور میں نے اُس کیلئے مجاہدہ

Marfat.com

کیا لیکن تُو نے میری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اگرچہ وُہ عارف اُس علم سے واقف اور منزلِ مقصود پر پہنچا ہُوا تھا لیکن نحوی کو اِس طریق سے تنبیہہ فرمائی (تنبیہہ عارفانہ)۔

اَخبار میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسن پاک و حضرت امام حسین پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایّامِ طفولیت میں ایک شخص کو دیکھا جو وضو غلط اور غیر شرعی طریقہ پر کر رہا تھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ اِس کو احسن طریقہ سے وضو کی تعلیم دینی چاہیئے۔ چنانچہ دونوں شاہزادے انوارِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم جگر گوشۂ بتول صلوٰۃ اللہ علیہا اُس کے پاس تشریف لے گئے اور سیّد الکونین حضرت امام حسین پاک علیہ السلام اُس کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ بابا یہ مجھ کو فرماتے ہیں کہ میرا وضو کرنے کا طریقہ غلط ہے۔ ہم دونوں بھائی آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں آپ انصاف فرمادیں کہ ہم میں سے کون وضو ٹھیک اور مشروع طریقہ پر کرتا ہے؟ دونوں شاہزادوں نے اُس کے سامنے وضو کیا۔ وہ شخص بولا۔ اے فرزندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا وضو بالکل ٹھیک اور شرعی طریقہ کے مطابق ہے۔ مَیں سمجھ گیا ہُوں کہ مَیں مسکین کے وضو کرنے کا طریقہ بالکل غلط اور غیر شرعی تھا (نصیحت بطریقِ احسن)۔

سُورہ بنی اسرائیل

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ

اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اُس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم ماں باپ کیساتھ حُسنِ سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے

كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

پاس اُن میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں تو اُن کو کبھی ہُوں بھی مت کہنا اور نہ اُنکو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ مبارک میں ایک شخص بہت ہی بوڑھا ہو گیا اِس حدتک کہ اُس کی لڑکی اُس کو اپنا دُودھ چُوساتی اور بچّوں کی طرح اُس کی پرورش کرتی تھی۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس لڑکی کو فرمایا۔ اے بیٹی! اِس زمانہ میں باپ کا حق ادا کرنے میں تیرے جیسا کوئی فرزند نہیں ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں لیکن میری خدمت اور باپ کی خدمت میں بڑا فرق ہے اگرچہ مَیں خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی لیکن جب باپ میری پرورش کرتا تھا میرے لئے کانپتا تھا کہ مبادا مجھ پر کوئی تکلیف آجائے اور مَیں باپ کی خدمت تو کرتی ہُوں لیکن شب و روز خداوند تعالیٰ سے اُس کی موت کے لئے دُعا کرتی ہُوں تاکہ اُس کی زحمت مجھ سے منقطع ہو جائے۔ مَیں اگرچہ باپ کی خدمت کرتی ہُوں لیکن وہ اُس کا کانپنا میرے لئے کہاں سے لاؤں؟ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: هٰذِهٖ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ (یہ عورت

عمرؓ سے بڑھ کر فقیہہ ہے) یعنی مَیں نے ظاہر پر حکم دیا اور تو نے اُس کا مغز بیان کر دیا اور فقیہہ وُہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے مغز اور حقیقت سے واقف ہو۔ کاش عمرؓ حقیقت اور راز سے واقف ہوتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقت اور راز سے واقف تھے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت ایسی تھی کہ اپنے آپ کو ہیچ جانتے تھے اور دُوسروں کی مدح کرتے تھے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ

ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے اُن میں ہیں اُس کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہیں کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

ایک فقیہہ نے سلطان المحبوبین حضرت مولانا شمس الدین تبریزی علیہ الرحمت کے سامنے کہا کہ مَیں نے خداوند تعالیٰ کی ہستی کو دلیل قاطع سے ثابت کر دیا ہے۔ صبح کو مولانا شمس الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ کل ملائکہ آئے تھے اور اُس مرد کیلئے دُعا کرتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ ہمارے خُدا کو اُس نے ثابت کیا۔ خداوند تعالیٰ اُس کی عمر دراز کرے عالمیان کے حق میں اُس نے کوتاہی نہیں کی۔ اے مردوے! خداوند تعالیٰ ثابت ہے اُس کیلئے کونسی دلیل کی ضرورت ہے۔ اگر تُو ہمت رکھتا ہے تو اپنے آپ کو کسی مرتبہ و مقام پر اُس کے سامنے ثابت کر ورنہ وُہ تیری دلیل کے بغیر ہی ثابت ہے کَمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ۔

اِس میں شک نہیں کہ یہ فقیہہ زیرک ہیں اور اپنے فن میں ماہر ہیں لیکن حقتعالیٰ نے جائز و ناجائز کے نظام کے لیئے اُن میں اور اُس عالم میں دیوار کھینچ دی ہُوئی ہے۔ اگر وُہ دیوار اُن کا حجاب نہ ہو تو وُہ بھی اُس عالم میں محو ہو جائیں اور کوئی اُن کو نہ بلائے اور وُہ اپنے فرائض کو ادا نہ کر سکیں۔ وُہ عالم مثل دریا کے ہے اور یہ عالم مثل جھاگ کے۔ خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ یہ جھاگ یعنی دارِ دُنیا بھی آباد رہے تو ایک قوم کی پُشت دریا یعنی عالم باطن کیطرف کر دی اور رُخ جھاگ (دارِ دُنیا) کیطرف کر دیا۔ اگر وُہ اِس میں مشغول نہ ہوں تو خلق ایک دُوسرے کو فنا کر دے اور یہ جہان خراب ہو جائے یعنی فقیہہ لوگ لوگوں کو حرام حلال کی تعلیم دیتے ہیں اور اِس عالم کا نظام اُن سے قائم ہے۔

یہ دارِ دُنیا ایک خیمہ ہے جو بادشاہ کیلئے نصب کیا گیا ہے (بادشاہ سے مُراد اولیاء اللہ ہے۔ الاولیاءُ عرائس اللہ فی الارض یعنی اولیاءؒ زمین میں اللہ تعالیٰ کی دُولہنیں ہیں) اِس خانہ اور خیمہ کی تعمیر کیلئے ایک قوم کو حقتعالیٰ نے مشغول کیا ہُوا ہے۔ ایک کہتا ہے اگر مَیں میخیں نہ بناؤں تو رسّہ کس سے باندھیں؟ دُوسرا کہتا ہے اگر مَیں رسّہ نہ بناؤں تو خیمہ کیسے کھڑا ہو؟ اگرچہ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ سب لوگ اُس بادشاہ کے غلام ہیں جو خیمہ میں بیٹھے گا اور

Marfat.com

اپنے معشوق حقیقی کیساتھ تفرج کریگا لیکن اگر ایک جولاہہ وزارت کی طلب میں اپنا کسب ترک کر دے تو سارا عالم برہنہ اور ننگا ہو جائے۔ پس اُس کو حقتعالیٰ نے اُس کسب میں ایسا ذوق بخشا ہُوا ہے کہ وُہ اس پر نہایت خوش ہے۔ لہٰذا اِس قوم کو اِس عالمِ کَفک کے نظام کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور عالم کو اُس ولی کے نظام کیلئے۔ مبارک ہے وُہ شخص جس کے نظام کیلئے عالم پیدا کیا گیا ہے نہ اُس کو نظامِ عالم کیلئے۔ الغرض ہر کسی کو اُس کے کسب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی لذت و خوشی بخشی ہُوئی ہے کہ اگر اُس کو صد ہزار سال کی عُمر دی جائے تو وُہ وُہی کسب کرتا رہتا ہے اور ہر دم اُسکا عشق اُس کام میں بڑھتا رہتا ہے اور اُسکو اُس پیشہ میں نئے نئے ذائق نصیب ہوتے ہیں اور اُس سے وہ لذتیں حاصل کرتا ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ (کوئی چیز نہیں جو اُس کی تعریف کیساتھ تسبیح نہیں کرتی ہے)۔ طناب گر کی تسبیح اَور ہے اور میخ ساز کی تسبیح اَور۔ عمود ساز کی تسبیح اَور ہے اور جامہ باف کی تسبیح اَور۔ اَور اَولیاء جو کہ خیمہ میں بیٹھے ہُوئے ہیں اور عشرت کر رہے ہیں اُن کی تسبیح اَور۔

کافر اور مومن ہر دو تسبیح خوان ہیں کیونکہ حقتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کوئی راہِ راست پر چلے یعنی انبیاء اور اَولیاء علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر چلے اُس کو سرور و حضور و نُور اور حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اور جو اُن کے مخالف چلے اُس کو تاریکی و خوف و عذاب اور مصائب پیش آتی ہیں اور دونوں چُونکہ حقتعالیٰ کے فرمان کو تسلیم کر کے اپنا اپنا رستہ اختیار کر لیتے ہیں اِسلئے جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہُوا ہے لَا یَزِیۡدُ وَلَا یَنۡقُصُ (وُہ نہ زیادہ کرتا ہے اور نہ کم) ٹھیک ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے پس دونوں ہی حقتعالیٰ کی تسبیح کرنیوالے ہیں۔ لیکن وُہ اَور زبان سے اور یہ اَور بیان سے۔ ہر دو تسبیح خوانوں میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک چور نے چوری کی اور بادشاہ نے اُس کو سُولی پر چڑھا دیا۔ وُہ بھی مسلمانوں کیلئے ایک واعظ کا کام دیتا ہے کہ جو کوئی چوری کرے اُس کا یہ حال ہوتا ہے۔ اور ایک شخص کو بادشاہ نے امانت اور صیانت کے عوض میں خلعت عطا فرمایا۔ وُہ بھی مُسلمانوں کیلئے واعظ ہی۔ لیکن اُس زبان پر خائن اور اِس زبان پر امین۔ دونوں واعظوں میں فرق کا خیال رکھنا چاہیئے۔

دِل خوش مثل دام کے ہے۔ چاہیئے کہ دام درست ہو تاکہ شکار کر سکے۔ اگر دِل ناخوش ہو تو دام پھٹا ہُوا ہے اور بیکار ہے۔ پس چاہیئے کہ کسی کیساتھ دوستی یا دُشمنی افراط سے نہ ہو کیونکہ اِن ہر دو سے دام پھٹ جاتا ہے دوستی میانہ ہونی چاہیئے اور یہ قول کہ دوستی افراط سے نہ ہو ماسوا حق کے متعلق ہے۔ حقتعالیٰ کے بارے میں کوئی افراط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس قدر محبّت زیادہ ہو اُسی قدر بہتر ہے۔ لیکن خلقت میں سے اگر کِسی کیساتھ دوستی افراط سے ہو تو اِنسان ہمیشہ اُسکے لئے صعود اور بزرگی چاہتا ہے۔ خلق گردشِ فلک کے مسخر ہیں اور چُونکہ یہ چرخِ فلک دائر ہے لہٰذا احوالِ خلق بھی دائر۔ پس کسی کیلئے ہمیشہ صعود اور عزت چاہنا دُشوار ہے اور اِس لئے دِل مشوش ہو جاتا ہے۔ اِسیطرح اگر کسی کیساتھ دُشمنی افراط سے ہو تو اِنسان ہمیشہ اُس کیلئے بدبختی اور نکبت چاہتا

Marfat.com

ہے لیکن چرخ فلک دائر ہے گاہے مسعود اور گاہے منحوس اور یہ کہ ہمیشہ وُہ شخص نحوست کا شکار رہے یہ بھی میسر نہیں ہو سکتا لہٰذا دل کو تشویش ہوتی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کیساتھ محبت تمام عوالم اور خلائق کیا آتش پرست کیا یہود کیا عیسائی بلکہ جملہ موجودات میں پوشیدہ ہے۔ بھلا اپنے مُوجد کو کون دوست نہیں رکھتا۔ محبت اُس میں کامن ہے کیونکہ موانع اُس پر حجاب ہیں۔ جب موانع اُٹھ جاتے ہیں تو اُس وقت وُہ محبت ظاہر ہو جاتی ہے۔ موجودات تو درکنار عدمہا بھی جوش میں ہیں کہ اُن کو وجود کا لباس پہنایا جائے۔ جسطرح چار اشخاص ایک منصب کی طلب میں بادشاہ کے سامنے صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک منتظر ہوتا ہے کہ بادشاہ منصب اُس کے سپُرد کر دے اور وُہ ایک دُوسرے سے شرمندہ ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک کی توقع دُوسرے کے منافی ہوتی ہے اسیطرح عدمہا بھی ایجاد کی توقع میں حقتعالیٰ کے سامنے صف زدہ ہیں اور اُن میں سے ہر ایک اپنی ایجاد کیلئے سبقت چاہتا ہے اور اسی لئے ایک دُوسرے سے شرمندہ ہیں۔ اب جب عدمہا کی یہ کیفیت ہے تو موجودات کا کیا کہنا۔ (عدمہا سے مُراد اعیانِ ثابتہ یا صُورِ علمیہ یعنی حقائق ممکنات ہے) وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ عجب نہیں ہے۔ عجب یہ ہے کہ وَاِنْ مِّنْ لَا شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ یعنی موجودات تو اُس کی تسبیح پکار ہی رہے ہیں لیکن کمال یہ ہے کہ لَا شَیْءٍ یعنی عدمہا بھی اُس کی تسبیح پکار رہے ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ

اور البتہ تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ہم نے اُن کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں اُنکو عطا فرمائیں

مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور ہم نے اُن کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

آدمی حقتعالیٰ کا اُصطرلاب ہے لیکن کوئی منجّم چاہیئے جو اُصطرلاب کو جانتا ہو۔ سبزی فروش یا بقّال کے پاس اگر چہ اُصطرلاب ہو لیکن وُہ اُس سے کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور اُس اُصطرلاب سے وُہ احوالِ افلاک اور اُن کی گردش اور بُروج اور تاثیرات اور انقلابات کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ پس اُصطرلاب صرف منجّم کیلئے سُودمند ہے کیونکہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (الحدیث شریف) یعنی جس نے اپنی ذات (حقیقت) کو پہچان لیا پس تحقیق اُس نے خداوند تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جسطرح یہ اُصطرلاب احوالِ افلاک کیلئے آئینہ تامہ ہے اسی طرح حضرت انسان کا وجود حق تعالیٰ کیلئے اُصطرلاب ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ جب حقتعالیٰ اُس کو اپنے ساتھ عالم و دانا اور آشنا کر دیتا ہے تو وُہ اپنے وجُود کے اُصطرلاب میں اللہ تعالیٰ کی تجلی اور اُس بے چون کے جمال کو دمبدم اور لمحہ بلمحہ مشاہدہ کرتا ہے اور اُس کا جمال ایک لحظہ بھر کیلئے بھی اِس آئینہ سے جُدا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

حق جلّ جلالہٗ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وُہ اپنے آپ کو حکمت و معرفت اور کرامات میں چھپاتے ہیں اگرچہ خلقت کو وُہ نظر نصیب نہیں کہ اُن کو پہچان سکیں لیکن وُہ اپنے آپ کو غایت غیرت کی وجہ سے چھپاتے ہیں یعنی وُہ غیرت کرتے ہیں کہ سوائے حقتعالیٰ کے اُن کو کوئی اَور بھی پہچانے چنانچہ متنبیؔ کہتا ہے ؎

لَبِسْنَ الْوَشْیَ لَا مُتَجَمِّلَاتٍ ✧ وَلٰکِنْ کَمَا یَصُنَّ بِهِ الْجَمَالَا

اِن مخدّرات نے آرائشِ جمال کیلئے زیور نہیں پہنا بلکہ وُہ حفاظتِ جمال کیلئے اِستعمال کیا ہے۔

آدمی ایک عظیم چیز ہے اور اُس میں ہر چیز مکتوب ہے لیکن حُجب و ظلمات کے باعث اِن علوم کو اپنی ذات میں نہیں پاتا۔ حُجب و ظلمات یہ گونا گون مصروفیتیں دُنیا کی گونا گون تدبیریں اور گونا گون آرزوئیں ہیں۔ اگرچہ ظلمات میں ہے اور پردوں میں محجوب ہے تاہم کئی علوم سے واقف ہے۔ بھلا غور فرمائیے کہ جب یہ ظلمات اور حُجب اُٹھ جاتے ہونگے تو پھر کیا کیا علوم اس کے دل میں موجزن ہوتے ہونگے آخر یہ حرفتیں مثلاً خیاطی و معماری و نجاری و زراعت و زرگری و علم نجوم و علم طب اور انواع فنون اِلٰی مَا لَا یُعَدُّ وَلَا یُحْصٰی (جو عدد اور شمار سے باہر ہیں) آدمی کے دل ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ سنگ و کلوخ سے پیدا نہیں ہوئے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ آدمی کو مُردہ قبر میں دفن کرنے کی تعلیم کوّے نے دی وُہ بھی آدمی ہی کا عکس تھا جو کوّے کے دِل پر پڑا۔ آدمی ہی کا تقاضا تھا جس کا جواب کوّے کے دِل پر القا کیا گیا۔ آخر حیوان آدمی ہی کا جُزو ہے۔ جُز کُل کو کیسے تعلیم دے سکتا ہے؟ جیسا کہ آدمی چاہتا ہے کہ بائیں ہاتھ سے لکھے۔ قلم ہاتھ میں پکڑتا ہے۔ اگرچہ دِل قوی ہے لیکن ہاتھ لکھنے میں کانپتا ہے کیونکہ ہاتھ دِل کے امر سے لکھتا ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا

اور اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ فرما دیجئے کہ حق یعنی اِسلام آیا اور باطل یعنی کُفر مٹ گیا بیشک باطل مٹنے والا تھا۔

کوتوال ہمیشہ چوروں کی تلاش میں رہتا ہے اور چور اُس سے بھاگتے ہیں لیکن یہ طُرفہ ہے کہ ایک چور کوتوال کو تلاش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوتوال اُس کو پکڑے اور خوب قابو میں لائے یعنی ایک بندۂ گنہگار طالب حق ہو کر شیخ کامل کو تلاش کرتا ہے کہ شیخ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سایۂ عاطفت میں اُس کی پرورش کرے۔

حقتعالےٰ نے حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا۔ کیا چاہتا ہے؟ عرض کیا: مَیں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ اب آدمی اِن دو حالتوں کے سوا نہیں ہے۔ یا چاہتا ہے یا نہیں چاہتا۔ یہ حالت کہ کچھ نہ مانگے آدمی کی صفت نہیں ہے یہ اُس شخص کی حالت ہے جو اپنے آپ سے خالی ہو گیا ہو اور کُلّی طور پر فنا ہو گیا ہو کیونکہ اگر وُہ باقی ہوتا تو آدمیت اُس میں باقی ہوتی اور چاہنا نہ چاہنا آدمیت کا لازمی جُزو ہے۔ پس حقتعالیٰ بھی یہی چاہتے تھے کہ اُن کو کامل اور شیخ مکمل بنا دیں تاکہ اُن کو ایسی حالت نصیب ہو جائے جس میں دو یا نگی اور ہجر نہ سمائے بلکہ وصل

Marfat.com

گُلّی کی بہار ہو کیونکہ تمام رنج اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب تُو کوئی چیز طلب کرے اور وُہ میسّر نہ ہو لیکن جب کوئی طلب باقی نہ رہی تو رنج خود بخود ختم۔ اَولیاء اللہ کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض مجاہدہ اور ریاضت سے اِس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ جو دل سے چاہتے ہیں کر دکھلاتے ہیں۔ یہ بشری مقدور ہے لیکن وُہ مقام کہ دِل میں کسی قسم کی طلب پیدا ہی نہ ہو بشری مقدور نہیں ہے۔ اِس مقام پر سوائے جذبۂ حق کے کوئی چیز نہیں پہنچا سکتی کما قولہٗ تعالیٰ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔

حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اِذْ نَخْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَکَ اَطْفَأَ نَارِیْ (اے مومن! تُو دُور ہو جا کہ تیرا نُور میری آگ کو بُجھائے دیتا ہے)۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کا نُور دوزخ کی آگ کو بُجھا دیتا ہے اور حقیقت میں اِس سے یہ مُراد ہے کہ مومن چُونکہ نورِ حق سے منوّر ہوتا ہے اسلئے جدھر توجہ کرتا ہے باطل یعنی کُفر کی نار کو بُجھا دیتا ہے۔

جب مومن کا ایمان کامل ہو جاتا ہے اُس کا ہر فعل منشاءِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے بلکہ اُس کا ہر فعل فعلِ الٰہی ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم نورِ قدیم احمدِ بلا میم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ کیوں نہیں ہوتی مگر اسکو وحی کہا نہیں جاتا۔ حقیقت وہی ہوتی ہے۔ یہ جو حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے: اَلْمُؤْمِنُ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہِ (مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے)۔ چُونکہ مومن نورِ خُدا سے دیکھتا ہے اسلئے ہر چیز کیا اوّل کیا آخر کیا غائب کیا حاضر سب کو دیکھتا ہے۔ نورِ خدا سے کونسی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے اور اگر اس سے کوئی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے تو وہ نُورِ خدا ہی نہیں۔ پس یہ حقیقت بمنزلہ 'وحی' کے ہے اگرچہ اُس کو وحی نہیں کہتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہُوئے تو منبر پر تشریف لیگئے۔ خلق منتظر تھی کہ کیا فرماتے ہیں۔ آپؓ خاموش کھڑے رہے اور کوئی کلام نہ فرمایا لیکن خلق میں نظر پھیرتے رہے حتیٰ کہ اُن پر وجد کی ایسی حالت طاری کی کہ وُہ بیخود ہو گئے اور اُن کو باہر جانے کی پرواہ نہ رہی بلکہ ایک دُوسرے کی خبر نہ تھی کہ کون کوئی کس جگہ بیٹھا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صد ذکر و وعظ اور خطبہ سے اُن کو ایسی اچھی حالت نصیب نہ ہوئی تھی۔ بیشمار فوائد اور کشفیں اُن کو حاصل ہوئیں اور ایسے اسرار معلوم ہُوئے جو کئی اعمال اور مواعظ سے نصیب نہ ہُوئے تھے۔ مجلس کے آخر وقت تک آپؓ اِسی طرح نظر فرماتے رہے اور مطلق کوئی کلام نہ فرمایا۔ جب منبر سے نیچے اُترنے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا اِنَّ لَکُمْ اِمَامٌ فَعَّالٌ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ مِنْ اِمَامٍ قَوَّالٍ (بیشک تمہارے لئے فعل کرنیوالا امام کلام کرنیوالے امام سے افضل اور احسن ہے) آپؓ نے سچ فرمایا کیونکہ اس قول کی مُراد کو وُہ لوگ پہنچ چکے تھے یعنی اخلاق میں جو تبدیلی بغیر کلام سُننے کے اُن کو نصیب ہُوئی وُہ کسی کلام سے اُن کو حاصل نہ ہُوئی تھی۔ پس آپؓ نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا تھا۔ آمدم برسرِ مطلب کہ آپ نے اپنے آپ کو "فَعَّال" کہا حالانکہ آپ نے بظاہر کوئی ایسا فعل نہ کیا جو نظر آ سکتا۔ آپؓ نے نہ نماز پڑھی نہ حج وصدقہ ادا کیا نہ کوئی ذکر اور نہ کوئی خطبہ پڑھا۔ پس ہم نے جان لیا کہ

Marfat.com

عمل و فعل صرف یہ صورت نہیں ہے بلکہ یہ سب صورتیں اُس عمل کی صورتیں ہیں اور وُہ عمل اِن سب کی جان ہے ؂

چنانچہ حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں۔ جس ستارہ کی بھی پیروی کروگے راہ پا جاؤ گے)۔ اب جو شخص ستارے کو دیکھ کر راہ پکڑتا ہے کیا ستارہ اُس سے کلام کرتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وُہ صرف ستارے پر نظر ڈالتا ہے اور راہ کو پا لیتا ہے اور منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ اِسی طرح یہ ممکن ہے کہ تُو اولیاء اللہ علیہم السّلام پر نظر ڈالے اور وُہ تجھ میں تصرف کریں اور بغیر کسی گفت و کلام کے وُہ تجھے منزلِ مقصود پر پہنچا دیویں یعنی واصل باللہ کر دیویں ؎

فَمَنْ شَآءَ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْظَرِیْ ؂ نَذِیْرًا اِلٰی مَنْ ظَنَّ اِنَّ الْھَوٰی سَھْلٌ

(ترجمہ) پس جو شخص چاہے میری طرف نظر کرے۔ اور میرا منظر اُس شخص کو جو یہ گمان کرتا ہے کہ عشق آسان ہے ڈرانے والا ہے ؂

کسی غیر ممکن اور سخت دشوار اَمر پر تحمّل کرنے سے اور کوئی چیز زیادہ مشکل نہیں ہے مثلاً تُو نے ایک کتاب پوری صحت اور اعراب کیساتھ پڑھی ہُوئی ہے۔ ایک شخص وہی کتاب تیرے پاس بیٹھ کر غلط پڑھتا ہے۔ کیا تو اُس پر تحمّل کر سکتا ہے؟ ممکن نہیں اور اگر تُو نے وُہ کتاب نہ پڑھی ہُوئی ہوتی تو تیرے لیئے کوئی فرق نہ پڑتا چاہے وُہ غلط پڑھتا یا ٹھیک پڑھتا کیونکہ تُو نے ٹھیک اور غلط کی تمیز نہیں کی ہُوئی۔ پس کسی محال اَمر پر تحمّل کرنا مجاہدۂ عظیم ہے ؂

اب انبیاء اور اولیاء علیہم السّلام تو غیر ممکن اور دُشوار اُمور سے کبھی فارغ ہی نہیں ہوتے۔ پہلے جب طلبِ حق میں قدم رکھتے ہیں تو سب سے اوّل مجاہدہ قتلِ نفس اور ترکِ شہوات کیلئے کرتے ہیں جو جہادِ اکبر ہے۔ اور جب واصل ہو جاتے ہیں اور مقام اُن میں مقیم ہو جاتے ہیں اور اُن پر کج و راست مکشوف ہو جاتا ہے تو پھر بھی مجاہدۂ عظیم میں ہوتے ہیں کیونکہ اِس خلق کے افعال سب کج ہیں اور وُہ دیکھتے ہیں اور تحمّل کرتے ہیں۔ اگر وُہ تحمّل نہ کریں اور بیان کر دیں تو کوئی شخص اُن کے پاس کھڑا بھی نہ ہو اور نہ ہی کوئی شخص اُن کو سلام وعلیکم کہے۔ لیکن حقتعالیٰ نے اُن کو وسعتِ قلب اور حوصلۂ عظیم عطا کیا ہُوا ہے اِسلیئے وُہ تحمّل کرتے ہیں۔ جس کی تربیت کرتے ہیں اُس کی صد کجیوں میں سے ایک کا اظہار کرتے ہیں تاکہ اُس پر گراں نہ گزرے اور باقی عیُوب کو چھپاتے ہیں بلکہ اُس کی مدح کرتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے حتیٰ کہ بتدریج تمام کجیوں کو ایک ایک کرکے اُس سے دُور کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ معلّم ایک لڑکے کو لکھنا سکھاتا ہے۔ لڑکا ایک ایک حرف کرکے سطر تک پہنچتا ہے۔ جب سطر تک پہنچ جاتا ہے تو لڑکا سطر لکھ کر معلّم کو دکھاتا ہے۔ معلّم کے نزدیک اُس کی لکھائی ساری غلط ہوتی ہے لیکن بناوٹ اور مدارا سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے سب ٹھیک ہے شاباش بہت خُوب لکھا۔ ساری سطر میں سے ایک حرف کو غلط بتاتا ہے اور اُس کی اصلاح کر دیتا ہے کہ ایسا لکھنا چاہیئے۔ باقی ساری لکھائی کی تعریف کرتا ہے تاکہ اُس کا دل مُتنفّر اور شکستہ نہ ہو جائے۔

Marfat.com

اُستاد کی تحسین سے لڑکا قوت پکڑتا ہے اور اسطرح اُستاد بتدریج لڑکے کو لکھائی سکھا دیتا ہے۔ اور اُس کی تمام خامیاں دُور ہو جاتی ہیں کَمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (حق آیا اور باطل مٹ گیا)۔

(طالبِ خُدا کو حقتعالیٰ ضرور ہی منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ اگر وُہ دارِ دُنیا میں ناقص رہ جائے تو قبر میں اُس کی تعلیم بدستور جاری رہتی ہے حتیٰ کہ روزِ قیامت کو وُہ کامل ہو کر اُٹھے گا) جب طالب منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے تو اُس کی تمام دلی خواہشیں بلکہ وُہ انعامات اور فیوضات جن کا اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا سب میسّر ہو جاتے ہیں۔ جب وُہ اُن انعامات اور کرامات کو دیکھتا ہے تو اپنی پہلی آرزوؤں اور خواہشوں پر شرمندہ ہوتا ہے کہ افسوس ایسی نعمت اور دولت کے مقابلہ میں میں کیا تمنا کرتا تھا۔ عطا اُس کو کہتے ہیں جو آدمی کے وہم میں بھی نہ سمائے کیونکہ جس چیز تک اِس کا وہم پہنچ سکتا ہے وُہ اِسی کی ہمت اور قدر کا اندازہ ہے لیکن عطائے حق قدرِ حق کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے پس عطائے حق وہ ہوتی ہے جو حق کے لائق ہو نہ کہ بندہ کی ہمت اور وہم کے لائق جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے قَالَ قَالَ اللهُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وُہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی آدمی کے خیال پر گذریں) یعنی اے طالب جو کچھ تُو توقع رکھتا تھا آنکھوں نے اُن کو دیکھا ہُوا تھا اور کانوں نے اُس قسم کی چیزیں سُنی ہوئی تھیں اور دلوں میں اُس قسم کے خیالات سما سکتے تھے لیکن میری عطا اِن سب سے باہر اور وَرَاءُ الْوَرَاء ہے۔ جب طالب کو وصالِ خداوندی نصیب ہوتا ہے اور انعامات اور اکرامات کی بارش ہوتی ہے تو اُس کو اپنی پہلی تمنائیں اور خواہشیں سب ہیچ معلوم ہوتی ہیں جیسا ارشاد خداوندی ہے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (حق آیا اور باطل مٹ گیا)۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

اور یہ لوگ آپؐ سے رُوح کی حقیقت پُوچھتے ہیں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ رُوح میرے ربّ کے حُکم سے ہے اور تمکو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر بنایا ہے) اور اِس کی دلیل یہ ہے کہ تمام آدمی اپنے لئے مظہر یعنی معشوق تلاش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر پردہ نشین عورتوں کو دیکھئے۔ اپنے مطلوب کی تلاش میں وُہ بھی اپنا چہرہ ننگا کر دیتی ہیں تاکہ آزمائیں کہ کون اُن پر عاشق ہوتا ہے۔ اور عاشق اپنے معشوق کو جو یہ کہتا ہے کہ میں نے نہ کھایا اور نہ سویا اور تیرے بغیر میری ایسی حالت ہُوئی اور ویسی حالت ہُوئی اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تُو ایک مظہر یعنی معشوق کی طلب میں ہے اور تیرا مظہر میں ہُوں تاکہ معشوق اپنے معشوق کیساتھ عشقبازی کرے اور معشوق کو اپنے حُسن اور عشق کا مظہر بنا دے اور اِسی طرح تمام عُلماء اور ہنرمند اپنے

Marfat.com

کمالات کے ظہور کیلئے مظہر تلاش کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی حقتعالیٰ نے اپنے کمالات کے ظہور کے لئے آدم کو اپنا مظہر بنایا ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا)۔

خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اَیْ عَلٰی صُوْرَۃِ اَحْکَامِہٖ یعنی آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی صُورت پر بنایا ہے یعنی اُسکے احکام تمام خلق میں جاری ہیں کیونکہ جُملہ موجُودات حقتعالیٰ کا سایہ ہیں اور سایہ شخص کی مانند ہوتا ہے۔ اگر آدمی ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھول دے تو سایہ میں بھی اُنگلیاں کُھلی ہوتی ہیں اور اگر آدمی رکوع میں جائے تو سایہ بھی رکوع کرتا ہے اور اگر آدمی لیٹ جائے تو سایہ بھی لیٹ جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آدمی سایۂ حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام خلق ایک مطلوب اور ایک محبُوب کی طالب ہے اور سب چاہتے ہیں کہ اُس کے مُحب بنیں اور اُسکے آگے عاجزی کریں اور اُس کے دُشمنوں کیساتھ دشمن اور اُسکے دوستوں کیساتھ دوست بن جائیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام ہیں جو ظلّ میں دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہمارا سایہ ہم سے بے خبر ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ ہمارا سایہ ہے۔ اسیطرح حقتعالیٰ جانتے ہیں کہ آدمی اُسی کا سایہ ہے لیکن آدمی نہیں جانتا کہ میں اُسی ذاتِ پاک کا عکس ہُوں۔ لیکن آدمی کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت بے خبری کا حُکم رکھتا ہے کیونکہ جو کمالات شخص میں پائے جاتے ہیں وُہ من وعن سارے کے سارے سایہ میں نہیں پائے جاتے اسلئے جُملہ صفاتِ حق اس ظلِّ انسانی میں ظاہر نہیں ہوتیں کَمَا قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)۔

سراج الدین نے کہا "میں نے ایک مسئلہ بیان کیا جس سے میرے دِل میں سخت درد پیدا ہُوا۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟" میں نے جواب دیا کہ عارف کے دِل میں کئی اسرار ہوتے ہیں اور اُن اسرار پر ایک فرشتہ مُوکّل ہوتا ہے جو اُن کے بیان کرنے سے عارف کو روکے رکھتا ہے۔ اگر سامعین کی استعداد کے مطابق کسی شاذونادر حالت میں عارف اُن کو بیان کرتا ہے تو طالبانِ خدا پر بھی ذوق اور لذّت اور سرور اور درد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُس پر بھی ذوق کی وجہ سے درد اور رقّت کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اِس حالت کو وجدان کہا جاتا ہے۔ جو اگرچہ محسوس نہیں لیکن محسوس سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر بھُوک پیاس غصّہ اور خوشی جُملہ محسوس نہیں ہیں لیکن محسوس سے زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ اگر تُو آنکھ بند کرے تو تُو اِن کو نہیں دیکھتا لیکن بھُوک کو کسی حیلہ سے دُور نہیں کر سکتا۔ اسیطرح حضرتِ رُوح اگرچہ انسان کو نظر نہیں آتی لیکن بغیر دیکھے ہی اظہر من الشمس ہے۔

آخر تُو اِس تن پر کیا نظر کرتا ہے تجھ کو اِس سے کیا تعلق ہے؟ تُو اِس کے بغیر قائم ہے اور ہمیشہ اِس کے بغیر رہے۔ اگر رات ہے تو تُو تن کی پرواہ نہیں رکھتا اور اگر دِن ہے تو تُو کاموں میں مشغول ہے اور تیری کاموں میں

مشغولیت ہرگز اس کے ساتھ نہیں ہے۔ تو اس تن کیلئے کیوں اتنا مشوّش رہتا ہے؟ جب ایک لحظہ تو اُس سے جُدا ہوتا ہے کئی عجیب مقامات پر پہنچ جاتا ہے۔ تو کُجا اور تن کُجا؟ اَنَا فِیْ وَادٍ وَاَنْتَ فِیْ وَادٍ (میں ایک وادی میں ہُوں اور تُو دُوسری وادی میں ہے)۔

یہ تن ایک عظیم مغلطہ ہے۔ آنکھ گمان کرتی ہے کہ تن مرا اور وُہ بھی مرا۔ ہرگز نہیں۔ تُو تن کیساتھ کیا تعلق رکھتا ہے؟ یہ ایک عظیم چشم بندی ہے۔ فرعون کے جادوگر جب اس راز سے ذرا بھر واقف ہوئے تو تن کو فدا کر دیا کیونکہ وُہ دیکھ چکے تھے کہ وُہ اس تن کے بغیر قائم ہیں اور تن کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ اسیطرح سیّدنا حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام و دیگر انبیاء و اولیاء جب اس راز سے واقف ہوگئے تو تن کے ہونے اور نہ ہونے کو یکساں سمجھے۔

ایک دفعہ حجاج نے بھنگ پی ہوئی تھی اور سر دروازے پر رکھ کر چلّا رہا تھا کہ دروازے کو نہ ہلائیے تاکہ میرا سر نہ گر پڑے۔ اُس کا گمان تھا کہ اُس کا سر بدن سے جُدا ہے اور دروازہ کے واسطہ سے قائم ہے۔ اسیطرح ساری خلقت کا یہی گمان ہے کہ وُہ بدن کیساتھ تعلق رکھتے ہیں اور بدن ہی کیساتھ قائم ہیں۔

سورۂ کہف

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ

اور آپؐ اپنے کو اُن لوگوں کیساتھ (بیٹھنے میں) مقیّد کریجئے جو صبح و شام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اُس کی ذات کے طالب ہیں۔ اور اُن سے آپؐ کی آنکھیں نہ پھر جاویں۔

شعر:-

ہمہ چیز را تا نجوئی نیابی ✿ جُز ایں دوست را تا نیابی نجوئی

(سب چیزیں جب تک تو اُن کی تلاش نہ کرے تو انہیں نہیں پاتا سوائے اس محبوبِ حقیقی کے کہ جب تک تُو اُس کو نہ پائے تُو اُس کو تلاش نہیں کرتا۔) آدمی اُس چیز کو طلب کرتا ہے جو اُسے حاصل نہ ہو اور دن رات اُسکی جستجو میں رہتا ہے لیکن اُس چیز کی طلب جو اُسے حاصل ہو یہ عجیب ہے۔ ایسی طلب آدمی کے وہم میں بھی نہیں سماتی اور بشر اُس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا کیونکہ طلب ہمیشہ اُس چیز کیلئے ہوتی ہے جو حاصل نہ ہو اور وُہ چیز جو آدمی کو حاصل ہے۔ اور پھر اُس کی طلب کرتا ہے وُہ حقتعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ حقتعالیٰ کو ہر چیز نے پایا ہُوا ہے اور ہر چیز اُس کی قدرت میں موجود ہے بِقَوْلِہٖ تَعَالیٰ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

ایک شخص نے کہا کہ ہر ولی اور بزرگ کا یہ زعم ہے کہ جو قُرب مجھے بارگاہِ حقتعالےٰ میں حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں اور جو عنایت مجھ پر ہے اور کسی پر نہیں۔ یہ کیسے ہے؟

Marfat.com

میں نے جواب دیا کہ یہ قول کس کا ہے ولی کا یا غیر ولی کا؟ اگر ولی کا قول ہے تو اگر اُس نے جان لیا کہ ہر ولی کا اپنے متعلق یہ اعتقاد ہے تو وُہ اِس عنایت خاصہ سے مخصوص نہیں ہے۔ اور اگر غیر ولی نے کہا تو فی الحقیقت ولی خاص وہی ہے کیونکہ حقتعالیٰ نے یہ راز حُبِّ اولیاء سے پوشیدہ رکھا اور اُس سے نہیں چھپایا۔

مثلاً ایک بادشاہ کی دس لونڈیاں تھیں۔ سب نے مل کر درخواست کی کہ ہم سب میں سے بادشاہ کے نزدیک کون زیادہ محبوب ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ انگشتری کل جس کے گھر میں موجود ہوگی وہی محبوب ترین ہوگی۔ دوسرے دن بادشاہ نے اُس کی مثل دس عدد انگوٹھیاں بنوائیں اور چپکے سے ہر لونڈی کو ایک ایک دی۔ یہ خبر (کہ بادشاہ نے دس انگوٹھیاں بنوا کر سب کو ایک ایک دیدی) اُن دس لونڈیوں میں سے کسی ایک نے بیان کی یا جو اِن سب سے باہر ہے؟ اگر اُن دس لونڈیوں میں سے کسی ایک نے خبر دی تو پس جب اُس نے جان لیا کہ یہ انگشتری اُس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور ہر کنیزک اُس کی مثل رکھتی ہے تو اُس کو کوئی فوقیت حاصل نہیں اور نہ ہی وُہ محبوب ترین ہے۔ اور اگر یہ خبر اُن دس لونڈیوں کے سوا کسی اور نے بیان کی تو پس وہی سب سے فوقیت رکھتی ہے اور بادشاہ کی محبوب ترین لونڈی ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا عاشق کے یہ اوصاف ہیں کہ وُہ ذلیل و خوار اور گمنام ہو؟

میں نے جواب دیا کہ عاشق وُہ ہوتا ہے جو معشوق کی مُراد پر چلے۔ اگر وُہ معشوق کی مُراد کے بغیر ذلیل ہوتا پھرے تو وُہ عاشق نہیں ہے بلکہ اپنی خواہش کا بندہ ہے اور اگر معشوق کی مُراد چاہتا ہے اور معشوق نہیں چاہتا کہ وُہ ذلیل و خوار ہو تو پھر وُہ کیوں ذلیل ہو۔ پس معلوم ہُوا کہ عاشق کے احوال معلوم نہیں ہو سکتے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ معشوق اُس کے متعلق کیا ارادہ رکھتا ہے۔

اکمل الدین درویش نے سوال کیا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ مَیں آپ پر عاشق ہُوں اور آپ کے دیدار کا ہر وقت آرزو مند رہتا ہُوں اور آپ کے جمال سے خواہ تصور ہی کیوں نہ ہو مجھے راحت اور لذت حاصل ہوتی ہے لیکن آخرت کا مجھے کبھی خیال تک نہیں گزرا؟

مَیں نے جواب دیا کہ اگرچہ مُرید کے دل میں آخرت اور حق کا خیال نہیں گزرتا لیکن شیخ کی محبت میں سب کچھ مضمر ہے۔ مذکور ہے کہ ایک رقاصہ بادشاہ کے سامنے چارتارہ (باجہ) بجا رہی تھی۔ بادشاہ نے کہا: فِی یَدَیْكِ صَنْعَتُهٗ قَالَتْ وَفِی رِجْلَیَّ (تیرے ہاتھ میں اِس کا ہُنر ہے؟ کہنے لگی اور میرے پاؤں میں بھی ہے) یعنی اے بادشاہ میرے ہاتھوں کی خوشی میں میرے پاؤں کی خوشی بھی مُضمر ہے۔ پس اگرچہ مُرید تفاصیل کے ساتھ آخرت کو یاد نہیں کرتا لیکن شیخ کی زیارت میں اُس کی لذت اور شیخ کے فراق سے اُس کا خوف اِن تمام تفاصیل کو متضمن ہیں اور وُہ سب اِن میں مضمر ہیں جیسا کہ ایک شخص اپنے بیٹے یا بھائی کیساتھ محبت رکھتا ہے اور مہربانی کرتا ہے اگرچہ

Marfat.com

ابوت واخوت وامیدِ وفا وعاقبتِ کار وباقی منافع جو خویشوں کو خویشوں سے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی چیز اُس کے دل میں نہیں گزرتی لیکن یہ سب تفاصیل اُس محبت اور نوازش میں مُضمر ہیں ۔

اور جیسا کہ ہوا لکڑی میں مُضمر ہے اگرچہ لکڑی خاک میں ہو یا آب میں ہو کیونکہ اگر اُس میں ہوا نہ ہوتی آگ کا اُس سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ ہوا علفِ آتش ہے اور حیاتِ آتش ہے کیا تُو نہیں دیکھتا کہ نفخ سے زندہ ہوتی ہے۔ لکڑی خواہ پانی میں ہو ہوا اُس میں پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ اگر ہوا اُس میں پوشیدہ نہ ہوتی پانی کی سطح پر نہ آتی ۔

اور جیسا کہ جب تُو کلام کرتا ہے اگرچہ اس کلام کے لوازم میں سے بہت سی چیزیں ہیں مثلاً عقل ودماغ ولب ودہن وکام وزبان یعنی جسم کے جملہ اعضائے رئیسہ اور سامعین وطبائع وافلاک وصد ہزار اسباب جن سے عالم قائم ہے اور کلام سُن کر عالمِ صفات بلکہ عالمِ ذات تک رسائی۔ لیکن بظاہر یہ سب معانی سُخن میں ظاہر نہیں ہیں اگرچہ حقیقتاً سب اُس میں مضمر ہیں ۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

مال اور بیٹے حیاتِ دُنیا کی ایک رونق ہیں اور باقی رہنے والیاں نیکیاں آپؐ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے (ہزار درجہ) بہتر ہیں اور آرزو رکھنے میں بھی (ہزار درجہ) بہتر ہیں ۔

ہر محبوب حسین دکھائی دیتا ہے اور اس کے برعکس یہ ضروری نہیں کہ ہر حسین محبوب ہو۔ حُسن محبوبیت کا جزو ہے اور اصل جوہر محبوبیت ہے۔ جب محبوبیت نصیب ہو جاتی ہے حُسن خود بخود آجاتا ہے۔ کسی چیز کا جزو اپنے کُل سے جدا نہیں ہوتا۔ وہ کُل کیساتھ لازم ہوتا ہے۔ کیا مجنوں کے زمانہ میں اور حسین عورتیں نہ تھیں؟ کئی لیلیٰ سے زیادہ حسین تھیں لیکن محبوبِ مجنوں نہ تھیں۔ مجنوں کو لوگوں نے کہا کہ کئی عورتیں لیلیٰ سے بھی زیادہ حسین ہیں تیرے پاس حاضر کر دیتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا: میں لیلیٰ کو صُورت کی وجہ سے دوست نہیں رکھتا اور لیلیٰ صرف صُورت نہیں ہے۔ لیلیٰ میرے لئے مثل جام کے ہے اور میں اِس جام سے شراب توحید پیتا ہوں۔ پس میں تو اُس شراب کا عاشق ہوں جو اس پیالہ سے پیتا ہوں۔ اور تمہاری نظر پیالے پر ہے۔ آپ شراب سے آگاہ نہیں ہیں۔ اگر آپ مجھے ایک زرین مرصّع بجوہر پیالہ لا دیں جس میں سرکہ ہو یا شراب کے سوا کوئی اور چیز ہو میرے کس لائق۔ میرے نزدیک ایک کہنہ شکستہ پیالہ جس میں شراب ہو اُس پیالہ سے اور اُس جیسے صد پیالوں سے ہزار درجہ افضل ہے۔ مگر عشق اور شوق چاہیئے کہ شراب کی پیالے سے شناخت کر سکے ۔

اور جیسا کہ ایک دس دن کا بھُوکا آدمی ہے اُس نے کوئی چیز نہیں کھائی ہوئی اور دُوسرے نے دن میں

Marfat.com

پانچ بار کھایا ہُوا ہے دونوں کی نظر ایک روٹی پر پڑ جاتی ہے وُہ سیر شُدہ آدمی اُسکو صرف نان دیکھتا ہے اور گرسنہ اُس کو جان دیکھتا ہے کیونکہ یہ نان مثل جام کے ہے اور وُہ لذّت مثل شراب کے مگر سوائے نظرِ اشتہا نظر نہیں آ سکتی۔ تو پس اَے طالب! محبت اور عشق پیدا کر تا کہ صرف صُورت بین نہ بنے بلکہ کون و مکان میں یار ہی یار نظر آئے۔

تمام خلائق کی صورتیں مثل پیالوں کے ہیں اور یہ علوم و فنون اور حکم اُن پیالوں کے نقوش ہیں۔ جب پیالے شکستہ ہو جاتے ہیں تو وُہ نقوش سب مٹ جاتے ہیں تو پس اصل جوہر وُہ شراب ہے جو پیالوں میں ہے۔ اور وہی شخص جو اس شراب کو نوش فرماتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (مال اور بیٹے آرائش ہیں زندگانی دُنیا کی اور باقی رہنے والیاں نیکیاں بہتر ہیں نزدیک پروردگار تیرے کے ثواب میں اور بہتر ہیں آرزو رکھنے میں)۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا

اَے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم! آپؐ ان سے فرما دیجئے کہ اگر میرے رَبّ کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر کا پانی روشنائی

بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

کی جگہ ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونیسے پہلے سمندر ختم ہو جائے اور باتیں احاطہ میں نہ آویں اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دُوسرا سمندر اُس کی مدد کیلئے ہم لے آویں۔

اکثر قاری قرآن مجید کے الفاظ تو درست پڑھتے ہیں لیکن معنی سے بے خبر ہیں۔ اُس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں کہیں دُوسرا قاری دیکھا اُس کی تردید کر دی کیونکہ خود اندھوں کیطرح پڑھا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کھانڈ ہے اُس سے بہتر کھانڈ لا کر اُس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وُہ رَدّ کر دیتا ہے پس ہم نے جان لیا کہ وُہ کھانڈ کو بذاتِ خود نہیں جانتا بلکہ کسی نے اُسے کہہ دیا ہے کہ یہ کھانڈ ہے اور وُہ تقلید کے طور پر ہاتھ میں رکھے ہُوئے ہے۔ اور جیسا کہ بچے اخروٹوں کیساتھ کھیلتے ہیں اگر اُن کو اخروٹوں کی بجائے اخروٹوں کے مغز یعنی گریاں دی جائیں تو وُہ رَدّ کر دیتے ہیں کہ یہ اخروٹ نہیں ہیں کیونکہ اخروٹ کے ہلانے سے چخ چخ کی آواز آتی ہے اور اس کے اندر کوئی چخ چخ نہیں۔ تو پس قاری صاحب یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے خزائن بیشمار ہیں اور اُس کے علُوم لامتناہی ہیں اگر قرآن مجید کے معانی سے واقف ہوتے اور سمجھ کر پڑھتے تو دوسرے کی قرآن کو کیوں رَدّ کرتے۔

ایک قاری کے سامنے میں نے تقریر کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں قُلْ لَّوْ

Marfat.com

كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ یعنی اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر سارا سمندر روشنائی بن جائے اور اُس سے میرے ربّ کے کلمات لکھے جائیں تو قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں خود یہ سمندر ختم ہو جائیگا اگرچہ اس سمندر کی مثل ایک دُوسرا سمندر اس کی مدد کیلئے ہم لے آویں لیکن یہ قرآن مجید تو پچاس درم سیاہی سے لکھا جا سکتا ہے تو پس معلوم ہوا کہ یہ علم الٰہی کی ایک رمز ہے سارا علم الٰہی تنہا یہی نہیں ہے۔ عطار کاغذ میں کچھ دوائی رکھ دیتا ہے اگر تو کہے کہ عطار کی ساری دُکان اسی کاغذ کی پڑیا میں ہے تو یہ بیوقوفی ہے۔ آخر سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا کلام تھا اگرچہ عربی زبان میں نہ تھا۔ میری اس تقریر کا قاری صاحب پر کوئی اثر نہ ہُوا اور بالآخر میں نے اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔

سیّدِ کُل ختم رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ پاک میں جس صحابیؓ کو ایک آدھ سُورت زبانی یاد ہوتی وُہ عظیم پکارا جاتا اور انگشت نما ہو جاتا کہ فلاں صحابیؓ کو ایک سُورت مکمل یاد ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن پاک کے مغز کا ادراک یعنی علم توحید حاصل کرنے کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی زیادہ سے زیادہ ایک سیر یا دو سیر روٹی کھا سکتا ہے لیکن وُہ شخص جو مُنہ میں ڈالے اور چبا چبا کر باہر پھینکتا جائے ہزاروں من چبا سکتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے رُبَّ تَالٍ لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ یعنی بہت سے لوگ قرآن پاک کو پڑھتے ہیں اور قرآن پاک اُن پر لعنت کرتا ہے۔ پس یہ اُن لوگوں کے حق میں ہے جو قرآن پاک کے معانی سے بے خبر ہیں لیکن پھر بھی اچھے ہیں۔ حقتعالیٰ نے ایک گروہ کی آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں اسلئے اُس عالم سے بے خبر ہیں اور اس عالم کی عمارت میں مصروف ہیں۔ اگر بعض کو اُس عالم سے غافل نہ کیا جائے تو اس عالم کی آبادی نہ ہو سکے۔ اس عالم کی عمارت و آبادی کا باعث غفلت ہے۔ بچہ آخر غفلت ہی سے بڑھتا ہے۔ جب اُس کی عقل اَوجِ کمال پر پہنچتی ہے تو اُس کا بڑھنا ختم ہو جاتا ہے۔ پس اس عالم کی عمارت کا سبب اور موجب غفلت ہے اور اس کی ویرانی کا سبب ہشیاری ہے۔

یہ میری کلام دو وجہ سے سوا نہیں یا حسد کی بنا پر ہے یا شفقت کی بنا پر حاشا کہ حسد کی بنا پر ہو مگر یہ غایت مہر و رحمت کی وجہ سے ہے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ عزیزوں کو معانی کیطرف توجہ دلاؤں اور قرآن پاک کو معانی سے غافل ہو کر پڑھنا چھوڑ دیں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص حج کی راہ میں ایک جنگل میں گھر گیا۔ پیاس اُس پر سخت غالب آئی۔ دُور سے ایک چھوٹا سا کہنہ خیمہ دیکھا۔ اُس جگہ پہنچا تو وہاں ایک چھوٹی سی لونڈی دیکھی۔ اُس کو آواز دی کہ میں مہمان ہوں۔ الغرض

Marfat.com

اُسی جگہ اُتر کر بیٹھ گیا اور پانی طلب کیا۔ اُس نے پانی دیا اور مہمان نے نوش فرمایا۔ پانی آگ سے زیادہ گرم اور نمک سے زیادہ کھاری تھا اس حد تک کہ زبان سے نیچے جس جگہ پہنچا اُسی کو جلاتا گیا۔ یہ مرد غایت شفقت کی وجہ سے اُس عورت کی نصیحت میں مشغول ہُوا اور کہا: اُس آسائش کے بدلے جو مَیں نے آپ سے حاصل کی ہے آپکا بھی مجھ پر ایک حق ہے اسلئے میری شفقت جوش میں آ گئی ہے جو کچھ آپ کی خدمت میں عرض کروں اُسکا پاس کیجئے۔ آپ کے بالکل قریب عجیب وغریب امصار بغداد شریف کوفہ اور واسط وغیرہ واقع ہیں۔ خواہ آپ کو تکلیف ہو بھوکے پیاسے اُفتاں خیزاں وہاں پہنچ جانا چاہیئے کیونکہ وہاں کے پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈے ہیں اور اُن شہروں میں گونا گون طعام اور طرح طرح کے حمام اور قسم قسم کے انعام اور عیش واکرام بے حصر وشمار ہیں۔ اِتنے میں ایک عرب صاحب جو اُس کے شوہر تھے تشریف لے آئے اور جنگلی چُوہے جو شکار کر کے لائے تھے اُس عورت کو دیئے اور فرمایا جلدی سے اِن کو پکاؤ اور مہمان کے آگے پیش کرو۔ مہمان کو جو کور وکبود ہلا اُس نے تناول فرمایا۔ اور آدھی رات گذرے خیمہ سے باہر جا سویا۔ عورت نے خاوند کو مہمان کی ساری گفتگو سُنائی اور اُن امصار کی صفت وثنا دُہرائی۔ عرب صاحب نے عورت کو کہا۔ خبردار! ایسی خبریں لوگوں سے مت سُنا کر۔ عالم میں حاسد بہت ہیں۔ جب کسی کو عیش وعشرت اور امارت کی حالت میں دیکھتے ہیں حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُس کو اُن شہروں میں بھیج کر آوارہ کر دیں اور اِس آسائش اور امارت سے محروم کر دیں۔

اب یہ خَلق ایسے ہی ہے اگر کوئی شخص از رُوئے شفقت نصیحت کرے تو اُس کو حسد پر حمل کرتے ہیں مگر وہ لوگ جن میں استعداد موجود ہے وہ بالآخر معانی کی طرف رجُوع کر جاتے ہیں۔ اِن لوگوں کو ازل میں قطرۂ محبت نصیب ہُوا اور بالآخر وہ قطرہ اُن کو دریائے اصل کی طرف کھینچ لاتا ہے اور تشویشوں اور محنتوں سے فارغ کر دیتا ہے۔ ایعزیز! آ کب تک تو ہم سے دُور رہے گا اور بیگانہ رہے گا لیکن ہائے افسوس اُس قوم کیساتھ کیا کلام کی جائے جنہوں نے اِس قسم کی کلام آجتک کسی سے بلکہ اپنے شیخ سے بھی نہیں سُنی۔ جس شخص کے دماغ میں ایسی کلام کی خوشبو بھی نہ پہنچی ہو وہ اِس کو قطعاً قبول نہیں کرتا۔

چُوں اندر تبارش بزرگی نبُود ❊ نیارد حدیث بزرگاں شنود

یعنی جس شخص کے خاندان میں ہی بزرگی نہ ہو وہ بزرگوں کی کلام نہیں سُن سکتا۔

معنی کی طرف متوجہ ہونا اگرچہ ابتداء میں دِل کو نفرت دلاتا ہے لیکن بالآخر معنی کی ندی نہایت شیریں معلوم ہوتی ہے لیکن صُورت کا معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ صُورت اوّل نہایت پیاری معلوم ہوتی ہے لیکن آہستہ آہستہ طبیعت سرد ہو جاتی ہے۔ کُجا صورتِ قرآن وکُجا معنی قرآن۔ آدمی میں نظر کر۔ اُس کی صُورت کُجا اور اُس کا معنی کُجا۔ جب معنی صُورت سے پرواز کر جاتا ہے تو ایک لحظہ کیلئے بھی اُس کو گھر میں نہیں رہنے دیتے۔

Marfat.com

حضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہٗ نے ایک عجیب حکایت بیان فرمائی کہ ایک بڑا بھاری قافلہ کسی جگہ جا رہا تھا۔ رستہ میں ایک جگہ نہ آبادی ملی اور نہ ہی کوئی پانی کا انتظام ہوا۔ ناگاہ ایک کنواں پایا جو غیر آباد تھا۔ قافلے والوں نے ایک تسلا لے کر اُس کو رسیاں باندھیں اور اُس کو کنوئیں میں ڈال دیا۔ جب تسلے کو اُوپر کھینچا تو اُس کو کٹا ہوا پایا۔ دُوسرا تسلا کنوئیں میں ڈالا وُہ بھی کاٹا گیا۔ اُس کے بعد قافلے میں سے ایک شخص کو رسّہ باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا وُہ وہیں رہا حتیٰ کہ کئی شخص لٹکائے گئے ایک بھی کنوئیں سے باہر نہ آیا۔ بالآخر ایک عقلمند آدمی نے کہا کہ میں کنوئیں میں جاتا ہوں۔ اُس کو نیچے لٹکایا گیا۔ وُہ کنوئیں کی تہ میں پہنچنے کے قریب ہی تھا کہ ایک کالی کلوٹی ہیبت ناک صُورت نمودار ہوئی۔ اُس عقلمند آدمی نے حوصلہ سے کام لیا اور خیال کیا کہ یہی چڑیل ہے جس نے اگلے سارے آدمی کسی جگہ گم کر دیئے ہیں اور اب میری باری بھی آپہنچی۔ اُس چڑیل نے کہا سوچتا کیا ہے تو میرا قیدی ہو چکا ہے تُو آزاد نہیں ہو سکتا جب تک میرے سوال کا جواب صواب نہ دے۔ اُس نے کہا فرمائیے چڑیل نے کہا تمام مقاموں میں سے کونسا مقام افضل ہے؟ عاقل نے سوچا کہ اگر بغداد شریف یا مصر کا نام لُوں تو گویا میں نے اُس کے مقام کی حقارت کی اور نفی کی اسلیئے جواب دیا کہ سب سے افضل مقام وُہ ہے جہاں کسی کا کوئی مُونس ہو یا اُس مقام سے اُنس ہو خواہ وُہ زمین کی تہ میں ہو خواہ چُوہے کی بل میں ہو۔ اُس نے کہا شاباش نہایت احسن جواب دیا۔ میں نے تجھے آزاد کیا۔ آدمی عالم میں تو ہی ہے۔ تیری خاطر میں نے سب کو آزاد کیا اور اس کے بعد کوئی خون نہ کروں گی۔ سارے عالم کو میں نے تیری محبت میں تجھے بخش دیا۔ بعد ازاں اہل قافلہ کو سیراب کیا ❁

اس حکایت کو بیان کرنیسے میرا مقصد یہ ہے کہ ایک ہی معنی دُوسری صُورت میں بیان کیا جا سکتا ہے لیکن کج فہم علماء صرف ایک ہی صُورت کو پکڑ بیٹھے ہیں۔ اُن سے کلام کرنی نہایت دشوار ہے۔ اب اسی سخن کو کسی اور مثال میں پیش کیا جائے تو وُہ ہرگز نہیں سُنیں گے ❁

سورۂ مریم

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝

پھر دردِ زہ اُن کو درختِ خرما کے پاس لے پہنچا۔ کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور ایسی نیست و نابُود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی ❁

ہر کام میں آدمی کا رہبر درد ہی ہے۔ جب تک اُس کے دل میں کسی کام کی ہوس و عشق اور درد پیدا نہ ہو وُہ اُس کام کا قصد ہی نہیں کرتا اور بغیر درد کے اُسے کوئی کام میسّر نہیں ہوتا خواہ دُنیا خواہ آخرت خوا

سوداگری خواہ بادشاہی خواہ علم خواہ عمل خواہ نجوم وغیرہ۔ جب تک حضرت مائی مریم علیہا السلام کو دردِ زِہ پیدا نہ ہُوا اُس درختِ خرما کا قصد نہ کیا کما قولہٗ تعالیٰ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ (پھر دردِ زِہ اُن کو درختِ خرما کے پاس لے پہنچا۔) اور ادیب شاعر نے اِس کی تفسیر میں کیا عُمدہ لکھا ہے ؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ قَالَ لِمَرْيَمَ ✿ اِلَيْكِ فَهُزِّىْ الْجِذْعَ يُسْقِطُ الرُّطَبُ

وَلَوْ شَاءَ اَجْنٰى الْجِذْعَ مِنْ غَيْرِ هَزِّهَا ✿ اِلَيْهَا وَلٰكِنْ كُلُّ شَيْءٍ لَهٗ سَبَبُ

یعنی کیا تُو نہیں دیکھتا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضرت مائی مریم علیہا السلام کو فرمایا کہ تیری طرف خشک جھرمٹ کھجوروں کا تازہ پھل گراتا ہوگا اور اگر وُہ چاہتا تو کھجوروں کے جھرمٹ کے بغیر بھی آرام دے سکتا تھا لیکن ہر شئے کا سبب ہوتا ہے ✿

حضرت مائی مریم علیہا السلام کو وُہ درد درخت کے پاس لے آیا اور خشک درخت میوہ دار ہو گیا۔ ہمارا تن مثل مریمؑ کے ہے اور ہم سے ہر ایک مثل عیسیٰؑ کے ہے۔ اگر ہم کو درد نصیب ہو جاتا ہے تو ہمارا عیسیٰؑ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر درد نصیب نہیں ہوتا تو ہمارا عیسیٰؑ بھی جس راہ نہانی سے آیا تھا اُسی راہ سے پھر اپنے اصل سے جا ملتا ہے لیکن ہم محروم اور بے بہرہ رہ جاتے ہیں (عیسیٰؑ سے مُراد رُوح ہے۔ اگر کسی کو عشقِ مولا نصیب ہو جاتا ہے تو روحانی کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں اور اگر عشق نصیب نہیں ہوتا تو رُوحی کمالات یعنی صفاتِ الٰہیّہ کاملہ کا ظہور نہیں ہوتا ✿

بیت:۔

جان از درون بفاقہ و طبع از بروں برگ ✿ دیو از خورش بتخمہ و جمشید ناشتا!

اکنوں بکن دوا کہ مسیح تو بر زمینست ✿ چوں شُد مسیح سوئے فلک فوت شُد دوا

یعنی رُوح اندر فاقہ کر رہی ہے اور جسم باہر عیش و عشرت کر رہا ہے۔ نفس زیادہ کھانے سے بدہضمی میں مُبتلا ہے اور رُوح کا جمشید بھوکا مر رہا ہے۔ جب تک تیرا مسیح یعنی حضرت رُوح زمین پر ہے اِس کا علاج کر ورنہ جب آسمان پر پرواز کر گیا تو علاج بھی ختم ہو جائیگا ✿

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○

یہ ہے عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کا سچا قصّہ جس میں نصاریٰ شک کرتے ہیں ✿

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں نصاریٰ کے تین گروہ ہو گئے۔ نسطوریہؔ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا کا بیٹا کہا اور یعقوبیہؔ نے اللہ کہا اور ملکانیہؔ نے تین خداؤں میں سے تیسرا خُدا کہا ✿

مسیحی جرّاح نے کہا کہ عیسیٰؑ مسیح ابن مریم اللہ ہے ✿

مَیں نے جواب دیا جس شخص کا یہ عقیدہ ہے وُہ خود گمراہ اور دُوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ وُہ راندۂ درگاہِ حق ہے۔ یہ کیسے جائز ہے کہ ایک کمزور شخص جو یہود کے مکر سے ایک میدان سے دُوسرے میدان میں بھاگتا پھرے

سات زمینوں اور سات آسمانوں کی حفاظت کر سکے۔ دُوسرے عیسیٰ علیہ السّلام سے پہلے زمینوں اور آسمانوں کا خالق کون تھا؟

مسیحی نے جواب دیا خاک خاک میں مل گئی اور پاک چیز پاک میں۔ مَیں نے کہا اگر عیسیٰؑ کی رُوح اللہ تھی تو اُس کی رُوح کہاں گئی؟ رُوح تو اپنے اصل کی طرف لوٹتی اور اپنے خالق کے پاس چلی جاتی ہے اور اگر وُہ یعنی عیسے اصل ہیں تو خالق کہاں جائیگا؟

مسیحی نے جواب دیا ہم نے ایسا ہی پایا اور اسے مذہب بنالیا۔ مَیں نے کہا اگر تُو اپنے باپ کی وراثت سے کھوٹا اور سیاہ سونا پائے تو کیا تُو اُس کا تبادلہ کھرے سونے سے نہ کریگا؟ یا اگر تیرا ہاتھ شل اور بے حس و حرکت ہو اور تجھے اُس کی دوا اور طبیب مل جائے جو تیرے اُس شل ہاتھ کو درست کر دے تو کیا تُو اُسے قبول نہیں کریگا اور کیا تو کہیگا کہ مَیں اپنے ہاتھ کی تبدیلی پر رضامند نہیں ہُوں؟ یا اگر تُو نے کسی ایسے مقام پر پرورش پائی ہو جہاں تیرا باپ مدفون ہو اور جسکا پانی شور ہو اور تجھے اُس کے بدلے دُوسری ایسی وادی مل جائے جسکا پانی شیریں سبزیاں میٹھی اور باشندے طاقتور ہوں تو کیا تُو اُس وادی میں انتقال کو پسند نہ کرے گا اور اُس کا شیریں پانی پسند نہ کریگا جو تمام اَمراض کو دُور کر دے؟ اور کیا تُو یہ کہے گا کہ ہم نے اپنی موروثی شور وادی جو امراض کا گھر ہے کے بدلے اچھی وادی تو پالی ہے لیکن اُسے ہم نہیں چھوڑیں گے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی عقلمند آدمی ایسا سنہری موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ حقتعالیٰ نے تجھے اپنے باپ سے علیحدہ عقل اور فراست عطا فرمائی ہے اِسلئے تُو اپنی فراست کو مُعطّل نہ کر بلکہ اُس کی پیروی کر۔ اِس کے سوا تجھے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ کسی شخص کا باپ موچی ہو اور وُہ بادشاہ کے دربار میں پہنچ جائے بادشاہ اُسے شاہانہ آداب سکھائے اور اعلیٰ منصب سپُرد کر دے تو وُہ ہرگز منصب کا انکار نہیں کرے گا اور یہ نہیں کہے گا کہ میرے آباو اجداد تو موچی تھے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ میرے مرتبہ میں ترقی ہو۔ مجھے تو ایک دوکان چاہیئے۔ ایک کُتا جو خوبصورت ہو بادشاہ اُسے پسند کرکے شکار کھیلنا سکھاتا ہے اور وُہ شکاری کُتا بن جاتا ہے اور اپنی اصلیت کو بھُول جاتا ہے۔ اسیطرح باز کو جب بادشاہ تادیب کرتا ہے تو وُہ یہ نہیں کہتا کہ مَیں نے تو یہ بات اپنے آبا و اجداد سے ورثہ میں پائی ہے کہ پہاڑ کی چٹانوں پر رہوں اور مُردہ جانوروں کو کھاؤں اِسلئے مَیں تو طبلِ سُلطانی اور شکار کی طرف توجہ نہیں کروں گا۔ پس جب عقلِ حیوانی میں یہ بات سما گئی ہے کہ اگر باپ کے ورثہ سے کوئی بہتر چیز مل جائے تو اُسے ترک نہیں کرنا چاہیئے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہ آئے۔ کیا اُس کی عقل اور فراست حیوان سے بھی کم ہے؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ ہاں یہ درست ہے اگر کہا جائے عیسیٰؑ کے رب نے عیسیٰؑ کو عزت دی اور اپنا مقرب بنایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اللہ تعالیٰ کی خدمت اور آپؑ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

Marfat.com

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰےؑ علیہ السّلام سے بہت زیادہ فضیلت رکھنے والے جناب سرورِ کائنات مفخرِ موجودات سیّدِ کُل ختمِ رُسُل جناب محمدٌ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مبعوث فرمایا جن کے معجزات کے مقابل حضرت عیسٰیؑ علیہ السّلام کے معجزات بالکل قلیل ہیں تو آپؐ کی اطاعت ہم پر فرض ہو گئی ہے۔ آپؐ کی ذات کیوجہ سے نہیں بلکہ آپؐ کے نبی اللہ ہونے کیوجہ سے۔ عبادت اللہ ہی کیلئے ہے اور محبت اللہ ہی کا حق ہو۔ اگر تو کسی شئے سے محبت کرے تو اللہ ہی کیلئے کر اور اگر کسی شئے کی طلب کرے تو اللہ ہی کیلئے کر۔ ؎

کعبہ را جامہ کردن از ہوس است ❊ یادِ بیت جمال کعبہ بس است

یعنی کعبے پر غلاف چڑھانا محض ایک ہوس ہے۔ کعبے کا حُسن اس وجہ سے ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کعبے کا غلاف جو تعظیماً ڈالنا جائز ہے اور کعبے کی زینت کو دوبالا کرتا ہے لیکن کعبے کی تعظیم کی اصل وجہ یہ ہو کہ وُہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ عربی کا مقولہ ہے لَیْسَ التَّکَحُّلُ فِی الْعَیْنَیْنِ کَالْکُحْلِ یعنی آنکھوں میں سُرمہ لگانا سُرمگی مانند نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو سُرمہ محبُوب کی آنکھوں میں لگ جائے اُس کی اور شان ہو جاتی ہے۔ تو پس انبیاء کرام کی محبت خدمت اور اطاعت اُن کی ذات کیلئے نہیں کی جاتی بلکہ اسلئے فرض ہے کہ اُن کی نسبت اللہ تعالیٰ کیساتھ ہے ❊

سورۂ حج

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

یہ بات بھی ہو چکی اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو بیشک وُہ پرہیزگار ہے کیونکہ یہ بات دلوں کی پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے ❊

ایک بزرگ اپنے مُریدوں کو اپنے سامنے دست بستہ کھڑا رکھتے۔ لوگوں نے عرض کیا یا حضرت! آپ اس جماعت کو بٹھاتے کیوں نہیں یہ درویشوں کا طریقہ نہیں ہے بلکہ آئینِ اُمراء و ملوک ہے۔ فرمایا آپ خاموش رہیں میں چاہتا ہوں کہ وُہ اہل اللہ کی تعظیم کریں تاکہ منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں۔ اگرچہ تعظیم کا تعلق دل سے ہے لیکن اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ یعنی ظاہر باطن کا عنوان ہے۔ عنوان کا مقصد کیا ہے؟ عنوان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مکتوب کس کیلئے ہے اور کاتب کی استعداد کیسی ہے۔ اور عنوان سے کتاب کا پتہ چلتا ہے کہ اس میں کونسے ابواب اور کونسے فصول ہیں؟ اس ظاہری تعظیم یعنی سر جھکانا اور پاؤں پر کھڑا رہنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کے دلوں میں کیسی تعظیم ہے اور حقتعالیٰ کی خاطر کسقدر تعظیم کرتے ہیں اور اگر وُہ ظاہری تعظیم بجا نہ لائیں تو معلوم ہو جائیگا کہ اُن

Marfat.com

کے قلوب ناپاک ہیں کیونکہ مردانِ حق کی تعظیم نہیں کرتے ۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ ایک نہایت عالیشان بلند مسند پر بیٹھتے تھے۔ اِن لوگوں پر بالا یا زیر کا کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ چراغ ہیں۔ چراغ اگر بالائی طلب کرتا ہے تو اپنے لئے طلب نہیں کرتا بلکہ اُس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ دُوسرے لوگ اُس کے نُور سے فائدہ اُٹھائیں ورنہ چراغ جس جگہ بھی ہو اُوپر ہو یا نیچے بہرحال ہی چراغ ہے۔ چراغ کی کیا نسبت یہ لوگ تو آفتابِ ابدی ہیں۔ اگر وُہ جاہ و جلال طلب کرتے ہیں تو خلقِ خدا کے فائدے کیلئے طلب کرتے ہیں۔ چونکہ خلائق کی نگاہ اُن کے باطنی کمال تک نہیں پہنچتی اِسلئے وُہ چاہتے ہیں کہ اِس ظاہری شان و شوکت یعنی دُنیا کے دام سے اہلِ دُنیا کا شکار کریں تاکہ اِس عروج کے فریب سے دُوسری راہ حاصل کریں یعنی دامِ آخرت میں پھنس جائیں ۔

اِسیطرح جناب سیدِ کُلّ ختمِ رُسلؐ حضور نبی کریم نورِ قدیم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مکّہ معظّمہ اور دیگر بلاد کو اِس لئے فتح نہیں کیا تھا کہ آپؐ ممالک کے خواہشمند تھے معاذ اللہ بلکہ اُن کو اِسلئے فتح کیا تھا کہ اُن کو نئی زندگی بخشیں اور مشکوٰۃِ نبوّت سے سب کو روشنائی اور بینائی عطا فرماویں ھٰذَا الْکَفُّ مَعُوْدٌ اَنْ یُّعْطِیْ وَمَا ھُوَ مَعُوْدٌ اَنْ یَّاْخُذَ یعنی یہ کفِ دست تو عطا و بخشش کی عادی ہے اور اِس کی عادی نہیں کہ لوگوں سے کچھ وصول کرے ۔

اَیسے ہی آپؐ کے نائب اقطاب عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ظاہری شان و شوکت سے خلقت کو فریب دیتے ہیں تاکہ اُن کو فیوضاتِ یزدانی سے مالا مال کریں نہ اِسلئے کہ اُن سے مال و منال وصول کریں۔ ایک شخص اِس نیت سے جال بچھاتا ہے کہ فریب سے پرندوں کو جال میں پھنسائے تاکہ اُن کا گوشت کھائے اور اُن کو فروخت کرے تو اُس کو مکر کہتے ہیں لیکن اگر ایک بادشاہ جال بچھاتا ہے تاکہ ایک گران قدر بازِ عجمی کو جو اپنے گوہر و ہنر سے ناواقف ہے پکڑے اور اپنے ہاتھ سے اُس کی تربیّت کر کے اُس کو اپنی کلائی پر جگہ دے تاکہ وُہ مشرّف و مُعلّم اور مُودّب ہو جائے تو اِس کو مکر نہیں کہتے اگرچہ بظاہر مکر ہے۔ بادشاہ کے اِس فعل کو عین راستی و عطا و بخشش اور مُردہ کو زندہ کرنے بلکہ پتھر کو لعل بنانے سے تعبیر کیا جائیگا۔ اگر باز کو اِس حکمت کا علم ہوتا کہ اُس کو کیوں پکڑتے ہیں تو دام و دانہ کا محتاج نہ ہوتا بلکہ جان و دل سے جویانِ دام ہوتا اور پرواز کر کے دستِ شاہ پر جا بیٹھتا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ

جن مسلمانوں سے کافروں کیطرف سے جنگ کی جاتی ہے اُنہیں جہاد کی اجازت دی گئی اِس سبب سے کہ اُن پر ظلم کیا گیا

اور بیشک یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہیں ۔

عالیجناب سیدِ کائنات مفخرِ موجودات شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین جناب رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے

Marfat.com

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں تشریف فرما تھے۔ کافروں نے آکر اعتراض کرنے شروع کئے۔ آپؐ نے فرمایا: آپ سب اس پر متفق ہیں کہ عالم میں ایک ہی ہستی ہے جو صاحبِ وحی ہے اور وحی اُس پر نازل ہوتی ہے اور ہر کسی پر نازل نہیں ہوتی اور اُس ہستی کے قول و فعل اور پیشانی میں علامات اور نشانیاں ہوتی ہیں بلکہ اُس کے تمام اجزاء میں آثار اور انوار ہوتے ہیں۔ اب جبکہ آپ نے اُن علامات کو دیکھ لیا ہے تو اُس ہستی کی طرف متوجہ ہو جائیے اور اُس کا دامن محکم پکڑ لیجئے تاکہ وُہ آپ کا دستگیر بنے اور آپ کی رہبری کرے۔

وہ مغلوب ہو گئے اور اُن کے پاس کوئی حُجّت پیش کرنے کیلئے باقی نہ رہی۔ بالآخر تلوار پر آن اترے اور آکر صحابہ کرامؓ کو دُکھ دیتے مارتے پیٹتے اور اُن کی تحقیر کرتے۔ حضور سراپا نُور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو فرمایا: آپ صبر کریں تا یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم پر غلبہ سے غالب آگئے اور دین کی اشاعت جبر سے کرنا چاہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ اِس دین کو خود ظاہر کریں گے۔ صحابہ کرامؓ مدتوں تک نماز پوشیدہ پڑھتے رہے اور نام مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ جپتے رہے حتیٰ کہ وحی نازل ہُوئی کہ اے حبیبِ کریم صلی اللہ علیک وسلم! آپؐ بھی تلوار سونت لیجئے اور کفّار سے جنگ کیجئے کَمَا قَوْلُهٗ تَعَالیٰ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ۔

معین الدین پروانہ نے دریافت کیا کہ پہلے پہل جب مُغل اِس مُلک میں آئے تو ننگے اور بے سروپا تھے۔ اُن کی سواری بَیل کی تھی اور جنگی اسلحہ لکڑی کا تھا۔ اِس زمانے میں بڑے صاحبِ حشمت اور متموّل ہو گئے ہیں۔ عربی نسل کے بہترین گھوڑے اور بہترین جنگی اسلحہ اُن کے پاس ہے۔ یہ ترقی اُنہیں کیسے نصیب ہُوئی؟

مَیں نے جواب دیا اُس وقت وُہ دِل شکستہ ضعیف اور بالکل کمزور تھے۔ جنابِ الٰہی میں اُن کی عاجزی قبول ہو گئی اور حقتعالیٰ نے اُن کی امداد کی۔ اِسوقت اگرچہ بڑے صاحبِ حشمت اور طاقتور ہیں لیکن حقتعالیٰ بالکل کمزور لوگوں کے ہاتھ سے اُنہیں ہلاک کرتا ہے تاکہ سمجھ لیں کہ اُنہوں نے عالم کو عنایتِ حق سے فتح کیا نہ کہ اپنی قوّت سے۔ پہلے وُہ خلقت سے دُور صحرا میں رہتے تھے اور بے نوا و مسکین و برہنہ اور محتاج تھے۔ بعض اُن میں سے تجارت کیلئے خوارزم شاہ کے ملک میں آتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے زیادہ تر سُوتی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ خوارزم شاہ نے اُن کی تجارت روک دی اور اُن کے تاجروں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اُن کے دُوسرے لوگوں سے بھی خراج لیتا اور سوداگروں کا داخلہ تو بالکل روک دیا۔ تاتاری روتے پیٹتے اپنے بادشاہ کے پاس واپس گئے کہ ہم ہلاک ہو گئے۔ بادشاہ نے اُن سے مہلت طلب کی اور خود ایک غار میں داخل ہو گیا۔ روزہ رکھنا اختیار کیا اور نہایت خضوع و خشوع کیساتھ عاجزی کی۔ حقتعالیٰ سے ندا آئی کہ ہم نے تمہاری زاری قبول کی۔ غار سے باہر نکل اور جس جگہ تُو جائیگا فتح و نصرت تیرے قدم چُومیں گی۔ یہ وجہ تھی کہ

Marfat.com

جب وُہ غار سے باہر آیا اور اُن کو مژدہ سُنایا تو یہ لوگ امرِ الٰہی سے فاتح ہو گئے اور عالم پر چھا گئے۔

سورۃ مؤمنون

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ٥

پس کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں آؤ گے؟

معین الدین پروانہ نے کہا کہ تاتاری بھی قیامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن نیکی اور بدی کا اندازہ کیا جائیگا اور ذرّے ذرّے کا حساب کتاب ہو گا۔

مَیں نے جواب دیا کہ جھُوٹ بولتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے آپکو مسلمانوں میں شریک کریں اسلئے حشر اور حساب کتاب کا اقرار کرتے ہیں۔ اُونٹ سے لوگوں نے دریافت کیا کہاں سے آرہا ہے؟ بولا حمام سے۔ لوگوں نے جواب دیا تیرے پاؤں کی ایڑی سے ظاہر ہے۔ اب اگر وُہ واقعی مُقرِّ حشر ہیں تو اسکا نشان اور علامت کہاں ہے؟ یہ معاصی وظلم و بُرائیاں مثل برف اور یخ کے ہیں جو تُو بر تو منجمد ہیں۔ جب انابت و پشیمانی و احوالِ آخرت اور خوفِ خدا کا آفتاب دِل کے آسمان پر طلوع فرماتا ہے تو جملہ معاصی کی برفیں پگھل جاتی ہیں جیسا کہ آفتاب برف اور یخ کو پگھلا دیتا ہے۔ اگر برف اور یخ کہے کہ مَیں نے آفتاب کو دیکھا ہے اور آفتاب پُوری حدّت سے مجھ پر چمکا ہے اور وُہ ویسے ہی منجمد رہے تو کوئی عاقل اِس دعوے کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ یہ محال ہے کہ آفتاب پُوری آن سے چمکے اور برف و یخ نہ پگھلیں۔

اگرچہ حقتعالیٰ نے وعدہ کیا ہُوا ہے کہ نیکی اور بدی کی سزا اور جزا قیامت کے دن ملے گی لیکن اُس کا کچھ تدرے نمونہ دارِ دُنیا میں ہی دمبدم اور لمحہ بلحہ ملتا رہتا ہے۔ اگر آدمی کے دِل میں خوشی آجائے تو یہ اِس اَمر کی جزا ہے کہ اُس نے کسی کا دِل خوش کیا ہے اور اگر وُہ غمگین ہو جاتا ہے تو یہ اِس اَمر کی سزا ہے کہ اُس نے کسی کا دِل غمگین کیا ہے۔ یہ اُس عالم کا تحفہ ہے اور روزِ محشر کا نمونہ ہے تاکہ اِس تھوڑے سے اُس بہت کا اندازہ ہو جائے جیسا کہ گندم کے انبار سے ایک مُشت بطورِ نمونہ دکھاتے ہیں۔

آنحضور آنکھوں کے نُور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم باوجود اِس عظمت اور بزرگی کے جو آپؐ کو نصیب ہے کا دستِ مبارک ایک رات درد کرنے لگا۔ وحی نازل ہُوئی کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مبارک کے درد کی تاثیر سے ہے جب کہ آپؐ نے اُس کو قیدی بنالیا تھا اور دُوسرے قیدیوں سمیت اُس کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ اگرچہ امرِ الٰہی سے ہاتھ باندھے تھے لیکن پھر بھی جزا مل گئی۔ اِس واقعہ سے تجھے جان لینا

Marfat.com

چاہیئے کہ یہ قبض اور تیرگی کے حجاب اور غموم وہموم جو تجھ پر نازل ہوتے ہیں کسی معصیت اور آزار کی تاثیر سے ہیں جو تُو نے کئے ہیں اگرچہ تفصیلاً تجھے یاد نہیں ہیں لیکن جس وقت تو معاصی میں اِس قدر تجاوز کر جائے کہ تجھے نیک و بد کی تمیز ہی نہ رہے اور بوجہ جہالت یا غفلت یا بے دینوں کی صُحبت کے تُو گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے تو جزا میں غور کر کہ تجھے کس قدر بسط اور کس قدر قبض نصیب ہے۔ یاد رکھ کہ قبض جزائے معصیت ہے اور بسط جزائے طاعت۔

ایک دن حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگلی مبارک کی انگوٹھی مبارک کو پھیر رہے تھے عتاب نازل ہُوا کہ ہم نے آپؐ کو بازی اور بیکاری کیلئے نہیں پیدا کیا۔ کما قولہٗ تعالیٰ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (پس کیا آپؐ نے یہ گمان کیا تھا کہ ہم نے آپؐ کو بیفائدہ پیدا کیا ہے) اب اِس سے تُو قیاس کر کہ تُو سارا دِن کس شغل میں گذارتا ہے خیر میں یا شر میں معصیت میں یا طاعت میں؟

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہر کسی کو کسی خاص کام کیلئے پیدا کیا ہے۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو خلق کی تربیت میں مشغول کیا اور خضر علیہ السلام کو کُلی طور پر اپنی ذات کیطرف مشغول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے کُلی طور پر اپنی ذات میں مشغول کیا اور بعد میں امر کیا کہ خلقت کو دعوتِ حق دیجئے اور اُن کو نصیحت فرمائیے اور اُن کی اصلاح کیجئے۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہ وزاری شروع کی اور عرض کیا: یا رب! مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہُوا؟ مجھے آپ بارگاہِ عزت سے کیوں دُور کرتے ہیں؟ میں خلق کو نہیں چاہتا۔ حقتعالیٰ نے جواب دیا: اے حبیب پاک صلی اللہ علیک وسلم! آپؐ غم مت کریں۔ ہم نے آپؐ کو چھوڑ نہیں دیا کہ آپؐ خلق میں مشغول ہو جائیں بلکہ اُس عین مشغولی میں آپؐ میرے ساتھ ہوں گے اور جسقدر قُربِ آپؐ کو اسوقت حاصل ہے خلق سے مشغول ہونے کے بعد سرِمُو اِس میں فرق نہ پڑے گا۔ بلکہ جس کام میں آپؐ مشغول ہوں گے عین وصل کی حالت میں ہوں گے۔

سورہ فرقان

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔

اور رحمٰن کے بندے وُہ لوگ ہیں جو زمین کے اوپر آہستہ چلتے ہیں اور جسوقت جاہل اُن سے بات کرتے ہیں کہتے ہیں کہ سلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہمیشہ متواضع ہوتا ہے اور یہ وصفِ عالی اُسکا ایک جوہر ہے اور اُس کا خاصہ ہے جیسا کہ وُہ ٹہنی جس پر پھل بہت زیادہ لگ جائے تو وُہ پھل اُس کو نیچے جھکا دیتا ہے اور جس شاخ

Marfat.com

پر پھل کوئی نہ ہو تو وُہ سفیدہ کے درخت کیطرح سر اُونچا رکھتی ہے۔ لیکن جب پھل حد سے زیادہ لگ جائے تو نیچے ستون رکھے جاتے ہیں تاکہ شاخ کُلی طور پر نیچے نہ آجائے۔ عالیجناب سیدِ کُل ختمِ رُسُل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم عظیم متواضع تھے۔ چونکہ عالم کے تمام میوہ جات اوّل سے لیکر آخر تک آپؐ پر جمع تھے اِس لئے آپؐ سب سے زیادہ متواضع تھے حتیٰ کہ مَا سَبَقَ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَدٌ فِی السَّلَامِ یعنی سلام کہنے میں کسی نے رسول اللہؐ پر سبقت نہ لی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے ہرگز کسی شخص نے سلام نہ کہا کیونکہ غایت تواضع کیوجہ سے آپؐ ہمیشہ پیش دستی کرتے اور اگر تقدیراً کسی موقع پر آپؐ نے پہلے سلام نہیں دیا تو پھر بھی متواضع آپؐ ہی ہیں اور سلام میں سابق آپؐ ہی ہیں کیونکہ تمام عالم نے سلام آپؐ ہی سے سیکھا اور آپؐ ہی سے سُنا۔ جملہ متقدمین اور متاخرین کے کمالات آپؐ ہی کے کمالات کا عکس ہیں اور آپؐ ہی کا سایہ ہیں۔ اگر کسی شخص کا سایہ مکان میں اُس سے پہلے داخل ہو جائے تو حقیقت میں پیش وہی شخص ہے اگرچہ ظاہر میں سایہ سابق ہے کیونکہ سایہ جو اُس پر سبقت لے گیا ہے آخر اُسی کی فرع ہے۔ اور یہ خلائق اب سے نہیں ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے اجزاء میں بطور ذرات تھے۔ یہ ذرات بعضے روشن بعضے نیم روشن اور بعضے تاریک تھے۔ اِس گھڑی وُہی ذرات ظاہر ہو رہے ہیں لیکن یہ تابانی و روشنی جو آفتاب حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ذرات میں سے ہے سابق ہے اور اُسی آفتاب کا ایک ذرہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں سب سے صافی تر و روشن تر اور متواضع تر ہو کر چمکا۔

بعضوں کی نگاہ اوّل پر ہے اور بعضوں کی آخر پر۔ یہ لوگ جنکی نظر آخر پر ہے عزیز ہیں اور بزرگ ہیں کیونکہ انکی نظر عاقبت پر اور آخرت پر ہے اور جنکی نظر اوّل پر ہے وُہ خاص تر ہیں کیونکہ وُہ کہتے ہیں کہ آخر پر نظر کرنے کی کیا حاجت ہے جب اوّل میں گندم بوئی جائے تو جَو نہیں اُگیں گے اور جنہوں نے جَو بوئے ہیں اُن کیلئے گندم نہیں اُگے گی۔ پس اُن کی نظر اوّل پر ہے۔ اور ایک اَور گروہ خاص ترین ہیں ان کی نگاہ نہ اوّل پر ہے نہ آخر پر بلکہ اُن کو اوّل آخر یاد ہی نہیں وُہ ذاتِ حق کے سمندر میں مستغرق ہیں۔ اور ایک اَور قسم کے لوگ ہیں جو دُنیا میں غرق ہیں۔ غایت غفلت کی وجہ سے وُہ اوّل و آخر کو دیکھتے ہی نہیں۔ یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ تمام خلائق کی اصل عالیجناب سرورِ کائنات مفخر موجودات تاجدارِ لولاک حضرت محمدؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اور تمام کاملین اوّلین و آخرین کے کمالات یعنی شرف و تواضع و حلم اور مقامات بلند سب آپؐ ہی کی بخشش ہیں اور آپؐ ہی کا سایہ ہیں کیونکہ آپؐ ہی سے پیدا شدہ ہیں جیسا کہ جو کچھ یہ ہاتھ کرتا ہے عقل کے سایہ سے کرتا ہے کیونکہ عقل کا سایہ اُس پر ہے۔

اگرچہ عقل کا سایہ نہیں ہے لیکن اُس کا سایہ بے سایہ ہے جیسا کہ معنیٰ کی ہستی بے ہستی ہے۔ اگر آدمی پر

Marfat.com

عقل کا سایہ نہ ہو اُس کے سارے اعضاء معطّل ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ صحیح طور پر نہیں پکڑتے پاؤں سیدھے راہ پر نہیں چلتے آنکھ صحیح طور پر نہیں دیکھتی اور کان صحیح طور پر نہیں سُنتے۔ پس عقل کے سایہ میں یہ سارے اجزاء اپنا اپنا کام بالکل ٹھیک اور قاعدے کے مطابق کرتے ہیں۔ اسی طرح وُہ نادر ہستی جو خلیفۂ وقت یعنی قطب زمان ہے مثل عقلِ کُل کے ہے اور تمام آدمیوں کے عقول اُس کے اعضاء کی مثل ہیں۔ جو کچھ وُہ کرتے ہیں اُس کے سایہ سے کرتے ہیں اور جب اُن سے کوئی کجی سرزد ہوتی ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس عقلِ کُل نے اپنا سایہ اُن سے اُٹھا لیا ہوتا ہے۔ جیسا کہ جب ایک آدمی دیوانہ ہو جاتا ہے تو ناپسندیدہ حرکات شروع کر دیتا ہے اور ہر کوئی پا لیتا ہے کہ عقل اُس کے سر سے غائب ہے اور اُس پر سایہ نہیں ڈال رہی اور وُہ عقل کے سایہ اور پناہ سے دُور جا پڑا ہے ۔

عقل فرشتے کی جنس ہے۔ اگرچہ فرشتے کی صُورت ہے اور پر و بال بھی ہیں اور عقل کے نہیں لیکن درحقیقت ایک ہی چیز ہیں ایک ہی فعل کرتے ہیں اور ایک ہی طبع رکھتے ہیں۔ پس صُورت پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے کیونکہ حقیقت میں دونوں کا ایک ہی فعل ہے۔ مثال کے طور پر اگر تُو فرشتے کی صُورت کو گداز کر دے تو سب عقل ہو جائیگا پر و بال سے کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ پس ہم نے جان لیا کہ مَلک محض عقل ہی عقل تھا لیکن مجسّم شُدہ اور اسی لئے ملائکہ کو عقلِ مجسّم کہتے ہیں۔ اسیطرح اگر تُو موم کا ایک پرندہ بنائے اور اُس کو پر و بال بھی لگائے تو حقیقت میں وُہ وہی موم ہے کیونکہ اگر تُو اُس کو گداز کرے تو وہی موم باقی رہ جائیگی اور اُس کے سر و پا و پر و بال سے کوئی چیز نہ رہ جائے گی۔ پس ہم نے جان لیا کہ پرندہ جو موم سے بنایا جاتا ہے حقیقت میں وہی موم ہے لیکن موم پر نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ اور اسی طرح برف پانی ہی ہے اگر پگھل جائے تو محض پانی ہے لیکن جب تک پانی منجمد ہو کر برف نہ بنا تھا کوئی شخص اُس کو ہاتھ میں نہ پکڑ سکتا تھا پس اِس سے زیادہ فرق نہیں ہے کہ آب نامصوّر مصوّر شُدہ ہے ۔

آدمی کے احوال اسطرح پر ہیں کہ فرشتے کا پَر لا کر گدھے کی دُم پر باندھ دیا گیا ہے تاکہ وُہ فرشتے کی صحبت سے فرشتہ بن جائے کیونکہ جب گدھا اُس کے رنگ سے ہمرنگ ہوگا تو مَلک ہو جائیگا۔ ؎

از خرد پر داشت عیسیٰؑ بر فلک پرّید او ٭ گر خرش را نیم پر بُودے نماندے در خری

(حضرت عیسیٰ علیہ السّلام عقل کے پَر رکھتے تھے اِسلئے آپؑ آسمان پر پرواز کر گئے۔ آپؑ کا گدھا اگر عقل کا نیم پَر بھی رکھتا تو گدھا نہ رہتا) اور کیا عجب کہ گدھا ترقّی کر کے بالآخر آدمی بن جائے کیونکہ خداوند تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ یہ بچہ آخر جب پیدا ہوتا ہے تو گدھے سے بھی بدتر ہوتا ہے کیونکہ ہاتھ نجاست سے بھر کر مُنہ میں ڈال لیتا ہے لیکن گدھے کو اِتنی تمیز تو ہے کہ پیشاب کرنے کے وقت پاؤں کھول دیتا ہے تاکہ پیشاب

Marfat.com

کے قطرات اُس پر نہ گریں۔ جب اُس طفل کو جو خر سے بھی بدتر ہے حقتعالے ایک زیرک اور دانا آدمی بنا دیتا ہو تو خر کو اگر آدمی بنا دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز عجب نہیں ﴿

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ

البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے پس اللہ تعالیٰ اُن کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل دینگے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿

یقین کی صفت شیخ کامل ہے اور نیک ظن اُس کے سچے مُرید ہیں لیکن ان ظنون میں بھی مراتب کے لحاظ سے بڑا فرق ہے مثلاً اعتقاد و اغلب اعتقاد و اغلب اغلب اعتقاد۔ اسیطرح جو گمان قوی تر ہو وہ یقین سے نزدیک تر ہوتا ہے۔ اور انکار سے دُور تر۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا کیونکہ آپؓ کا اعتقاد اور یقین سب سے زیادہ قوی تھا اس لئے صدیق اکبر کے لقب سے ملقب ہوئے اور خلیفۂ اوّل ٹھہرے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَوْ وَزَنَ اِيْمَانُ اَبِيْ بَكْرٍ بِاِيْمَانِ اَهْلِ الْاَرْضِ لَرَجَحَ یعنی اگر سیّدنا امیر المؤمنین حضرت جناب ابوبکر صدیق خلیفۂ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کو باقی تمام اہلِ زمین کے ایمان کے برابر رکھ کر وزن کیا جائے تو وہ بڑھ جائیگا ﴿

تمام ظنونِ راست یقین سے دُودھ چُوستے ہیں اور پھلتے پھُولتے ہیں۔ اُن ظنون کا علم و عمل میں بڑھنا یعنی قوی تر ہونا اُس دُودھ چُوسنے اور پھلنے پھُولنے کی علامت ہے۔ حتیٰ کہ اُن میں سے ہر ایک یقین میں کلّی طور پر فانی ہو جاتا ہے اور خود یقین کی صُورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ جب آفتاب یقین دِل کے آسمان پر طلوع فرماتا ہے تو ظن کے ستارے سب مات پڑ جاتے ہیں۔ یہ ظاہری شیخ اور مریدانِ شیخ عالمِ اجسام میں اس شیخ یقین اور اُس کے مُریدوں کے نقوش ہیں۔ اُس پر دلیل یہ ہے کہ یہ نقوش دَوراً بعد دَور اور قرناً بعد قرن تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور وُہ شیخ یقین اور اُس کے مُریدان یعنی ظنونِ راست عالَم میں عَلٰی مَرِّ الْاَدْوَارِ وَالْقُرُوْنِ وَمِنْ غَيْرِ تَبَدُّلٍ قائم ہیں یعنی یقین اور نیک ظنون اَزل سے اَبد تک ایک ہی حالت میں بغیر کسی قسم کی تبدیلی کے قائم و برقرار ہیں ﴿

اسیطرح ظنونِ بد مغالطہ میں ڈالنے والے گمراہ کرنے والے اور انکار کرنیوالے شیخ یقین کی بارگاہ سے راندے ہُوئے ہیں اور ہر روز اُس سے دُور تر دپس تر ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ اُن کا یہ مرض ہر روز بڑھتا چلا جاتا ہے جس سے وُہ نشو و نما پاتے ہیں کَمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا یعنی

Marfat.com

اُن کے دِلوں میں روگ تھا سو خداوند تعالیٰ نے اُن کے روگ کو بڑھا دیا (بقرہ ۔ ع ۲)۔
اب خواجگان خرما کھاتے ہیں اور شتران خار کھاتے ہیں یعنی ابرار لوگ نیک عمل کماتے ہیں اور اشرار لوگ بدعمل کماتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ۝ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ۝ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ یعنی بھلا کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کہ کیسا بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کئے ہیں اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے؟ (غاشیہ) جب وہ کسی فاسق فاجر پر کرم کماتے ہیں تو اُس کو توبہ کی توفیق بخش دیتے ہیں اور ایسے اعمالِ صالحہ کی ہدایت فرماتے ہیں کہ اُنکے باعث وہ مقربِ بارگاہ ہو جاتا ہے اور اُس پر فضلِ خداوندی کی بارش اِس قدر ہوتی ہے کہ اُس کے سابقہ گناہ بھی نیکیوں میں بدل دیئے جاتے ہیں كما قولہٗ تعالیٰ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ یعنی البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے پس خداوند تعالیٰ اُن کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔
جب ایک فاسق فاجر آدمی مقربِ بارگاہ ہو جاتا ہے تو جو بُرے اوصاف اُس نے افسادِ ظن کے کے باعث حاصل کئے ہوتے ہیں وُہی اب اصلاحِ ظن میں قوت دیتے ہیں جیسا کہ ایک شخص بڑا دانا چور تھا اُس نے چوری سے توبہ کی تو اُس کو شہر کا کوتوال مقرر کر دیا گیا۔ وہ چوری کی طراریاں اور چالاکیاں اس منصب کے فرائض کو پورے عدل و احسان کیساتھ ادا کرنے کے لئے اب اِس کیلئے قوت بن جاتی ہیں اور یہ دُوسرے کوتوالوں سے جو پہلے چور نہ تھے افضل ہے کیونکہ یہ چور کوتوال چوروں کے پیشہ کو خوب جانتا ہے اور چوروں کے احوال اُس سے پوشیدہ نہیں ہوتے۔ زہے قسمت اگر ایسا شخص شیخ بن جائے تو نہایت کامل ہوگا رہبرِ عالم ہوگا اور مہدیِ زمان ہوگا۔

سُورۂ شعرآء

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پروردگار مشرق و مغرب کا اور اُس چیز کا جو اِن دونوں کے درمیان میں ہے اگر تم سمجھتے ہو۔

میرے ابتدائی کلام میں جوش و ولولہ تھا اور اسلئے اُس کلام میں اثر ہونا بھی قدرتی تھا لیکن اب جبکہ

Marfat.com

وُہ جوش اور وُہ ولولہ سرد ہو چکا ہے کلام میں اثر اب بھی وُہی باقی ہے اور یہ اُس رَبّ کا فیضان ہے جو مشرق و مغرب دونوں کا ربّ ہے یعنی جو طلوع و غروب آغاز و انجام اِبتداء و اِنتہا دونوں حالتوں میں اپنے فیضِ رَبُوبیّت کو جاری رکھتا ہے بِقَوْلِهٖ تعَالیٰ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ ○

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ قَالُوْا لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ○

بے شک ضرور میں تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پاؤں کو جانب خلاف سے (یعنی داہنا ہاتھ تو بایاں پاؤں) کاٹ ڈالونگا اور بے شک یقیناً میں تم سب کو سُولی دُوں گا۔ اُنہوں نے کہا کچھ حرج نہیں بیشک ہم اپنے پروردگار کیطرف لوٹنے والے ہیں ○

چند یار مل کر ایک امیر کے پاس گئے۔ وُہ اُن پر ناراض ہُوا کہ تم سب کا اِس جگہ کیا مطلب ہے؟ بولے یہ ہمارا غلبہ اور اژدحام اِس غرض سے نہیں ہے کہ ہم کسی پر ظلم کریں بلکہ اِس لئے ہے کہ ہم تحمل اور صبر میں ایک دُوسرے کے معاون بنیں اور ایک دُوسرے کی مدد کریں جیسا کہ تعزیت کے موقع پر لوگ جمع ہو جاتے ہیں لیکن وُہ اِس غرض سے جمع نہیں ہوتے کہ موت کو دفع کر دیں بلکہ اِس غرض سے کہ صاحبِ مُصیبت کو سہارا دیں اور اُس کے دل سے وحشت دُور کر دیں ○

اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ یعنی تمام مومنین مثل ایک ذات واحد کے ہیں۔ رُوئے زمین کے درویش یک تن کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر اعضاء میں سے ایک عضو کو درد ہو تو باقی تمام اعضاء مُتالم ہو جاتے ہیں آنکھ دیکھنا چھوڑ دیتی ہے اور کان سُننا چھوڑ دیتا ہے اور زبان کلام کرنا چھوڑ دیتی ہے اور سب اُسی ایک عضو پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یاری کی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو اپنے یار کی خاطر فدا کر دیں اور یار کی خاطر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیں کیونکہ سب ایک ہی محبوبِ لم یزلی کے عاشق اور ایک ہی سمندر میں غوطہ زن ہیں اوّل اثرِ ایمان اور شرطِ اِسلام یہی ہے۔ چنانچہ حضرت مُوسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مقابلہ میں جب فرعون کے جادُوگر آپؑ کا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے اور اسلام قبول کر لیا تو فرعون نے دھمکی دی کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دُوں گا اور سُولی پر لٹکا دوں گا۔ سب نے سُولی منظور کر لی اور خُمخانۂ وحدت کے مستِ الست نشۂ توحید میں سرشار ہو کر بولے وُہ یار جو تن کو قتل کرے اُس یار سے کیسے مل سکتا ہے جو جان کو قتل کرے۔ ہم نے جان جانان کے سپُرد کی ہُوئی ہے اور وصالِ جانان کے لئے تن کو یار پہ وار کر دار پر چڑھانا ہمارے لئے بالکل سہل بلکہ فرض ہے اور تن سے فارغ ہوتے ہی ہم محبوبِ حقیقی کیساتھ واصل ہو جائیں گے جیسا

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَالُوْا لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۰ یعنی بولے کچھ ہرج نہیں ہم کو تو اپنے پروردگار کی طرف پلٹنا ہے۔

مومن نے جب اپنے آپ کو فدائی حق کر دیا ہو تو پھر بلیات و خطرات اور دست و پا کا کیا غم۔ جب دوست کی طرف جا رہا ہے تو پھر دست و پا کی کیا حاجت۔ دست و پا تو تجھے اسلئے دیئے گئے تھے کہ تو ان کی مدد سے اس طرف چلے لیکن جب تو پا ساز و دست ساز کے پاس جا رہا ہو تو پھر چاہے ہاتھ کٹ جائیں چاہے پاؤں کٹ جائیں یا سحرۂ فرعون کی طرح تو بالکل بے دست و پا ہو جائے تو کیا غم۔ رُباعی

زہر از کفِ یارِ سیمبر بتواں خورد ٭ تلخی سخنش ہمچو شکر بتواں خورد

بس بانمکست یار بس بانمکست ٭ جائے کہ نمک بود جگر بتواں خورد

(ترجمہ) چاندی جیسے جسم والے محبوب کے ہاتھ سے زہر کھایا جا سکتا ہے۔ اس کے سخن کی تلخی شکر کی طرح کھائی جا سکتی ہے۔ محبوب کا حسن بہت ہی جاذب ہے بیحد جاذب ہے۔ جس محبوب کا حسن چمکارے مار رہا ہو اس کے عشق میں کلیجہ کھایا جا سکتا ہے۔

سورہ قصص

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ

اور اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہ کرو۔ کوئی معبود سوا اس کے نہیں۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوا

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۰

اس کی ذات کے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوگ لوٹائے جاؤ گے۔

محبِّ صادق معین الدین پروانہ وزیرِ سلطنت نے کہا کہ میں شب و روز جان و دل سے بادشاہ کی خدمت میں مشغول ہوں اور امورِ سلطنت و مشاغلِ مملکت کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ شغل بھی شغلِ حق ہے کیونکہ مسلمانوں کے امن و امان کا سبب ہے۔ آپ نے چونکہ اپنا مال اور اپنا تن اسلام پر فدا کر دیا ہوا ہے تاکہ مسلمانوں کے دل کو آرام پہنچے اس لئے جب تک چند مسلمان بھی امن سے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہیں یہ نہایت ہی کارِ خیر ہے۔ اور چونکہ حقتعالیٰ نے آپ کو ایسے کارِ خیر کی رغبت دی ہوئی ہے تو یہ اس کی عنایت کی دلیل ہے۔ اگر آپ کے اس میلان میں فتور آ جائے تو یہ اس کی بے عنایتی کی دلیل ہے کہ حقتعالیٰ نہیں چاہتے کہ ایسی خیرِ خطیر آپ کے سبب سے

وقوع پذیر ہوتا کہ آپ اُس ثواب اور درجات کے مستحق نہ ہوں۔ مثال کے طور پر حمام کو لیجئے جو گرم ہے۔ حمام گھاس پھُوس سُوکھی لکڑی اور گوبر وغیرہ کے جلانے سے گرم ہوتا ہے۔ حمام کے گرم کرنے کیلئے حقتعالےٰ نے اگرچہ ایسے اسباب پیدا کئے ہُوئے ہیں جو بظاہر بُرے اور مکروہ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اسباب حمام کیلئے عین عنایت ہیں کیونکہ اِنہی کے سبب سے وُہ گرم ہوتا ہے اور خَلق کو فائدہ پہنچا تا ہے۔

اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعض اوقات خاص ہوتے ہیں۔ اُن اوقات میں اگر وُہ اپنے اصحاب کے ساتھ قیام وکلام نہ کریں اور اُن کیطرف التفات نہ فرماویں تو یہ عین احترام ہوتا ہے کیونکہ ہر چیز کا احترام اُسوقت کے مطابق ہوتا ہے مثلاً نماز میں باپ یا بھائی کی طرف توجہ فرمانا اور تعظیم کرنا منع ہے۔ حالتِ نماز میں اقربا و رُفقاء کیساتھ بے التفاتی عین التفات اور عین نوازش ہے کیونکہ جب نمازی اُن کی خاطر اپنے آپ کو طاعت و استغراق سے جُدا نہیں کرتا اور مشوّش نہیں ہوتا تو وُہ مستحق عقاب و عتاب نہیں ٹھہرتے پس اُن کے حق میں عین التفات اور عین نوازش ہے کیونکہ اُس نے اُس چیز سے عُذر کیا ہے جس میں اُن کی عقوبت ہے۔

ایک عزیز نے سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ تک رسائی کیلئے نماز سے زیادہ نزدیک کوئی اور راہ بھی ہے؟ مَیں نے جواب دیا کہ صرف نماز لیکن نماز سے مُراد یہ صرف ظاہری نماز نہیں ہے یہ قالب نماز ہے کیونکہ اس نماز کا ایک اوّل ہے اور ایک آخر ہے تکبیر نماز کا اوّل ہے اور سلام نماز کا آخر ہے اور جس چیز کا ایک اوّل ہو اور ایک آخر ہو وُہ قالب کہلاتا ہے۔ اِسیطرح شہادت وُہ نہیں جو صرف زبان سے دی جائے کیونکہ اُس کا بھی ایک اوّل ہے اور ایک آخر ہے۔ جو چیز حرف وصَوت میں سما جائے اُس کیلئے اوّل و آخر کا ہونا لازمی ہے لہٰذا وُہ صُورت اور قالب ہے۔ جان تو بیچون و بے حد ہے اُس کیلئے نہ اوّل ہے نہ آخر۔ اِس نماز کو انبیاء علیہم السّلام نے پیدا کیا ہے اور وُہ نورِ قدیم علیہ التحیۃ والتسلیم جس نے اِس نماز کو پیدا کیا ہے کیسے اِرشاد فرماتے ہیں لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں نہ فرشتہ مقرب سما سکتا ہے نہ نبی مرسل سو ملکِ مقرب جبرائیل علیہ السّلام ہے اور نبی مُرسل سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہویّت مُراد ہے (یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مقامِ خاص لِیْ مَعَ اللّٰہِ میں نہ جبریلؑ ہے نہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے) پس ثابت ہُوا کہ یہ ظاہری نماز نماز کی صرف صُورت ہے اور استغراق و محویت جانِ نماز ہے کیونکہ اُس وقت تمام صُورتیں باہر رہ جاتی ہیں۔ بلکہ صُورتوں کی اُس جگہ گنجائش ہی نہیں۔

حضرت مولانا بہاؤ الدین ولد قدسنا اللہ بسرہ العزیز کا ذکر ہے کہ ایک دِن آپؒ حالتِ استغراق میں تھے

کہ نماز کا وقت آ گیا۔ بعض مریدوں نے آواز دی کہ قبلہ نماز کا وقت ہے۔ مولانا صاحب نے اُن کے کہنے پر التفات نہ فرمائی وُہ اُٹھ کھڑے ہُوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ دو مُریدوں نے شیخ کی موافقت کی اور نماز کیلئے نہ اُٹھے۔ اُن مُریدوں میں سے جو نماز پڑھ رہے تھے ایک کا نام خواجگی تھا اُس کو سرکی آنکھ سے دکھایا گیا کہ جُملہ اصحاب جو نماز با جماعت ادا کر رہے تھے کی پُشت قبلہ کی طرف تھی اور اُن دو مُریدوں جنہوں نے شیخ کی موافقت کی تھی کا مُنہ قبلہ کی طرف تھا کیونکہ شیخ اپنی ہستی سے فانی اور ذات حق سے باقی تھا یعنی چونکہ شیخ نورِ حق میں مستہلک تھا اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کا مصداق تھا اسلئے وُہ عین نورِ حق تھا اور جو کوئی نورِ حق کی طرف پُشت کرے اور دیوار کیطرف مُنہ کرے واقعی اُس نے قبلہ کی طرف پُشت کر لی ہے کیونکہ وُہ جانِ قبلہ ہے۔ یہ کعبہ جو قبلہ گاہِ عالم ہے آخر اِس کو یہ شرف اسوجہ سے نصیب ہُوا ہے کہ وُہ ایک نبیؑ کے دستِ مُبارک سے تعمیر شُدہ ہے پس اگر اُس کی ذات قبلہ ہو تو بطریق اولیٰ کعبہ سے افضل ہے اور شیخ مُرید کیلئے قبلہ ہوتا ہے۔

ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے آواز دی۔ جلدی سے نماز کو پُورا فرما کر حاضر ہُوئے۔ ارشاد فرمایا کہ تم کو حاضری میں دیر کیوں ہوئی؟ عرض کیا نماز میں تھا۔ فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ سورہ انفال رکوع ۳ یعنی اے ایمان والو اللہ اور رسولؐ کے فرمان کو بجالاؤ جب وُہ تم کو پُکاریں۔ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلّم میں عاجز اور بیچارہ ہُوں مجھے معافی دی جاوے۔ آپؐ نے فرمایا کیا ہی اچھا ہو اگر تو ہر وقت ہر حال میں اپنے آپ کو بیچارہ سمجھے۔ جیسا کہ حالتِ عجز میں تُو اپنے آپ کو ہیچ سمجھتا ہے حالتِ قُدرت میں بھی اپنے آپ کو ہیچ سمجھ کیونکہ تیری قدرت سے بالا ایک اور قُدرت ہے اور تمام احوال میں تُو اسیرِ تقدیرِ قدیر ہے۔ تُو محض مجبور اور مامور اور معذور ہے۔ تُو گاہے بیچارہ ہے اور گاہے باچارہ لیکن حقیقتاً تو نیست ہے ہمیشہ بیچارہ ہے سب بے دست و پا ہے اور عاجز و مسکین ہے۔ آدمی ضعیف تو درکنار شیر و پلنگ و نہنگ بھی اُس کے سامنے عاجز اور لرزاں ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں میں اُسی کا حکم جاری ہے۔ وُہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اُس کا نور مہرو ماہ کے نور کیطرح نہیں ہے کہ اُس کے وجود کے سامنے کوئی چیز باقی رہے۔ جب اُس کا نور بے پردہ ظہور فرماتا ہے تو عارف کی نظر میں نہ آسمان باقی رہ جاتا ہے نہ زمین نہ شمس نہ قمر بلکہ اُس بادشاہِ حقیقی کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی کَمَا قَوْلُہٗ تَعَالٰی کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ یعنی بجز اُس کی ذات کے ہر شئے فانی ہو۔

ایک بادشاہ نے ایک درویش کی خدمت میں عرض کیا کہ جس گھڑی آپ کو حقتعالیٰ کی درگاہ میں تجلّی و قُرب نصیب ہو اُس وقتِ خاص میں مجھ کو بھی یاد فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا جس وقت مجھے اُس بارگاہ

کی حضوری نصیب ہوتی ہے اور تجلیات کا وُرود ہوتا ہے تو مَیں اپنے آپ سے بیخبر ہوجاتا ہُوں تجھ کو کیسے یاد کروں لیکن جب حقتعالیٰ کسی بندہ کو برگزیدہ اور اپنی ذات میں مستغرق کرلیتے ہیں تو جو کوئی اُس کا دامن پکڑتا ہے اور اُس سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے بغیر اس چیز کے وُہ بزرگ حقتعالیٰ کے سامنے عرض کرے اللہ تعالیٰ اُس سائل کی حاجت پُوری کر دیتے ہیں ۔

حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اُس کا ایک نوکر بہت ہی خاص اور عظیم مقرب تھا۔ جب وُہ نوکر بادشاہ کے محل کیطرف جانے کا قصد کرتا تو حاجتمند لوگ اُس کو اپنی درخواستیں پیش کرتے تاکہ بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ وُہ اُن کو چمڑے کی تھیلی میں ڈال لیتا۔ جب بادشاہ کے حضور میں پہنچتا تو بادشاہ کا حُسن وجمال دیکھ کر مدہوش ہوجاتا۔ بادشاہ عشقبازی کے طریقہ سے اُس کے سینے وجیب وچرمدان کی تلاشی لیتا کہ یہ بندۂ مدہوش من مستغرق جمالِ من اپنے پاس کیا رکھتا ہے؟ وُہ درخواستیں اُس کو مل جاتیں اور بادشاہ تمام درخواستوں پر منظوری کے دستخط کرکے پھر چرمدان میں ڈال دیتا۔ الغرض تمام سائلوں کی حاجتیں بغیر اُس کے عرض کرنے کے پُوری ہوجاتیں اور ایک شخص کی درخواست بھی رَدّ نہ ہوتی بلکہ طُرّہ یہ کہ طلب سے بھی زیادہ مُرادیں ملتیں۔ اُس کے مقابل دُوسرے نوکر جو ہوشیار تھے تاب نہ رکھتے تھے کہ حاجتمندوں کی درخواستیں بادشاہ کے سامنے پیش بھی کریں اور ڈرتے ہُوئے کوئی پیش کرتے بھی تو سو میں سے ایک منظور ہوتی ۔

سورہ احزاب

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

بے شک ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اُنہوں نے اُس کے اُٹھانے

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

سے اِنکار کیا اور اُس سے خوف کھایا اور انسان نے اُس کو اُٹھا لیا بیشک وُہ اپنے حق میں ظالم اور جاہل ہے ۔

ایک شخص نے کہا مَیں یہاں ایک چیز بھُول گیا ہُوں۔ مَیں نے کہا عالم میں صرف ایک ہی چیز ہے جو فراموش نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر تُو تمام چیزیں بھلادے اور وُہ نہ بھلاوے تو کچھ باک نہیں اور اگر تُو تمام چیزیں یاد رکھے تمام امور بجالائے لیکن اُس ایک کو فراموش کردے تو گویا تُو نے کچھ بھی نہ کیا۔ مثال کے طور پر ایک بادشاہ تجھ کو ایک معیّن کام کیلئے ایک گاؤں میں بھیجتا ہے۔ تُو چلا گیا اور صد ہزار دُوسرے کام کئے

لیکن جس کارِ خاص کیلئے بھیجا گیا تھا وُہ تُو نے نہ کیا تو گویا تُو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پس آدمی دُنیا میں ایک خاص کام کیلئے بھیجا گیا ہے اور وُہی اِس کا مقصود ہے۔ اگر اُس خاص کام کو نہیں کرتا تو گویا اس نے کچھ بھی نہیں کیا تو پس حضرتِ انسان ایک خاص کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور ایک خاص امانت اِس کے سپُرد کی گئی ہے لِقولِہٖ تعالیٰ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

اُس امانت کو ہم نے آسمانوں پر پیش کیا تو نہ اُٹھا سکے لیکن غور کر سینکڑوں اور کام اُن سے ایسے سرزد ہو رہے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے مثلاً پتھروں کو لعل و یاقوت کر دیتے ہیں پہاڑوں کو سونے چاندی کی کانیں بنا دیتے ہیں اور زمین کی نباتات کو جوش میں لاتے ہیں زندہ کر دیتے ہیں اور بہشتِ عدن بنا دیتے ہیں زمین میں غور کر۔ وُہ دانوں کو قبول کرتی ہے پھل دیتی ہے عیُوب کو ڈھانپتی یعنی تمام فضلات کو نگل جاتی ہے اور سینکڑوں عجائب جن کی شرح محال ہے پیدا کرتی ہے اور اسیطرح پہاڑ بھی گوناگون معادن رکھتے ہیں یہ تمام کام وُہ کرتے ہیں لیکن اُن سے ایک کام نہیں ہو سکتا۔ وُہ ایک کام آدمی ہی کر سکتا ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔ بنی اسرائیل ع ۷) یہ نہیں فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ (ہم نے بزرگی دی آسمان اور زمین کو) پس آدمی وُہ کام کرتا ہے جو نہ آسمان کر سکتے ہیں نہ زمینیں کر سکتی ہیں نہ پہاڑ کر سکتے ہیں۔ جب وہ کارِ خاص سرانجام دیتا ہے تو ظلم اور جہل کی صفات اُس سے منتفی ہو جاتی ہیں ۞

اگر تُو کہے کہ وُہ کارِ خاص اگرچہ میں سرانجام نہیں دیتا لیکن بیشمار اور کام کرتا ہُوں تو عزیز یاد رکھ آدمی اُن دُوسرے کاموں کیلئے نہیں پیدا کیا گیا۔ تیری مثال ایسے ہے کہ تُو ہندی فولاد کی انمول شمشیر جسکی مثل خزائنِ ملوک میں بھی نہ ملے لایا ہو اور اُسے گوشت کاٹنے کا چھُرا بنا لیا ہو کہ میں اِس تلوار کو بیکار نہیں رکھتا بلکہ اِس سے ایسا کام لیتا ہُوں یا تُو ایک زرین دیگ لایا ہے اور اُس میں شلغم پکا رہا ہے حالانکہ اُس کے ایک ذرّہ سے سَو دیگ مِل سکتی ہے یا ایک جوہر دار کارد کو ٹوٹا ہُوا برتن لٹکانے کیلئے میخ بنا لیا ہے کہ میں مصلحت اِسی میں دیکھتا ہُوں کہ برتن اِس پر لٹکاؤں اور اِس کارد کو معطّل نہ رکھوں۔ کیا یہ مسخری اور افسوس کا مقام نہیں ہے کہ برتن لٹکانے کیلئے کارِ صد دیناری استعمال کی جائے جبکہ ایک پیسے والی چوبین یا آہنی میخ وہی کام دے جائے۔ یہ کونسی عقلمندی ہے؟

حقتعالیٰ نے تیری بڑی بھاری قیمت رکھی ہے كَمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (توبہ۔ ع ۱۴) یعنی خداوند تعالیٰ نے مومنین سے اُن کی جان و مال

Marfat.com

کو خرید لیا ہے کہ اُن کے بدلے میں انہیں جنت دے گا۔ ایعزیز! تیری قیمت دونوں جہانوں سے زیادہ ہے
لیکن افسوس تُو اپنی قدر و قیمت نہیں جانتا۔ مصرع
مفروش خویش ارزان کہ تُو بس گراں بہائی یعنی اپنے آپ کو سستا مت بیچ تُو بہت ہی قدر و قیمت والا ہے۔
حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تم کو تمہارے اوقات و انفاس کو تمہارے اموال کو اور تمہاری زندگی کو اس شرط
پر خرید لیا ہے کہ اگر مجھ پر صرف کرو اور مجھے دیدو تو اس کی قیمت بہشت جاودان ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو
دوزخ کے بدلے بیچو تو تم نے خود پر ظلم کیا جیسا کہ وہ مرد جو صد دیناری کارد کو دیوار میں گاڑتا ہے اور اُس پر
برتن لٹکا دیتا ہے۔

تُو بہانہ کرتا ہے کہ میں بڑے عالی کاموں میں مشغول ہوں۔ علوم فقہ و حکمت و منطق و نجوم و طب وغیرہ
تحصیل کرتا ہوں۔ غور کر یہ سارے علوم تیرے ہی لئے ہیں۔ اگر فقہ ہے تو اسلئے ہے کہ کوئی شخص تیرے ہاتھ
سے روٹی نہ چھین لیجائے تیرے کپڑے نہ اتارے اور تجھ کو قتل نہ کر ڈالے یعنی تُو سلامت رہے۔ علم نجوم
کو لیجئے۔ احوالِ فلک و زمین میں اُن کا اثر ارزانی و گرانی امن و خوف سب تیرے احوال سے تعلق رکھتے ہیں
اور تیرے ہی لئے ہیں۔ ستارہ اگر سعد ہے یا نحس تو تیرے ہی طالع سے تعلق رکھتا ہے۔ الغرض یہ تمام علوم تیرے
ہی لئے ہیں۔ جب تُو اچھی طرح غور کرے گا تو تجھے معلوم ہو جائیگا کہ اصل تیری ذات ہے اور یہ تمام علوم تیری
ہی فرع ہیں۔ جب تیرے فروعات کی اسقدر تفاصیل و عجائب و علوم ہیں تو غور کر تیری ذات جو کہ اصل ہے
کن اوصاف اور کمالات سے مزین اور مکمل ہے۔ جب تیرے فروعات کیلئے عروج و ہبوط و سعد و نحس کے
گوناگوں احوال مسلّم ہیں تو تُو جو کہ اصل ہے تیری ذات کیلئے کیا عروج و ہبوط و سعد و نحس و نفع و ضرر کے احوال
و کمالات ہونگے؟ یعنی عالم باطن میں ارواح کے کیا کمالات ہیں اُن کے کیا حالات ہیں اور اُن کے کیا منصب
ہیں؟

تیرے لئے اس غذائے خواب و خور کے علاوہ ایک اور غذا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے
اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ (میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں میں خدا
کے پاس رات گذارتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) اس عالم میں تُو اُس غذا کو بھول گیا ہے اور اس غذا
پر مفتون ہے۔ شب و روز تن کی پرورش کر رہا ہے۔ یہ تن آخر تیرا گھوڑا ہے اور یہ عالم اُس کیلئے اصطبل ہے
گھوڑے کی غذا غذائے سوار نہیں ہوتی۔ اُس کیلئے اپنی ذاتی علیحدہ خواب و خور اور تنعم ہے۔ لیکن چونکہ تجھ پر
حیوانیت اور بہیمیت غالب ہے اسلئے تُو گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑوں کے اصطبل میں ہی بود و باش رکھتا
ہے لہذا امیرانِ عالم بقا اور سلاطینِ معرفت کی صف میں تیرے لئے کوئی مقام نہیں۔ تیرا دل تو اُسی جگہ ہے

Marfat.com

لیکن چونکہ تجھ پر تن غالب ہے اسلئے حکم تن رکھتا ہے اور اُسی کا اسیر ہے جیسا کہ مجنوںؔ نے لیلیٰؔ کے شہر جانے کا ارادہ کیا۔ جب تک ہوش میں رہا اُونٹ کو اُس طرف چلاتا رہا۔ جب لیلیٰؔ کے خیال میں مستغرق ہو جاتا اپنے آپ کو اور اُونٹ کو بھول جاتا۔ اُونٹ کا پیچھے گاؤں میں بچہ تھا جب فرصت پاتا واپس لوٹ کر گاؤں میں پہنچ جاتا۔ جب مجنوںؔ ہوش میں آتا تو دو روزہ سفر سے واپس آیا پاتا۔ اسطرح سفر میں تین ماہ صرف ہو گئے اور بالآخر فریاد کی کہ یہ اُونٹ تو میرے لئے مصیبت ہے اُونٹ سے نیچے اُتر آیا اور پیدل روانہ ہُوا اور یہ بیت پڑھتا تھا ۔

هَوٰی نَاقَتِیْ خَلْفِیْ وَقُدَّامِی الْهَوٰی ٭ وَاِنِّیْ وَاِیَّاهَا لَمُخْتَلِفَانِ !!

یعنی میری اُونٹنی کی خواہش تو پیچھے ہے اور میرے پاؤں کی خواہش محبوب کیطرف ہے اسلئے میں اور میری اونٹنی دو مختلف راستوں پر گامزن ہیں ٭

سید برہان الدین محقق قدس سرہٗ کلام فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا میں نے آپ کی تعریف فلاں شخص سے سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وُہ شخص کون ہے اُس کا ایسا مرتبہ ہے کہ مجھ کو شناخت کرے اور میری تعریف کر سکے؟ اگر اُس نے مجھے کلام سے شناخت کیا ہے تو اُس نے مجھکو شناخت نہیں کیا کیونکہ یہ سُخن نہیں رہیں گے یہ حرف وصَوت نہیں رہیں گے اور یہ لب و دہن نہیں رہیں گے۔ یہ سب عرض ہیں قائم بالذات نہیں۔ اور اگر اُس نے مجھے کسی میرے فعل سے شناخت کیا ہے تو وُہ بھی ایسے ہی ہے اور اگر اُس نے میری ذات (حقیقت) کو شناخت کیا ہے تو اُس وقت میں سمجھوں گا کہ وُہ میری مدح کر سکتا ہے اور وُہ مدح میرے لائق ہو گی۔ اسی کے مطابق حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنا لڑکا اہلِ ہُنر لوگوں کے سپرد کیا ہُوا تھا کہ اُس کو علمِ نجوم و رمل سکھلائیں۔ اُنہوں نے اُسے سکھلا کر اُستاد کامل کر دیا لیکن لڑکا قدرتی طور پر نہایت بیوقوف اور کُند ذہن تھا۔ ایک دن بادشاہ نے اپنی انگوٹھی مُٹھی میں دبا لی اور لڑکے کا امتحان لیا۔ کہا بتائیے میری مُٹھی میں کونسی چیز ہے؟ جواب دیا وُہ چیز گول ہے زرد ہے اور کھوکھلی ہے کہا آپ نے نشانیاں تو سب ٹھیک بتائیں لیکن بتائیے وُہ چیز ہے کیا؟ جواب دیا ہو سکتا ہے کہ چھلنی ہو۔ کہا آپ نے نشان تو ایسے دقیق بتلائے کہ عقول اُس میں دنگ ہیں لیکن قوّتِ تحصیل و دانش سے آپ اتنا بھی اندازہ نہ کر سکے کہ مُٹھی میں چھلنی نہیں سماتی ٭

اسیطرح آج کل کے عُلماء مختلف عُلوم میں تو بال کی کھال نکالتے ہیں اور دُوسری اشیاء جن کا اُن سے کوئی تعلق نہیں کو خوب سمجھتے ہیں اور اُن پر کُلی طور پہ حاوی ہیں لیکن جو چیز سب سے اہم اور سب سے نزدیک ترین ہے وُہ اُن کی اپنی خودی ہے اور خودی یعنی اپنی حقیقت کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ تمام اشیاء کی حلت و حرمت کے فتاوی جاری کرتے ہیں کہ یہ جائز ہے وُہ ناجائز ہے یہ حلال ہے وُہ حرام ہے لیکن اپنے آپ کو نہیں جانتے

Marfat.com

کہ حلال ہیں یا حرام ہیں جائز ہیں یا ناجائز ہیں پاک ہیں یا ناپاک ہیں انگشتری کی تجویف و زردی و تدویر سب عارضی چیزیں ہیں۔ جب تُو انگشتری کو آگ میں پھینکے گا یہ سب مٹ جائیں گے اور باقی خالص چاندی رہ جائیگی۔ الغرض ہمارے عُلماء اپنے علوم و فعل و قول سے جس چیز کا بھی نشان دیتے ہیں وُہ ایسا ہی ہوتا ہے اور اُس کے جوہر کیساتھ اُس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا حالانکہ اصل مقصود جوہر یعنی حقیقت ہے۔ اُن کے نشان ایسے ہوتے ہیں کہ صفات اور شرح تو خُوب بیان کرتے ہیں لیکن آخر میں فتوای دیتے ہیں کہ مُٹھی میں چھلنی ہے کیونکہ اصل حقیقت سے ناواقف ہیں۔

معین الدین پروانہ نے سوال کیا کہ ہم آدمی کے تمام اُحوال جان لیتے ہیں مثلاً اُسکا مزاج کیسا ہی طبیعت کیسی ہے اُس کو گرمی ہے یا سردی ہے لیکن کچھ پتہ نہیں چلا کہ جو چیز اُس میں باقی رہ جائیگی وُہ کیا چیز ہے؟

مَیں نے جواب دیا کہ اگر اُس کا جاننا محض قول سے حاصل ہوتا تو انواع مجاہدات و ریاضات کی طالب مولا کو ضرورت نہ ہوتی اور کوئی شخص اپنے آپ کو رنج میں نہ ڈالتا اور اپنے آپ کو فِدا نہ کرتا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص سمندر کے کنارے پر آکر کھڑا ہو جاتا ہے وُہ سوائے آب شور و مگرمچھوں اور مچھلیوں کے کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے وُہ لعل کہاں ہے؟ حتیٰ کہ گمان کرتا ہے کہ اس میں لعل ہے ہی نہیں۔ بھلا محض سمندر کے دیکھنے سے لعل کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اب اگر وُہ سمندر کے پانی کو طشت سے صد ہزار بار ناپلے تو بھی لعل حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ سمندر کی تہ سے لعل صرف غوّاص ہی نکال سکتا ہے اور غوّاص بھی وُہ جو چالاک ہو اور نیک بخت ہو۔ یہ عُلوم و فنون گویا سمندر کے پانی کو طاس سے ناپنا ہے لعل حاصل کرنے کا ڈھنگ اَور ہی ہے۔ بہت شخص ایسے ہوتے ہیں کہ جُملہ فنون سے آراستہ و صاحب حال اور صاحب جمال ہوتے ہیں لیکن اُن میں وُہ معنی نہیں پایا جاتا اور بعض شخص ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا ظاہر بالکل خراب معلوم ہوتا ہے نہ حُسن صُورت رکھتے ہیں نہ فصاحت و بلاغت رکھتے ہیں لیکن وُہ گوہر جو باقی رہنے والا ہے اُن میں پایا جاتا ہے اور اسی گوہر کی بدولت آدمی مشرّف و مکرّم ہے اور اسی گوہر کی بدولت آدمی اشرف المخلوقات ہے۔

شیروں، چیتوں اور دُوسری مخلوقات کو انواع قسم کے ہُنر و فنون و خاصیتیں حاصل ہیں لیکن وُہ گوہر جو باقی رہنے والا ہے اُن میں نہیں پایا جاتا۔ اگر آدمی وُہ کمال حاصل کر لیتا ہے تو وُہ فضیلت اُسے حاصل ہو جاتی ہے ورنہ اُس فضیلت سے اِسکو کچھ حصّہ نہیں ملتا۔ یہ جُملہ علُوم و فنون گویا پُشتِ آئینہ پر جواہر کا جڑنا ہے۔ رُوئے آئینہ اُن سے فارغ ہے۔ رُوئے آئینہ صفائی چاہتا ہے۔ جس کا چہرہ بدصُورت ہو وُہ پشتِ آئینہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ رُوئے آئینہ غمّاز ہے اور جو خوبصورت ہو وُہ رُوئے آئینہ کو صد جان سے طلب کرتا ہے کیونکہ رُوئے آئینہ اُس کے حُسن کا مظہر ہے۔

Marfat.com

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ایک دوست دُور دراز سے سفر کر کے آیا۔ آپ نے فرمایا میرے لئے کیا تحفہ لایا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ وُہ کونسی چیز ہے جو آپ کے پاس نہیں لیکن چونکہ عالم میں آپ سے زیادہ اور کوئی حسین نہیں اسلئے مَیں آپ کیلئے آئینہ لایا ہُوں تاکہ آپ ہر لحظہ اُس میں اپنے حُسن و جمال کا مشاہدہ فرمادیں۔ پس حقتعالیٰ کے پاس کونسی چیز نہیں ہے اور اُس کو کس چیز کی حاجت ہے مگر حقتعالیٰ کے حضور میں دِلِ روشن لیجانا چاہیئے تاکہ وُہ ذاتِ پاک اُس میں اپنے حُسن و جمال کا مشاہدہ فرماوے جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ بَلْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ تمہاری صُورتوں کو اور تمہارے عملوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے قلوب کو دیکھتے ہیں۔

بِلَادٌ مَا اَرَدْتَ وَجَدْتَ فِیْهَا ۞ وَلَیْسَ یَفُوْتُهَا اِلَّا الْکِرَامُ

یعنی شہروں میں جو بھی تُو ارادہ کریگا پائے گا۔ اور تو ہر چیز مِلے گی لیکن بزرگ لوگ نہیں مِل سکتے۔ ایک شہر ایسا ہے جس میں جو چیز تُو طلب کرے مِل جاتی ہے مثلاً پری چہرہ محبوب و نفس کے لذائذ اور گونا گون آسائش کے سامان سب میسّر ہو جاتے ہیں لیکن اُس میں کوئی بزرگ آدمی نہیں مِلتا۔ ہائے افسوس اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ وُہ شہر آدمی ہی کا وجود ہے۔ اگر اُس میں ہزار ہُنر ہوں اور وُہ معنی (کمالِ معرفت) نہ ہو تو وُہ شہر اُجڑا ہی بہتر اور اگر اُس میں وُہ معنی ہو اور ظاہری آرائش نہ ہو تو کچھ باک نہیں۔ اُس کا سِرّ آباد چاہیئے آدمی ہر حال میں مشغولِ حق ہے اور یہ ظاہری اشغال مشغولیِ باطن کے مانع نہیں ہیں جیسا کہ زنِ حاملہ خواہ کسی حال میں ہو صلح میں ہو یا جنگ میں ہو خوردن میں ہو یا خفتن میں وُہ بچہ جو اُس کے شکم میں ہوتا ہے ہر حال میں پھلتا پھُولتا ہے قوت پاتا ہے اور اُس کے حواس ترقی کرتے رہتے ہیں حالانکہ ماں کو اِس چیز کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ آدمی بھی اُس سِرّ امانت کا حامل ہے بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (اور انسان نے اُس کو اٹھا لیا بے شک وُہ اپنے حق میں ظالم اور جاہل ہے) لیکن حقتعالیٰ اُس کو ظلم و جہل میں نہیں چھوڑتے۔

آدمی کی محبوبیِ صُورت کے توسّط سے مرافقت و موافقت اور ہزار آشنایاں پیدا ہو جاتی ہیں تو کیا عجب اُس سِرّ کے توسط سے جس کا آدمی حامل ہے صد ہزار یار اور آشنا موت کے بعد بھی پیدا ہوتے رہیں آدمی کا سِرّ معمور اور صاف ہونا چاہیئے کیونکہ سِرّ درخت کی جڑ کی مثل ہے۔ اگرچہ جڑ پوشیدہ ہوتی ہے لیکن اُس کا اثر شاخسار پر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شاخ ٹوٹ بھی جائے جب تک جڑ محکم ہے دوبارہ اُگ آئے گی لیکن اگر جڑ میں خلل واقع ہو جائے تو نہ کوئی شاخ رہ جاتی ہے نہ کوئی برگ۔

جناب سیّدِ کُل ختمِ رُسُل حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس شجرۂ کون کی بیخ یعنی اصل ہیں

اسی لئے اگرچہ حقتعالیٰ کو اس تمام شجرۂ کون کی سلامتی منظور ہے لیکن ارشاد فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ (سلام ہو آپؐ پر اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کیونکہ اگر جڑ سلامت ہے تو سارا شجرہ ہی سلامت ہے۔

نیز جن لوگوں کو صفائی اسرار نصیب ہے حقتعالیٰ نے اُن کو آپؐ کی جنس قرار دیا ہے بِقَوْلِهٖ تَعَالیٰ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیک وسلم سلام ہو آپؐ پر اور اُن لوگوں پر جو آپؐ کی جنس سے ہیں کیونکہ اگر حقتعالیٰ کی مُراد یہ نہ ہوتی تو آنحضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہرگز مخالفت نہ کرتے اور یہ نہ فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ یعنی سلامتی ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر کیونکہ اگر سلام صرف آپؐ کی ذات پاک پر مخصوص ہوتا تو آپؐ اُس کی اضافت بندگانِ صالح کیطرف نہ کرتے یعنی آپؐ نے ارشاد فرمایا الٰہی وُہ سلام جو آپ نے مجھ پر دیا وُہ مجھ پر بھی ہو اور تمام بندگانِ صالح جو میری جنس سے ہیں اُن پر بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بعینہٖ ایسا ہے جیسا آنحضور آنکھوں کے نُور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت ارشاد فرمایا "اس وُضو کے بغیر نماز دُرست نہیں ہے" حالانکہ آپؐ کی مُراد یہ نہ تھی کیونکہ اسطرح تو کسی شخص کی نماز بھی درست نہ ہوتی کیونکہ شرطِ صحتِ صلوٰۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وضو مبارک تھا۔ تو پس آپؐ کی مُراد یہ تھی کہ جو کوئی اس قسم کا وضو نہ کرے اُس کی نماز درست نہیں ہے۔ اسیطرح کہا جاتا ہے کہ یہ طبق گلنار ہے تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ گلنار یہی ہیں اور بس؟ نہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ یہ جنس گلنار ہے۔

ایک دہقان شہر میں آیا اور ایک شہری کا مہمان ہُوا۔ شہری اُس کیلئے حلوہ لایا اور دہقان نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ دہقان نے کہا اے شہری میں تو گاجریں کھانے کا عادی تھا اور آپ نے مجھے لذیذ حلوہ چکھا دیا۔ اب گاجروں سے میری طبیعت سرد ہو گئی ہے لیکن ہر وقت حلوہ مجھے دستیاب نہیں ہوگا اب کیا علاج کیا جائے؟ جب دہقان نے حلوہ چکھ لیا تو اُس کے بعد شہر میں ہی رہنے کی ٹھان لی کیونکہ شہری نے اُس کے دِل کا شکار کر لیا تھا اور اُس کو مجبور ہو کر دِل کی ماننی پڑی۔ مقصد یہ ہے کہ جب طالب خُدا بِسرّ معرفت کا حلوہ اپنے شیخ کے دستر خوان سے چکھ لیتا ہے تو اُس کے دروازے کی چوکھٹ کو تکیہ بنا لیتا ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے: اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ یعنی جنس جنس کیطرف مائل ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ آ کر سلام دیتے ہیں اور اُن کے سلام سے مُشک کی خوشبو آتی ہے اور بعض لوگ آ کر سلام دیتے ہیں اور اُن کے سلام سے دُھوئیں کی بُو آتی ہے اور اس کو وہی شخص پا سکتا ہے جو صاحب دماغ ہو۔ دوست کا پہلے امتحان کر لینا چاہیئے تاکہ بعد میں پشیمانی نہ ہو اور دوستوں کے حق میں یہ حقتعالیٰ کی سُنت ہمیشہ سے جاری ہے۔ درویش سب سے پہلے اپنے نفس کا امتحان کرتا ہے۔ اگر تیرا نفس بندگی کا دعویٰ کرے تو بلا امتحان اُس کا یہ دعویٰ قبول نہ کر۔ وضو کرتے وقت پانی پہلے مُنہ میں ڈالا جاتا ہے اور پھر ناک

Marfat.com

میں۔صرف دیکھنے پر قناعت نہیں کی جاتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دیکھنے میں اُس کی رنگت بالکل ٹھیک ہو لیکن اُس کا مزہ اور بُو شاید بدل چکے ہوں۔ تو یہ پانی کے امتحان کی خاطر ہے اسلئے اِس امتحان کے بعد پانی کو چہرہ کے دھونے پر استعمال کیا جاتا ہے۔

تیرے دل میں جو نیک و بد پنہاں ہے حقتعالیٰ اُس کو تیرے چہرہ پر نمایاں کر دکھاتے ہیں جیسا کہ جو کچھ درخت کی جڑ کو پنہاں خوراک دی جاتی ہے اُس کا اثر شاخ و برگ میں ظاہر ہو جاتا ہے تو پس چہرہ دِل کا آئینہ ہے کما قولہٗ تعالیٰ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط (نشانی اُن کی بیچ چہروں اُن کے کے ہے سجدوں کے اثر سے۔ فتح۔ ع ۴) وَقولہٗ تعالیٰ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ۝ (ہم اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔ قلم۔ ع ۱)۔اگرچہ ہر شخص تیری ضمیر پر مطلع نہیں ہو سکتا لیکن اپنے چہرہ کے رنگ کو کیسے چھپائیگا۔مُراد یہ ہے کہ جس شخص کے دِل میں نورِ ایمان ہوتا ہے اُس کا چہرہ بھی نورانی ہوتا ہے اور جو دِل نورِ ایمان سے خالی ہو اُس چہرہ پہ بھی رونق نہیں ہوتی۔

سورہ فاطر

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ط إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝

سوائے اِس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

آنحضور مولا کے نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ شَرُّ الْعُلَمَاءِ مَنْ زَارَ الْأُمَرَاءَ وَخَيْرُ الْأُمَرَاءِ مَنْ زَارَ الْعُلَمَاءَ۔ نِعْمَ الْأَمِيرُ عَلَى بَابِ الْفَقِيرِ وَبِئْسَ الْفَقِيرُ عَلَى بَابِ الْأَمِيرِ۔ (ترجمہ) عُلماء میں سے بدترین عالم وُہ ہے جو اُمراء کی ملاقات کو جائے اور اُمراء میں سے بہترین امیر وُہ ہے جو عالم کی زیارت کو جائے۔ بہتر ہے وُہ امیر جو فقیر کے دروازہ پہ ہو اور بدتر ہے وُہ فقیر جو امیر کے دروازہ پر ہو۔

لوگوں نے اِس حدیثِ پاک کا یہ مطلب لیا ہے کہ عالم کو امیر کی ملاقات کیلئے نہیں جانا چاہیئے تاکہ اُس کا شمار بدترین عُلماء میں سے نہ ہو۔ اِس کا معنی یہ نہیں جو اُنھوں نے سمجھا ہے بلکہ اِس سے مُراد یہ ہے کہ عُلماء میں سے بدترین عالم وُہ ہے جو اُمراء سے مدد حاصل کرے اور اُس کی بہتری اور مضبوطی اُمراء کے واسطہ سے ہو بلکہ وُہ تمام نیک اعمال اُن کے ڈر سے کرے۔ حقیقت میں ایسا عالم تحصیلِ علم ہی اِس نیت سے کرتا ہے کہ اُمراء مجھے صلہ دیں گے تعظیم کریں گے اور منصب عطا کریں گے۔ پس اُمرا کے ہی سبب سے وُہ ترقی پذیر

Marfat.com

ہوتا ہے اور جاہل سے عالم بن جاتا ہے۔ جب عالم بن جاتا ہے تو اُن ہی کی سیاست و ہیبت سے ادب حاصل کرتا ہے اور کام و ناکام اُن ہی کے طریق کے موافق چلتا ہے۔ عالم جب ایسا ہو تو خواہ امیر اُس کی ملاقات کیلئے آئے یا وُہ امیر کی ملاقات کیلئے جائے ہر حال میں عالم ہی زائر ہے اور امیر مزور۔ اور اگر عالم متضاد کیفیت والا ہو یعنی اُس نے علم اُمراء کی خوشنودی کی خاطر نہ حاصل کیا ہو بلکہ اُسکا علم محض خداوند تعالےٰ کی خوشنودی ہو اور اُس کا ہر قول و فعل محض نیکی کی خاطر ہو حتیٰ کہ یہ چیز اُس کی سرشت میں داخل ہو کہ وُہ سوائے اعمالِ صالح کے رہ ہی نہ سکے جیسا کہ مچھلی سوائے پانی کے رہ ہی نہیں سکتی یعنی وُہ ایک محض پیکرِ خیر ہو۔ ایسے عالم کی نگہبانی اور تادیب عقل کرتی ہے نہ کہ خوفِ اُمراء بلکہ اُس کی ہیبت سے سارا جہان لرزتا ہے اور اُسکی ہمت و تصرف سے سارا عالم فیض حاصل کرتا ہے خواہ لوگوں کو اس چیز کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس قسم کا عالم خواہ امیر کے پاس خود چل کر جائے مزور ہی ہے اگرچہ بظاہر وُہ زائر ہے کیونکہ حقیقتاً امیر ہی اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور مدد حاصل کرتا ہے اور وُہ عالم اُس سے مستغنی ہوتا ہے۔ ایسا عالم مثل آفتاب کے نور بخشنے والا ہے۔ اُس کا کام عطا و بخشش ہے۔ اُس کی عام سخاوت یہ ہے کہ پتھروں کو لعل و یاقوت و دُر و مرجان کر دیتا ہے۔ خاکی پہاڑوں کو تانبے و زر و آہن و چاندی کی کانیں بنا دیتا ہے۔ خاک کو سبزہ و گلزار بنا دیتا ہے۔ اشجار کو گوناگون میوے بخشتا ہے۔ اُس کا پیشہ عطا ہی عطا ہے۔ وُہ بخشتا ہے دیتا ہے اور طالبانِ خدا کو محبتِ الٰہی کے پیالے پلاتا ہے اور انوارات و اسرارات کے نوالے کھلاتا ہے۔ سر پر معرفت کا تاج رکھتا ماتھے پر محبوبیت کا ٹکہ باندھتا گلے میں توحید و توکل کا ہار پہناتا اُنگلیوں میں فصوص الحکم چڑھاتا اور آنکھوں میں قُرب اور مشاہدے کا سُرمہ لگاتا ہے۔ چنانچہ ایک عرب مثل مشہور ہے: نَحْنُ تَعَلَّمْنَا اَنْ نُعْطِیَ وَمَا تَعَلَّمْنَا اَنْ نَاْخُذَ (ہم نے دینا سیکھا ہے ہم نے لینا نہیں سیکھا) پس ایسا عالم ہر حال میں مزور ہوتا ہے اور اُمراء زائر۔

سورہ یٰس

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝

بیشک ہم مُردوں کو زندہ کرینگے اور ہم لکھتے جاتے ہیں وُہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور اُن کے وُہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر دیا تھا۔

جسطرح پھٹا پرانا لباس دولتمندی اور جاہ و جلال کو پوشیدہ رکھتا ہے اسی طرح عمدہ لباس فقراء

Marfat.com

کے جمال و کمال اور ولایت کے آثار کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ جب فقیر کا لباس پھٹا ہوا ہو تو اُس کے قلب پر فتوحات نازل ہوتی ہیں یعنی اُس کے قلب کو حکمتوں کے نوالے کھلائے جاتے ہیں۔ ایک سر ایسا ہوتا ہے جو تاجِ زرّین سے آراستہ ہو جاتا ہے اور ایک سر ایسا ہوتا ہے جس پر تاجِ مُرصّع اُس کے جمالِ جعد کو پوشیدہ کر دیتا ہے کیونکہ جعدِ محبوباں ہی عشاق کیلئے جذاب ہیں اور قلوب کیلئے تختگاہ ہیں۔ تاجِ مُرصّع تو جماد ہے لیکن اُس کے پہننے والا معشوق خود عاشقوں کا فواد ہے۔ مَیں نے انگشتری سلیمانؑ کو ہر چیز میں تلاش کیا لیکن بالآخر اُس کو فقر ہی میں پایا۔ مَیں نے اِس محبوب کیساتھ سارے حیلے اختیار کئے لیکن وہ کسی چیز پر اِتنا راضی نہ ہوئے جتنا اِس فقر پر۔ مَیں بھی آخر اُسی شاہدِ لم یزلی کا دلدادہ ہُوں۔ یہ کمال مَیں نے عقل سے تھوڑا ہی حاصل کیا ہے۔ مَیں کیسے نہ جانوں کہ تمام موانع کو یہی فقر اُٹھاتا ہے اور تمام پردوں کو یہی فقر جلاتا ہے۔ یہی فقر تمام طاعات کی اصل ہے اور باقی جملہ اشغال اِسی کی فرع ہیں۔ جب تک تو اِس بکرے کے حلق پر چھری نہ چلائے تیرا ذِکر فکر اِس قالب میں کیا فائدہ دے گا یعنی جب تک تو اپنی ہستی نہ مٹائے پاسِ انفاس اور نفی اثبات رنگ نہ لائیگا۔ یہ صومِ طالب کی ہستی مٹا دیتا ہے اور خداوند تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ (بقرہ۔ ع ۱۹) یعنی بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہیں اور تمام خوشیاں اللہ تعالیٰ کے وصال میں ہیں۔

بازار میں جو کوئی دُکان ہے کھانے کی یا پینے کی یا کپڑے کی یا سامان کی یا کسی پیشہ کی اُن تمام ضروریات میں سے ہر ایک کا سررشتہ نفسِ انسان میں موجود ہے مگر وہ سررشتہ پنہاں ہے۔ جب تک کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے اور اُس چیز کا سررشتہ حرکت نہ کرے وُہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اِسی طرح ہر ملت ہر دین ہر کرامت ہر معجزہ اور جملہ انبیاء علیہم السّلام کے احوال کا حال ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کا رُوحِ انسان میں سررشتہ موجود ہے لیکن جب تک احتیاج نہ ہو وُہ سررشتہ جُنبش نہیں کرتا اور ظاہر نہیں ہوتا مقصد یہ ہے کہ تمام کمالات مراتب اور مدارج حضرتِ انسان کی ذات میں موجود ہیں کَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۞ لیکن جب تک طلب پیدا نہ ہو طالب مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اِمامِ مُبین سے مُراد حضرتِ انسان ہے۔

سوال۔ نیکی و بدی کا فاعل ایک ہی ہے یا دو چیزیں؟

جواب۔ مناظرہ کی حیثیت سے نیکی و بدی کی فاعل دو چیزیں ہیں کیونکہ کوئی شخص اپنی مخالفت خود نہیں کرتا۔ لیکن از رُوئے حقیقت دونوں کا فاعل ایک ہی ہے کیونکہ بدی نیکی سے مُنفک اور جُدا نہیں ہے نیکی ترکِ بدی ہے اور ترکِ بدی سوائے بدی کے محال ہے تو پس اِس وجہ سے کہ ترکِ بدی نیکی ہے اور

Marfat.com

اگر نیکی کا داعیہ نہ ہو تو ترکِ میلِ بدی بھی نہ ہو۔ نیکی و بدی دو چیزیں نہ ہوئیں جیسا کہ مجوسی کہتے ہیں کہ یزداں نیکیوں کا خالق ہے اور اہرمن بدیوں و مکروہات کا خالق۔ محبوبات مکروہات سے جُدا نہیں ہیں کیونکہ محبوب بے مکروہ محال ہے۔ محبوب دراصل زوالِ مکروہ ہے اور زوالِ مکروہ بغیر مکروہ کے وجود کے محال ہے جیسا کہ خوشی زوالِ غم ہے لیکن زوالِ غم بغیر غم کے محال ہے۔ تو پس نیکی و بدی ایک ہی چیز ہے لایتجزّی۔

جو کوئی عارف کی شکایت کرتا ہے وُہ درحقیقت عارف کی مُراد پُوری کرتا ہے کیونکہ عارف تعریف سے گریز کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ملامت کی صُورت بنی رہے تاکہ وُہ جناب سیّد پاک صاحب لولاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّت کا مُتبع رہے۔ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے: المومن لا یخلو عن القلت والعلت والذلت یعنی مومن تین چیزوں سے خالی نہیں ہوتا تنگ دستی بیماری اور ذلّت اور آپؐ نے فرمایا ہم کو تو یہ تینوں اُمور شامل ہیں جس مسلمان میں ان تینوں میں سے کوئی ایک علامت بھی نہ پائی جائے وُہ اپنے ایمان کا فکر کرے۔ تو پس عارف اپنی تعریف کا دشمن ہوتا ہے لہٰذا شکایت کرنے والا شخص حقیقتاً عارف کا دوست ہوتا ہے۔ دُوسرے عارف کی شہرت اور اشاعت کا کام حقتعالیٰ منکرین سے لیتے ہیں تو اس لحاظ سے بھی شکایت کرنے والا شخص حقیقت میں عارف کی خدمت ہی کرتا ہے۔ تیسرے وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ یعنی ہر چیز اپنی ضد سے واضح ہوتی ہے۔ جب مُنکر شخص عارف کی شکایت کرتا ہے تو حقتعالیٰ اُس کے کمال کو اور زیادہ چمکا دیتے ہیں۔ پس حقیقت میں عارف جانتا ہے کہ وُہ میرا دُشمن نہیں ہے اور نہ ہی میری بُرائی چاہنے والا ہے۔ کیونکہ عارف مثل باغ خُرما کے ہے اور اُس کے گرداگرد ایک حفاظتی دیوار ہے جس پر تیز نوکدار شیشے اور کانٹوں والی لوہے کی باڑ لگی ہُوئی ہے۔ جو کوئی پاس سے گذرتا ہے وُہ باغ کو نہیں دیکھتا بلکہ اُس دیوار و آلائش کو دیکھتا ہے اور اُس کو بُرا کہتا ہے۔ باغ اُس شخص پہ کیا غصّے ہوگا مگر یہ شکایت اُسی شخص کیلئے نقصان دہ ہے کیونکہ اُس نے اسی دیوار کے ذریعے باغ تک پہنچنا تھا پس اس دیوار کی شکایت اُس کو باغ سے دُور رکھتی ہے اور وُہ اپنے آپ کو خود ہلاک کرتا ہے چنانچہ حضور آنکھوں کے نور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: اَنَا الضَّحُوْكُ الْقَتُوْلُ یعنی میں ہنستا ہُوا قاتل ہُوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خلق میں حق کا مشاہدہ فرماتے تھے اور کُفّار کو عین یار دیکھتے تھے ؎

دُشمن گر آئے سامنے تو آشنا کو دیکھ ❊ بندہ گر آئے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

اسی لئے آپؐ کُفّار پر غشمگین نہیں ہوتے تھے بلکہ اُن کو دیکھ کر ہنستے تھے۔ کُفّار کی استعداد سے جب آپؐ کو معلوم ہوجاتا کہ یہ ایمان لانے کے نہیں بلکہ یہ بیچارے حسد اور کینہ کی آگ میں جل رہے ہیں اور ہر وقت مخالفت عداوت شکایت اور طرح طرح کی سازشوں کے عذاب میں آپ ہلاک ہو رہے ہیں تو آپؐ اُنپر

Marfat.com

کرم بخشی فرماتے اور قتل کر دیتے تاکہ اُن عذابوں سے وُہ فارغ ہو جائیں اِس لیئے آپؒ اُن کو ہنس کر قتل کرتے نہ کہ خشمگین ہو کر ۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

جب وُہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اُن کا حُکم صرف یہی ہے کہ اُس سے کہتے ہیں ہو جا پس وُہ ہو جاتی ہے۔

آدمی کا وہم دہلیز باطن مثل دہلیز کے ہے۔ داخل ہونے والے پہلے دہلیز پر پہنچتے ہیں اور اُس کے بعد مکان میں داخل ہوتے ہیں۔ جو کوئی اندر مکان میں داخل ہوتا ہے ضروری ہے کہ پہلے اُسے دہلیز دکھائی دے۔ مثلاً یہ گھر جس میں ہم بیٹھے ہُوئے ہیں ضروری ہے کہ پہلے اِس کا نقشہ کاریگر کے ذہن میں موجود ہو اور بعدہٗ اِس کی تعمیر اُس نقشے کے مطابق ہُوئی ہو۔ اِسیطرح یہ سارا عالم ایک مکان کی مثل ہے اور قبل از ظہور اِس کا نقشہ اللہ تعالیٰ کے عِلم میں موجود تھا۔ جُملہ موجودات کیا اچھے کیا بُرے سب کے سب قبل از ظہور حقتعالےٰ کے عِلم میں موجود تھے اور اُس کے بعد اُن کا ظہور عالم کی صُورت پر ہُوا ۔

یہ سارا عالم مثل ایک گھر کے ہے اور اِنسان کا وہم اور فکر اور خیال اِس گھر کی دہلیز ہیں۔ جو چیز دہلیز میں سے نظر آئے لازمی ہے کہ وُہی مکان میں نظر آئے اور یہ جُملہ اشیاء جو عالم میں موجود ہیں لازمی ہے کہ پہلے دہلیز میں سے نظر آئی ہوں اور بعدہٗ اِس جگہ۔ حق تعالیٰ جب گوناگون عجائب و غرائب اشیاء باغات محلّات عُلوم اور تصانیف وغیرہ عالم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں اُن کا تقاضا پیدا کر دیتے ہیں اور وُہ ظہور میں آجاتی ہیں اور اِسی طرح جب حقتعالےٰ نے آسمان و زمین و عرش و کرسی اور دیگر عجائب کا ظہور کرنا چاہا تو اِس کا تقاضا پہلوںؔ کے ارواح میں پیدا کر دیا لہٰذا عالم اُن کیلئے پیدا کیا گیا۔ جو کچھ تو اِس عالم میں دیکھتا ہے یقین جان کہ اُس عالم میں بھی موجود ہے مثلاً جو کچھ تو نمی میں دیکھتا ہے یقین جان کہ وُہ دریا میں موجود ہے کیونکہ یہ نمی اُسی دریا کے باعث ہے ۔

بعض لوگ عالم کو قدیم بیان کرتے ہیں مگر اُن کا یہ عقیدہ غلط ہے کیونکہ انبیاء و اولیاء جو عالم سے قدیم تر ہیں اِس کو حادث بیان کرتے ہیں۔ حقتعالیٰ نے آفرینش عالم کا تقاضا اُن کے ارواح میں ڈالا اور بعدہٗ عالم پیدا ہُوا تو پس حقیقت میں وُہ لوگ ہی جانتے ہیں کہ یہ عالم حادث ہے کیونکہ وُہ اپنے مقام سے خبر دیتے ہیں۔ مثلاً میں جو اِس گھر میں بیٹھا ہُوا ہوں میری عُمر اب ستاسٹھ برس ہے۔ میں نے دیکھا ہُوا ہے کہ یہ گھر پہلے موجود نہ تھا۔ چند سال ہُوئے یہ مکان بنایا گیا۔ اگر اِس گھر کی دیواروں میں سے جانور مثلاً کیڑے چوہے سانپ اور کئی چھوٹے جانور پیدا ہو جائیں تو وُہ گھر کو پہلے سے آباد دیکھیں گے

مہ پہلوں سے مراد انبیا اور اولیا ہیں علیہم السلام۔

Marfat.com

اگر وُہ کہیں کہ یہ گھر قدیم ہے تو اُن کا قول میرے لئے حجت نہیں کیونکہ مَیں نے دیکھا ہُوا ہے کہ یہ حادث ہے۔ جسطرح کہ وُہ جانور اِس گھر کے در و دیوار سے پیدا ہُوئے ہیں اور سوائے اِس گھر کے اور کوئی چیز نہیں جانتے نہ دیکھتے اسیطرح یہ خلقت ہے کہ دُنیا کے گھر سے پیدا ہُوئے ہیں اور اُن میں کوئی کمال نہیں ہے اُن کا مُبدا بھی یہی ہے اور مَعاد بھی یہی ہے۔ اگر وُہ عالم کو قدیم کہیں تو اُن کا قول انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر حُجت نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کے وُجود مطہرہ عالم سے صد ہزار سال پیشتر تھے بلکہ سال کُجا اور عدد کُجا اُن کے وُجود کے قدم پر حد و عدد عدم ہے۔ اُنہوں نے حدوثِ عالم آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ مَیں نے اِس گھر کا حادث ہونا آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ایک فلسفی نے ایک سُنّی سے کہا کہ تُو حدوثِ عالم کو کیسے جانتا ہے؟ اے گدھے تیرے پاس قدم عالم پر کونسی دلیل ہے؟ آخر تیرا یہ کہنا کہ عالم قدیم ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ حادث نہیں۔ یہ گواہی نفی پر ہے۔ آخر اثبات پر گواہی زیادہ آسان ہے کیونکہ نفی پر گواہی کا یہ مطلب ہے کہ اِس کام کو فلاں شخص نے نہیں کیا۔ اِس پر اطلاع پانی مشکل ہے چاہیے وُہ شخص اوّل عمر سے اخیر تک شب و روز خواب و بیداری میں اُس شخص کا ملازم رہے۔ اُس شخص کا یہ گواہی دینا کہ یہ کام فلاں شخص نے نہیں کیا کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ وُہ کسی وقت سو گیا ہو یا کسی ضرورت کیلئے گھر چلا گیا ہو یعنی اُس کے لئے ہر وقت حاضر رہنا ممکن ہی نہ ہو۔ اِسی لئے نفی پر گواہی روا نہیں لیکن اثبات پر گواہی مقدورِ انسان ہے اور آسان ہے کیونکہ وُہ شخص گواہی دیتا ہے کہ مَیں لحظہ بھر فلاں شخص کے ساتھ رہا اُس نے اَیسا کہا اور اَیسا کیا۔ پس یہ گواہی مقبول ہے کیونکہ مقدورِ انسان ہے۔

اَے سگ! وُہ جو حدوث پر گواہی دیتا ہے تیری گواہی سے آسان تر ہے کیونکہ تُو قدمِ عالم پر گواہی دیتا ہے۔ تیری گواہی سے مُراد یہ ہے کہ یہ عالم حادث نہیں پس تُو نے نفی پر گواہی دی ہے جو ناممکن ہے۔ پس جب کہ تُم دونوں کے پاس کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی تم نے دیکھا ہے کہ عالم حادث ہے یا قدیم تُو جو اُس کو کہتا ہے کہ تیرے پاس حادث ہونے کی کیا دلیل ہے وُہ بھی کہتا ہے اَے دیوث! تیرے پاس قدیم ہونے کی کیا دلیل ہے۔ آخر تیرا دعویٰ زیادہ مشکل اور زیادہ محال ہے۔

سُورہ صافات

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔

Marfat.com

معتزلہ کہتے ہیں کہ خالقِ افعال بندہ ہے یعنی جو فعل اُس سے صادر ہوتا ہے اُس فعل کا خالق خود بندہ ہی ہے۔ اُن کا یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ جو فعل اُس سے صادر ہوتا ہے یا تو وُہ اِن آلات کے واسطہ سے ہوتا ہے جو وُہ رکھتا ہے مثلاً عقل و رُوح و قوت اور جسم یا اِن کے بغیر۔ بہرحال بندہ خالقِ افعال نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وُہ فعل اِن آلات کے واسطہ سے سرزد ہُوا ہے تو بندہ چونکہ اِن آلات پر قابو نہیں رکھتا اور یہ آلات اُس کے محکوم نہیں ہیں لہٰذا وُہ اُس فعل کا خالق نہیں ہے اور اِن آلات کے بغیر وُہ خالقِ فعل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ بغیر اِن آلات کے کوئی فعل اُس سے صادر ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ہم نے جان لیا کہ خالقِ افعال حقتعالیٰ ہے نہ کہ بندہ ؂

جو فعل اچھا یا بُرا بندہ سے صادر ہوتا ہے وُہ اُس کو کسی خاص نیت اور کسی خاص غرض سے کرتا ہے لیکن اُس کام کی حکمت صرف اُسی قدر نہیں ہوتی جو اُس کے تصوّر میں آئی ہے۔ جسقدر حکمت اور فائدہ اُس فعل میں اُس کو دکھایا گیا تھا اُس کا فائدہ صرف یہی تھا کہ وُہ فعل اُس سے سرزد ہو لیکن اُس فعل کے کُلّی فوائد حقتعالےٰ ہی جانتے ہیں مثلاً تو نماز اِس نیت سے پڑھتا ہے کہ تجھے آخرت میں ثواب ملے گا اور دُنیا میں نیکنامی اور امان لیکن اِس نماز کا فائدہ صرف اِسی قدر نہیں ہوگا بلکہ صد ہزار اور فوائد جو تیرے وہم میں بھی نہیں گذرتے تجھے نصیب ہوں گے۔ اُن فوائد کو حقتعالیٰ ہی جانتے ہیں جو بندہ کو اُس کام میں لگاتے ہیں۔ پس آدمی دستِ قدرتِ حق تعالےٰ میں مثل کمان کے ہے اور حقتعالیٰ اُس کو کاموں میں استعمال فرماتے ہیں۔ لہٰذا فاعل حقیقت میں حقتعالیٰ ہیں نہ کہ کمان۔ کمان آلت اور واسطہ ہے لیکن دریائے دُنیا میں مستغرق ہونے کی وجہ سے حقتعالیٰ سے بے خبر اور غافل ہے۔ زہے عظیم وُہ کمان جس کو پتہ چل جائے کہ میں کس کے ہاتھ میں ہوں ؂

ایک درویش آیا۔ میں نے کہا اتنا عرصہ کہاں رہے ہو میں تو تیرا مشتاق تھا کیوں دُور رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا بس اتفاق ہی ایسا ہو گیا۔ میں نے جواب دیا میں بھی دُعا کرتا تھا کہ یہ اتفاق بدل جائے اور زائل ہو جائے۔ ایسا اتفاق جو فراق لائے درکار نہیں ہے۔ خدا کی قسم سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن ہر چیز کی نسبت اگر حقتعالیٰ کی طرف کی جائے تو سب ٹھیک ہے اور نیک ہے لیکن ہر چیز کی نسبت مخلوق کیطرف احسن نہیں ہے۔ عارفوں کا قول بالکل درست ہے کہ ہر چیز حقتعالیٰ کی طرف مضاف کی جائے تو نیک ہے اور ایک کمال ہے لیکن ہر چیز کی نسبت خلق کی طرف مناسب نہیں۔ زنا و پارسائی و بے نمازی و نماز و کفر و اسلام و شرک و توحید سب کی نسبت حقتعالیٰ کیطرف کیجائے تو سب نیک ہے لیکن اِن سب کی نسبت ہماری طرف نیک نہیں ہو۔ زنا، چوری و کفر اور شرک کی ہماری طرف اضافت ہمارے لئے بُری ہے اور توحید و نماز و خیرات کی ہماری طرف اضافت ہمارے لئے نیک ہے۔ اِسکی مثال ایسے ہے کہ ایک بادشاہ کے مُلک میں قید خانہ و پھانسی و خلعت و

ومال واملاک وحشم وسوز وشادی وطبل اور علم سب موجود ہوتے ہیں اور نسبت بپادشاہ یہ سب چیزیں نیک ہیں اور اُس کا ایک کمال ہیں۔ جیسا کہ خلعت اُس کے مُلک کا کمال ہے ویسا ہی قید خانہ اور پھانسی بھی اُس کے مُلک کا ایک کمال ہے لیکن رعایا کیلئے خلعت اور پھانسی کیسے مساوی ہو سکتے ہیں ؛

سورہ زمر

اِنْ تَكْفُرُوا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ؕ

اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالےٰ تمہاری پرواہ نہیں رکھتے؛

شریف پاسوختہ کہتا ہے:۔

رُباعی

آن منعم قُدس کز جہان مُستغنیست ؛ جان ہمہ اوست اوز جان مُستغنیست

ہر چیز کہ در وہم تو بد وگشت محیط ؛ او قبلۂ آنست از ان مُستغنیست؛

(ترجمہ) وُہ نعمتیں بخشنے والی پاک ذات جو جہان سے مُستغنی ہے یہ جان اُسی کی ہے اور وُہ جان سے مستغنی ہے۔ جو چیز تیرے حیطۂ خیال میں سما جائے وُہ ذاتِ حق نہیں ہے بلکہ ذات اُس چیز کا قبلہ ہے اور اُس چیز سے مستغنی ہے ؛

یہ کلام نہایت ہی لغو ہے اس میں نہ مدح ربّانی ہے نہ مدح انسانی۔ اے مردک! تجھ کو آخر اس میں کیا ذوق حاصل ہے کہ وُہ تجھ سے مُستغنی ہے۔ یہ خطاب دوستوں کیلئے نہیں ہوتا بلکہ یہ خطاب دُشمنان ہے کیونکہ دُشمن سے کہا جاتا ہے کہ میں تجھ سے فارغ ہُوں اور مجھے تیری کوئی پرواہ نہیں۔ اب اِس عاشق زار کا کمال بھی دیکھیئے کہ ذوق کی حالت میں معشوق سے اس کو یہ خطاب ہوتا ہے کہ وُہ اس سے مستغنی ہے اِس کی مثال ایسے ہے کہ ایک بھنگی نجاست میں کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ بادشاہ مجھ سے مستغنی ہے اور تمام بھنگیوں سے مستغنی ہے۔ بھلا اِس بھنگی مردک کو کیا ذوق حاصل ہوگا جب بادشاہ اُس سے مستغنی ہے البتہ سخن قابلِ قدر تو یہ ہوتا اگر بھنگی کہتا کہ میں مزبلہ کی چھت پر تھا۔ بادشاہ گذرا اور میں نے اُس کو سلام کیا۔ بادشاہ نے نہایت شفقت سے مجھ پر نگاہ فرمائی اور میرے پاس سے بالکل قریب ہو کر گذرا اور اب بھی مجھ پر خاص نظرِ عنایت رکھتے ہیں۔ یہ سُخن ذوق دینے والا ہے لیکن یہ سخن کہ بادشاہ بھنگیوں سے فارغ ہے اسمیں بادشاہ کی کیا تعریف ہے اور بھنگی کو اس سے کیا حاصل۔ رُباعی کا دُوسرا شعر ہے "ہر چیز کہ در وہم تو بد وگشت محیط" اے مردک! تیرا وہم کہاں پہنچ سکتا ہے؟ لوگ تیرے وہم وگمان سے مستغنی ہیں۔ اگر تُو اُن سے اپنے خیال

Marfat.com

کے مطابق کلام کرے تو وُہ ملول ہوتے ہیں اور گریز کرتے ہیں تو بھلا حق تعالیٰ تیرے وہم سے کیسے مستغنی نہ ہوں۔ خود آیت استغنا کافروں کیلئے نازل ہُوئی ہے حاشا کہ یہ خطاب مومنوں کیلئے ہو کَمَا قَوْلُهٗ تعالیٰ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ۔ اَے مردک! اُس کا استغنا ثابت ہے لیکن اگر اُس کی جناب میں تیری کچھ قدر و قیمت ہو تو وُہ ذاتِ پاک تیری عزت کے اندازہ کے مطابق تجھ سے مستغنی نہ ہو۔

سورۂ مؤمن

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝

اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دُعا کرو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا تحقیق جو لوگ میری عبادت سے تکبّر کرتے ہیں وُہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

میرے پاس ایک جوان درویش آیا۔ میں نے پُوچھا آپ کا نام کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا سیف الدّین میں نے کہا سیف غلاف میں ہے نظر تو آتی نہیں۔ سیف وُہ ہوتا ہے جو دین کیلئے جہاد کرے دسراپا حقتعالےٰ کیلئے ہو جائے اور صواب کو خطا سے و حق کو باطل سے تمیز کرے لیکن سب سے اوّل اپنے نفس کیساتھ جنگ کرتا ہے۔ اپنے اخلاق کو سنوارتا ہے اور تمام نصائح اپنے آپ کو کرتا ہے جیساکہ عارفوں کا قول ہے اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ (اپنے نفس سے ابتداء کر)۔ وُہ اپنے آپ کو کہتا ہے کہ آخر تو بھی تو آدمی ہے دست و پا رکھتا ہے۔ گوش و ہوش رکھتا ہے چشم و دہان رکھتا ہے اور انبیاءٌ و اولیاءٌ جنہوں نے نعمتیں حاصل کیں اور منزلِ مقصود پہ پہنچے وُہ بھی تو بشر تھے اور تیری طرح اجزاء و اعضاء رکھتے تھے پھر کیا وجہ اُن کو رستہ دے دیا گیا اور دروازۂ قُرب کھول دیا گیا اور تیرے لئے نہیں؟ اپنے آپ کو خود ہی تنبیہہ کرتا ہے اور شب و روز اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرتا ہے کہ تجھ سے کونسا گناہ سرزد ہُوا اور تجھ سے کونسی حرکت صادر ہوئی کہ تو مقبولِ بارگاہ نہیں ہُوا۔ پھر تو کیسے سیف الدّین و لسان الحق ہو سکتا ہے؟ اُس کی مثال ایسے ہے کہ دس اشخاص ایک گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں نو کو تو اندر آنے کی اجازت مل جاتی ہے اور ایک باہر رہ جاتا ہے اُس کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اُس شخص کیلئے لازمی ہے کہ وُہ اپنے دل میں سوچے اور زاری کرے کہ وائے مجھ سے کونسا قصور ہُوا اور مجھ سے کونسی بے ادبی ہُوئی کہ مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں ملی؟ چاہیئے کہ گُناہ اپنے ذمّہ لگائے اور اپنے آپ کو مقصّر و بے ادب ٹھہرائے۔ ایسا نہ کہے کہ یہ سب

Marfat.com

کچھ میرے ساتھ حق تعالےٰ کر رہے ہیں۔ مَیں کیا کروں وُہ اَیسا ہی چاہتے ہیں۔ اگر چاہتے تو مجھ کو بھی دروازۂ قُرب میں داخل ہونے کی اجازت فرماتے کیونکہ اَیسی کلام کنایۃً حقتعالیٰ کو دُشنام دینے اور اُس کو تلوار مارنے کے مُترادف ہے۔ اگر وُہ اَیسے کلمات بولے گا تو وُہ حقیقتاً "سیف علی الحق" ہوگا نہ کہ "سیفِ حق"۔

حقتعالیٰ خویش و اقارب سے مُنزہ ہیں کَقَوْلِہٖ تَعَالیٰ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (نہ کوئی اُس کی اَولاد ہے اور نہ وُہ کِسی کی اَولاد ہے سورہ اخلاص)۔ بغیر بندگی کے کِسی شخص کو اُس تک رسائی نصیب نہ ہُوئی جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اور تُم محتاج ہو۔ سورہ محمدؐ۔ ع ۴)۔ تیرے لئے ممکن نہیں کہ کہہ سکے کہ فلان شخص جس کو قُربِ حق نصیب ہُوا وُہ مجھ سے خویش تر تھا اور مجھ سے آشنا تر تھا اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والا تھا۔ پس معلوم ہُوا کہ اُس کا قُرب سِوائے بندگی کے مُیسّر نہیں ہوتا۔ وُہ مُعطی علی الاطلاق ہے۔ اُس نے سمندر کا دامن موتیوں سے بھر دیا ہے۔ خار کو خلعتِ گُل پہنا دی ہے اور مُشتِ خاک کو بغیر کِسی غرض کے حیات و رُوح بخش دی ہے حتیٰ کہ عالم کے جُملہ اجزاء اُس سے بہرہ ور ہیں۔ جب کوئی شخص سُن لیتا ہے کہ فلان شہر میں ایک سخی مرد ہے جو عظیم بخشش اور اِحسان کرتا ہے تو وُہ ضرور اُس جگہ اِس اُمید پر پہنچ جاتا ہے کہ اُس سے بہرہ مند ہو۔ پس جب اِنعامِ حق اِسقدر مشہور ہے اور تمام عالم اُس کے لطف و کرم سے باخبر ہے تُو اُس سے گدائی کیوں نہیں کرتا اور خلعت و صِلہ کا طمع کیوں نہیں رکھتا؟ کاہل لوگوں کی طرح بیٹھا ہُوا ہے کہ اگر وُہ چاہے گا تو خود ہی دے گا اور خود تُو کوئی تقاضا نہیں کرتا۔ کُتا جو عقل و اِدراک نہیں رکھتا جب بھُوکا ہوتا ہے اور اُس کو روٹی نہیں ملتی تیرے پاس آجاتا ہے اور دُم ہلاتا ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ کو روٹی دے میرے پاس روٹی نہیں اور تیرے پاس ہے۔ اِتنی تمیز تو کُتا بھی رکھتا ہے۔ تُو آخر کُتے سے تو کم نہیں ہے۔ وُہ بھی اِس چیز پر راضی نہیں ہوتا کہ مٹی میں سو رہے اور کہے کہ اگر وُہ چاہے گا تو خود ہی مجھ کو روٹی ڈال دے گا بلکہ وُہ چاپلوسی کرتا ہے اور دُم ہلاتا ہے۔ اِسلئے تُو بھی خوشامد کر و گدائی کر اور حقتعالیٰ سے مانگ کیونکہ اُس جوادِ مُطلق سے گدائی کرنا عظیم مطلوب ہے۔ اگر تُو بخت نہیں رکھتا تو بخت اُس کریم سے مانگ کیونکہ وُہ خزانوں کا مالک ہے اور گدا گر دل کا سخت مشتاق ہے۔

حضرتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ تیرے بہُت ہی نزدیک ہیں۔ ہر فکر و تصوّر جو تُو کرتا ہے ذاتِ حق لازماً اُس کے ساتھ ہوتے ہیں کیونکہ اُس تصوّر و اندیشہ کو وُہ ہی پَیدا کرتے ہیں اور تیرے دِل کے سامنے رکھ دیتے ہیں مگر غایت نزدیکی کی وجہ سے تُو اُس ذاتِ پاک کو دیکھ نہیں سکتا۔ مثال کے طَور پر کیسی عجیب بات ہے کہ ہر کام جو تُو کرتا ہے تیری عقل اُس کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اُس کام کو سر انجام دیتی ہے لیکن تُو عقل کو دیکھ نہیں سکتا۔ اگرچہ تُو اُس کو آثار سے دیکھتا ہے لیکن تُو اُس کی ذات کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایک اَور مثال

سمجھئے - ایک شخص حمام میں جاتا ہے اور گرمی محسوس کرتا ہے - وُہ حمام کے اندر جس جگہ پھرتا ہے آگ اُسکے ساتھ
ہوتی ہے اور آگ کی تاب کی تاثیر سے وُہ گرمی حاصل کرتا ہے لیکن آگ کو نہیں دیکھتا - جب وُہ حمام سے باہر
نکلتا ہے تو آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اور اُسوقت وُہ جان لیتا ہے کہ وُہ گرمی اِس آگ کی وجہ سے تھی
اور تاب حمام بھی اِسی آگ سے تھی - اور اِسیطرح خود آدمی بھی ایک عجیب قسم کا حمام ہے - اِس میں عقل و رُوح
و نفس سب کی تابش ہے - لیکن جب تک تُو اِس حمام کے اندر ہے آگ کو بظاہر دیکھ نہیں سکتا اگرچہ آثار سے
دیکھتا ہے - جب تُو اِس حمام قالب سے باہر آجاتا ہے اور اُس عالم کی طرف عروج کر جاتا ہے تو بلاشبہ تُو ذاتِ
نفس و ذاتِ عقل اور ذاتِ رُوح کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور جان لیتا ہے کہ وُہ زیرکی تابش عقل سے تھی - وُہ مکر و
حیلے نفس کے تھے اور زندگی اثرِ رُوح تھی یعنی اُسوقت تُو بلاشبہ اِن میں سے ہر ایک کی ذات یعنی حقیقت کو پا
لیتا ہے - بامثال کے طور پر ایک شخص کی آنکھیں بند کر کے اُس کو بہتے ہُوئے پانی میں ڈال دیتے ہیں - وُہ آبِ
روان کو نہیں دیکھتا بلکہ ایک نرم نرم چیز جسم سے لگتی محسوس کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وُہ چیز ہے کیا - لیکن جب
اُس کی آنکھیں کھول دی جاتی ہیں وُہ ٹھیک جان لیتا ہے کہ وُہ پانی تھا - پہلے اُس کو آثار سے پاتا تھا لیکن
اب اُس کی ذات کو دیکھ لیتا ہے - پس تُو بھی گدائی کر اور حقتعالیٰ سے دُعا مانگ کہ تجھے اُس ذاتِ پاک کا
مشاہدہ نصیب ہو کیونکہ وُہ جوادِ مطلق کسی کا سوال رَدّ نہیں کرتے کَقَوْلِہٖ تعالیٰ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ
لَکُمْ ط (اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دُعا کرو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا) ؎

ہم سمرقند میں رہا کرتے تھے - خوارزم شاہ سمرقند کا محاصرہ کئے ہُوئے تھا اور عساکر جمع کر کے جنگ کر
رہا تھا - اُسی محلہ میں ایک ایسی حسین لڑکی تھی جس کی نظیر سارے شہر میں نہ تھی - لوگوں نے سُنا کہ وُہ بیچاری حقتعالیٰ
سے نہایت عاجزی سے دُعا مانگتی تھی خداوندا! تُو کب روا رکھتا ہے کہ مجھ کو ظالموں کے ہاتھ میں دے اور
میں جانتی ہُوں کہ تُو اِس کو ہرگز روا نہیں رکھیگا اور میں تجھ پر اعتماد رکھتی ہُوں - جب انہوں نے شہر کو غارت
کیا تمام خلقت کو قیدی بنا لیا حتیٰ کہ اُس لڑکی کی لونڈیوں کو بھی اسیر کر لیا - لیکن شانِ الٰہی دیکھئے - اُس لڑکی کو
ذرا آنچ نہ آئی - غایت حسن کیوجہ سے کسی شخص نے اُس کی طرف اِلتفات نہ کی بلکہ اُس کی طرف نظر بھی نہ کی.
اب تُو نے جان لیا ہوگا کہ جس کسی نے اپنے آپ کو حقتعالیٰ کے سپُرد کیا وُہ آفات سے ایمن رہا اور سلامت رہا.
اور کسی شخص کا سوال اُس کی بارگاہ میں ضائع نہیں جاتا جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی
ہم سے دُعا مانگتے رہو ہم قبول کرتے رہیں گے ؎

ایک درویش نے اپنے لڑکے کو ایسا سکھا رکھا تھا کہ جب وُہ باپ سے کوئی چیز مانگتا تو باپ کہتا بیٹا!
اِس کھڑکی کے سامنے ہو کر خداوند تعالیٰ سے مانگو - جب لڑکا روتا اور کھڑکی کے سامنے ہو کر حقتعالےٰ سے

Marfat.com

مانگتا تو باپ دُوسری طرف سے ہو کر خفیہ طور پر وُہ چیز کھڑکی میں رکھ دیتا۔ اِسطرح کئی سال گذر گئے۔ ایک دِن وُہ لڑکا گھر میں تنہا رہ گیا۔ اُس کو ہریسہ (حلیم) کی طلب پیدا ہُوئی۔ معمُول کے مطابق اُس نے کھڑکی کے سامنے ہو کر کہا مجھے ہریسہ چاہیئے۔ ناگاہ کاسۂ ہریسہ غیب سے حاضر ہو گیا اور اُس نے خُوب سیر ہو کر کھایا۔ جب باپ اور ماں واپس گھر میں آئے تو انہوں نے کہا بیٹا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ اُس نے جواب دیا ہریسہ مانگا تھا اور وُہ میں نے کھا لیا۔ باپ نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ تُو اِس مقام پر پہنچ گیا اور تیرا حقتعالیٰ پر اعتماد و وثوق قوی ہو گیا۔

حضرت مریم علیہا السّلام کی والدہ ماجدہ نے نذر مانی ہُوئی تھی کہ جو لڑکا پیدا ہو گا وُہ اُس کو خانۂ خدا کے لئے وقف کر دے گی اور اُس کو کسی دُنیاوی کام میں مشغول نہ کرے گی۔ اِس لئے جب حضرت مریم علیہا السّلام پیدا ہُوئیں تو آپؑ کی والدہ آپؑ کو سات برس کی عُمر میں مسجد میں چھوڑ گئیں۔ حضرت زکریا علیہ السّلام چاہتے تھے کہ وُہ خود آپؑ کی پرورش کریں لیکن مسجد کے دُوسرے نمازیوں نے بھی اِس چیز کی طلب کی لہٰذا اُن میں اِس امر پر جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اُس زمانہ میں کسی جھگڑے کو مٹانے کیلئے یہ معمول تھا کہ ہر کوئی اپنا قلم پانی میں ڈالتا۔ جس کا قلم پانی پر تیرتا فیصلہ اُسی کے حق میں ہو جاتا چنانچہ اُقلام پانی میں ڈالنے پر حق حضرت زکریا علیہ السّلام کا ثابت ہو گیا۔ حضرت زکریا علیہ السّلام ہر روز آپؑ کیلئے کھانا لاتے لیکن اُسی قسم کے طعام حجرۂ مسجد میں آپؑ کے پاس پاتے۔ بالآخر دریافت کیا کہ اَے مریمؑ کفیل تو آپ کا مَیں ہُوں یہ طعام آپ کہاں سے لاتے ہیں؟ حضرت مریم علیہا السّلام نے جواب دیا کہ جب مجھے کھانے کی حاجت ہوتی ہے جو کُچھ حقتعالےٰ سے مانگتی ہُوں مجھے بھیج دیتے ہیں۔ اُس جوّادِ مطلق کا کرم و رحمت بے نہایت ہے۔ جس کسی نے اُس ذاتِ کریم پر اعتماد کیا اُس کا کوئی سوال ضائع نہیں جاتا۔ اِس کلام کا حضرت زکریا علیہ السّلام پر نہایت اثر ہُوا اور آپؑ نے بھی خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی:

خداوندا! جب تُو سب کی حاجات پُوری کرتا ہے تو میری بھی ایک حاجت ہے وُہ پُوری فرما دے۔ مجھے ایک فرزند عطا کیجئے جو آپ کا دوست ہو اور بغیر میری کوشش کے آپ کے ساتھ موانست رکھے اور آپ کی طاعت میں مشغول رہے۔ اُسوقت حضرت زکریا علیہ السّلام کی پُشت بڑھاپے کی وجہ سے دُوتا ہو چکی تھی اور آپ بالکل کمزور ہو چکے تھے آپ کی بیوی تو جوانی میں ہی عقیم تھی۔ لیکن شانِ الٰہی دیکھیئے۔ آپ کی بیوی کو بڑھاپے میں حیض آ گیا اور آپ حاملہ ہو گئیں۔ حقتعالےٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو پیدا فرما دیا۔ اب تُو نے جان لیا ہو گا کہ جُملہ اسباب ربّ الارباب کے نزدیک ایک بہانہ ہیں وُہ قادرِ مطلق ہے اور حاکم مطلق وہی ہے۔

مومن وُہ شخص ہے جو جانتا ہے کہ پس پردہ ایک ایسی بالا دست ہستی موجُود ہے جو ہمارے جُملہ احوال کو دیکھ رہی ہے اور جان رہی ہے اور اُس کا اِس پر یقین کامل ہوتا ہے برعکس اُس شخص کے جو کہتا ہے یہ سب حکایات ہیں اور باور نہیں رکھتا۔ اِسلئے ایسا شخص مَن مانی موجیں ماننے پر آمادہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ گرفت الٰہی کا

Marfat.com

دِن بھی آپہنچتا ہے۔ تب پشیمان ہوتا ہے اور آہ و فغان کرتا ہے کہ افسوس مَیں غلطی پر تھا خطا پر تھا۔ مَیں نے اُس ذات کی نفی کی جو ہر جا موجود ہے۔ جس کا ذرّے ذرّے میں ظہور ہے بلکہ سب کچھ وہی ہے۔ اُس کے بغیر کچھ بھی نہیں مومن چُونکہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتا ہے اِسلئے اپنے اَعمال پر ہر وقت خیال رکھتا ہے مثال کے طَور پر تُو ایک رباب بجانے والا ہے اور تُو جانتا ہے کہ مَیں دیوار کے پیچھے کھڑا ہُوں جبکہ تُو رباب بجا رہا ہے۔ تُو رباب بجانے میں سخت محتاط ہوگا اور ہرگز سلسلہ منقطع نہ کرے گا۔ اِسیطرح اِس نماز سے یہ غرض نہیں ہے کہ تُو سارا دِن قیام و رکوع اور سجُود کرے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو حالت تجھے نماز میں نصیب ہوتی ہے وہ حالت تیری دائمی ہو خواہ تُو خواب میں ہو خواہ بیداری میں ہو خواہ لکھنے میں ہو خواہ پڑھنے میں ہو یعنی کسی حال میں تُو یادِ حق سے غافل نہ ہو تاکہ تُو اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (جو اپنی نماز پر قائم ہیں۔ معارج ع ۱) کا مصداق ہو جائے۔

یہ کلام و خاموشی کھانا و سونا خشم و عفو اور جمیع اوصاف چکّی کی گردش کیوجہ سے ہیں جو ہر وقت گھوم رہی ہے اُس کی یہ گردش پانی کے واسطہ سے ہے کیونکہ وُہ خود پانی میں ہے۔ بغیر پانی کے اُس نے آزما دیکھا ہے کہ وُہ نہیں چل سکتی اِسلئے اگر آسیا اِس گردش کو اپنی طرف منسوب کرے تو یہ اُس کی جہالت اور بے خبری ہے مقصد یہ ہے کہ اِنسان مرآت الرحمان ہے اور عکس کی حرکات و سکنات اپنی نہیں ہوتیں بلکہ وُہ اُس شخص کی ہوتی ہیں جو شیشہ کے بالمقابل ہوتا ہے۔ اب چُونکہ آسیا کیلئے گردش کا میدان بالکل تنگ ہے یعنی اگرچہ اِنسان کیصورت پر ذات حق کا ظہور ہے لیکن صفات کاملہ اِنسان میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ جب ذاتِ حق نے صرافت ذاتی کے مقام سے تنزّل فرما کر بشری لباس پہنا تو اِس عالم کی صفات کا لباس اوڑھنا پڑا بقول ؎ جیسا دیس ویسا بھیس یعنی صفاتِ کاملہ حُبِ اِمکانیہ میں چھُپ گئیں۔ تو اَے عزیز بارگاہِ الٰہی میں فریاد کر: خداوندا! مجھے اِس سیر اور گردش کے علاوہ ایک اَور رُوحانی گردش نصیب فرما تاکہ تیرا قطرۂ ہستی دریائے وحدت میں مِل جائے اور تیری ذات میں صفات کاملہ اِلٰہیہ کا ظہور ہو۔ کیونکہ وُہ قاضی الحاجات ہے اور اُس کا کرم و رحمت جُملہ موجُودات پر عام ہے لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط (اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دُعا کرو مَیں تمہاری دُعا قبول کروں گا) پس دمبدم مَولا سے مَولاہی کو طلب کر اور اُس کے ذکر سے غافل نہ ہو کیونکہ اُس کی یاد مرغِ رُوح کیلئے قوّتِ پَر و بال ہے۔ اگر تیرا مقصود کُلّی طَور پر تجھے حاصل ہو گیا تو نوُرٌ علیٰ نُور ورنہ یہ یادِ حق تیرے باطن کو بتدریج مُنوّر کرے گی اور تجھے عالم سے اِنقطاع حاصل ہوتا جائے گا۔ مثال کے طَور پر ایک پرندہ چاہتا ہے کہ آسمان تک پرواز کر جائے۔ اگرچہ وُہ آسمان پر نہیں پہنچتا لیکن ہر لحظہ زمین سے دُور ہوتا جاتا ہے اور دُوسرے پرندوں سے بالا ہوتا جاتا ہے یا اَور مثال لیجئے۔ ایک ڈِبیہ میں مُشک ہے اور اُس ڈِبیہ کا مُنہ تنگ ہے۔ تُو اُس میں ہاتھ ڈال کر مُشک باہر نہیں نکال سکتا لیکن پھر بھی تیرا ہاتھ معطر ہو جائیگا اور اُس کی بھینی بھینی خوشبو دماغ کو تازہ

Marfat.com

کردے گی۔ پس یادِ حق بھی اِسیطرح ہے اگر تجھے لذتِ وصال نصیب نہ ہُوئی تو اُس ذات پاک کی یاد تجھ میں اثرِ عظیم پیدا کرے گی اور تجھ کو بیشمار فوائد حاصل ہوں گے۔

سورہ حمٓ السجدہ

حَتّٰىٓ اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَ

یہانتک کہ جب وُہ اُس (دوزخ) کے قریب آجاویں گے تو اُن کے کان اور آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن پر اُن

قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ

کے اعمال کی گواہی دیں گے اور اُس وقت وُہ لوگ متعجّب ہو کر اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

کیوں گواہی دی وُہ اعضاء جواب دیں گے کہ ہم کو اُس اللہ تعالیٰ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمکو اوّل بار پیدا کیا تھا اور اُسی کے پاس پھر لائے گئے ہو۔

قیامت کے دِن آدمی کے جُملہ اعضاء ایک ایک علیحدہ علیحدہ کلام کریں گے۔ فلسفی اِس کی تاویل کرتے ہیں کہ ہاتھ کیسے کلام کر سکتا ہے ہاں البتہ یہ چیز ہو سکتی ہے کہ ہاتھ پر کوئی ایسی علامت اور نشانی ظاہر ہو جائے جو بجائے سخن ہو جیسا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر پھوڑا یا دنبل نکل آتا ہے کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ خبر دے رہا ہے کہ اِس شخص نے کوئی گرم چیز کھائی ہے یا ایک شخص کا ہاتھ زخمی ہے اور سیاہ ہے۔ کہیں گے کہ ہاتھ کلام کر رہا ہے کہ مُجھ کو چھری لگی ہے یا ایک سیاہ دیگ کے ساتھ مجھے رگڑ آ گئی ہے۔ پس اعضاء کا کلام کرنا اِس طریقہ پر ہوگا۔ اہلسنّت والجماعت کہتے ہیں کہ حاشا وکلّا یہ دست و پا بظاہر کلام کریں گے جیسا کہ زبان کلام کرتی ہے۔ قیامت کے دِن آدمی اِنکار کرے گا کہ مَیں نے چوری نہیں کی۔ ہاتھ فصیح زبان سے بولے گا تُو نے بلاشبہ چوری کی اور مال مسروقہ مَیں نے اُٹھایا۔ پھر وُہ شخص اپنے دست و پا کیطرف متوجہ ہوگا اور کہے گا کہ آپ تو بولنے والے نہیں تھے اب کیسے بول رہے ہو؟ وُہ جواب دیں گے اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (ہمیں اُسی اللہ تعالیٰ نے بولنا سکھایا جس نے ہر شئے کو گویائی بخشی۔) ہم کو اُس ذات پاک نے بولایا ہے جو ہر چیز کو بولاتا ہے وُہ جب چاہتا ہے در و دیوار کو اور سنگ و کلوخ کو گویائی عطا کر دیتا ہے۔ وُہ خالق جو ہر چیز کو نطق بخشتا ہے اُس نے ہم کو بھی نطق بخشا ہے جیسا کہ تیری زبان کو نطق بخشا ہے۔ تیری زبان بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم دست و پا بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہیں۔ پھر زبان کا بولنا جو محض ایک پارۂ گوشت ہے کیسے معقول ہے؟ لیکن

Marfat.com

چونکہ اُس کا بولنا تُو ہر وقت دیکھتا ہے اِس لیئے تجھے اچنبہ معلوم نہیں ہوتا ورنہ حقتعالےٰ کے نزدیک زبان بھی ایک بہانہ ہے۔ چونکہ اِس کو کلام کرنے کا امر دیا گیا تھا لہٰذا اِس نے کلام کی اور جو کچھ امر کرتا ہے وہی زبان بولتی ہے۔ اِسیطرح جس چیز کو اُمر کرتا ہے وُہ بولنے لگ جاتی ہے۔

سخن آدمی کی استعداد کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔ سخن اولیاء مثل پانی کے ہے جس کو باغبان خود جاری کرتا ہے۔ پانی کو کیا علم کہ اُس کو باغبان کہاں اور کس جنگل میں رواں کر رہا ہے۔ کسی گلزار کیطرف بہار ہا ہے یا سبزہ زار کیطرف۔ مَیں تو یہ جانتا ہُوں کہ اگر پانی زیادہ آ رہا ہے تو اُس جگہ تشنہ زمینیں زیادہ ہیں اور اگر تھوڑا آتا ہے تو جان لیتا ہُوں کہ زمین تھوڑی ہے کوئی باغیچہ ہے یا ایک چھوٹی سی چاردیواری ہے کیونکہ یُلَقِّنُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ عَلٰی لِسَانِ الْوَاعِظِیْنَ بِقَدْرِ ھِمَمِ الْمُسْتَمِعِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ سامعین کی ہمّت کے مطابق ہی واعظین کی زبان پر حکمت القا کرتے ہیں۔ مَیں جوتے سینے والا ہُوں۔ چمڑا تو بہت ہے لیکن پاؤں کے اندازہ کے مطابق چمڑا کاٹتا ہُوں اور سیتا ہُوں۔ ؎ سایۂ شخصم و اندازۂ اُو ٭ قامتش چند بود چندانم

یعنی میرے وجود کے سایہ کا اندازہ میرے قد سے لگایا جا سکتا ہے کہ وُہ کتنا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ جسطرح سایہ کسی شخص کے قد کے مطابق ہوتا ہے اِسی طرح اَولیاء کا کلام ہر انسان کی قابلیت کے مطابق ہوتا ہے۔

ایک چھوٹا سا حیوان یعنی کیڑا جو کہ زمین کے نیچے زندگی بسر کرتا ہے اور ظلمت میں رہتا ہے اُس کے آنکھ اور کان نہیں ہوتے کیونکہ جس مقام میں وُہ رہتا ہے وہاں اُس کو آنکھ اور کان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ نہیں کہ خداوند تعالیٰ کے پاس آنکھوں اور کانوں کی کمی ہے یا معاذ اللہ وہاں کسی قسم کا بُخل ہے مگر وُہ ذات پاک ہر چیز حاجت کے مطابق دیتے ہیں۔ جو چیز بغیر حاجت کے دی جائے وُہ بار بن جاتی ہے اِسیطرح حقتعالےٰ کا لُطف و کرم اور حکمت بھی بغیر حاجت کے بار بن جاتے ہیں۔ پس وُہ کسی پر بار کیسے ڈالیں۔ مثال کے طور پر بڑھئی کے ہتھیار تُو ایک درزی کو دیتا ہے کہ وُہ اُن سے کام کرے وُہ ہتھیار اُس کیلئے بار بن جاتے ہیں کیونکہ وُہ اُن کو استعمال نہیں کر سکتا۔ پس خداوند تعالیٰ ہر چیز حاجت کے مطابق دیتے ہیں۔

جسطرح وُہ کیڑے مکوڑے زمین کے نیچے اُس ظلمت میں زندگی بسر کرتے ہیں اِسی طرح ایسے لوگ بھی ہیں جو اِس عالم کی ظلمت میں قانع و راضی ہیں اور اُس عالم باطن کے محتاج و دیدارِ محبوبِ لم یزلی کے مشتاق ہرگز نہیں ہیں۔ اب وُہ چشم بصیرت اور وُہ گوش و ہوش اُن کے کس کام آئیں گے؟ اِس عالم کا کام تو اِس چشم حسّی سے سر انجام دیا جا سکتا ہے اور اُس عالم کا وُہ عزم ہی نہیں رکھتے تو پھر وُہ چشم بصیرت اُن کو کیوں عطا کی جائے۔ وُہ اُن کے کسی کام کی نہیں۔ ؎

تا ظن نبری کہ رہ روان نیز نیند ٭ کامل صفتان بے نشان نیز نیند

Marfat.com

زین گونہ کہ تو محرم اسرار نۂ ❖ می پنداری کہ دیگران نیز نیند

(ترجمہ) خبردار تو یہ گمان ہرگز نہ کر کہ طالبانِ خدا جہان میں موجود نہیں ہیں اور اولیائے کاملین بھی جہان میں موجود نہیں ہیں۔ تو چونکہ خود محرمِ اسرار نہیں ہے اس لئے تو خیال کرتا ہے کہ کوئی بھی محرمِ راز نہیں ہے ❖

اب یہ عالم غفلت سے قائم ہے اور اگر غفلت نہ ہو یہ عالم ویران ہو جائے۔ شوقِ حق و یادِ آخرت و شکم اور وجد اس عالم کے معمار ہیں۔ اگر ہم سب کو یہ دولتِ باطن نصیب ہو جائے تو ہم سب کے سب اُس عالم کیطرف چلے جائیں اور اس جگہ نہ رہیں لیکن چونکہ حق تعالےٰ چاہتے ہیں کہ دونوں عالم آباد رہیں دونوں گھروں پر دو علیحدہ علیحدہ مالک معمور کر دیئے ہیں ایک خانہ پر غفلت دوسرے خانہ پر بیداری تاکہ ہر دو خانہ معمور رہیں ❖

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ

اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ فرما دیجئے کہ یہ قرآن مجید ایمان والوں کیلئے تو رہنما اور شفا ہے اور جو ایمان

أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝

نہیں لائے اُنکے کانوں میں ڈاٹ ہے اور اِسی وجہ سے وُہ قرآن اُن کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ بوجہ عدمِ انتفاع کے ایسے ہیں کہ گویا انہیں کہیں بہت دور سے پکارا جا رہا ہے یعنی وُہ بالکل سنتے نہیں ❖

بعض لوگ کہنے لگے کہ سید برہان الدین صاحب وعظ تو خوب فرماتے ہیں لیکن کلام میں سنائی کے اشعار بہت پڑھتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کا کلام تو ایسے ہے کہ کہا جائے آفتاب خوب ہے، لیکن اس کا عیب یہ ہے کہ وُہ نور عطا کرتا ہے کیونکہ سنائی کے اشعار اُس سخن کے اظہار کیلئے ہیں۔ اور چیزوں کو آفتاب ہی دکھاتا ہے یعنی نورِ آفتاب میں ہم ہر چیز دیکھ سکتے ہیں پس نورِ آفتاب کا مقصود یہ ہے کہ وُہ جملہ اشیاء کو منور کر کے دکھا دیتا ہے ❖

آخر یہ آفتاب ایسی چیزیں دکھاتا ہے جو صرف دنیاوی کام کی ہوتی ہیں اور آخرت میں کام نہیں آتیں وُہ آفتاب جو ایسی چیزیں دکھاتا ہے جو ابد الآباد تک انسان کے کام آتی ہیں حقیقی آفتاب وُہ ہے اور یہ آفتاب اُس کی فرع و مجاز ہے۔ حقیقی آفتاب جناب سیدِ کل ختمِ رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم حضرت محمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کے نور سے تمام عوالم منور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مومن اپنی جزوی عقل کے مطابق اِس حقیقی آفتاب سے محبت رکھتا ہے اور نورِ علم طلب کرتا ہے تاکہ غیر محسوس اشیاء نظر آنے لگیں اور یہ جزوی عقل ترقی کر کے عقلِ کل کے قریب پہنچ جائے۔ شیخ کامل چونکہ فنا فی الرسولؐ کے مقام میں ہوتا ہے اسلئے طالب خدا اُس کو عین نورِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اُس سے نورِ معرفت حاصل کرتا ہے۔ پس ہم نے جان لیا کہ اس ظاہری آفتاب

Marfat.com

کے علاوہ ایک اور آفتاب ہے جس سے معانی وحقائق نصیب ہوتے ہیں اور یہ علم جزوی جس کی طرف تو دوڑ رہا ہے اور اُس سے خوش ہو رہا ہے اُس علم باطن کی فرع ہے اور اُس کا پرتو ہے۔ یہ پرتو یعنی علم شریعت تجھ کو اُس علم بزرگ اور آفتاب حقیقی کی طرف بُلا رہا ہے لیکن شیخ کامل کی بیعت اور علم توحید حاصل کرنے کے متعلق آیات قرآنی سن کر تو اسقدر بے پرواہ ہے کہ گویا تو نے سُنا ہی نہیں کقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ یعنی یہ لوگ قرآن مجید کو سُن کر اُس کی طرف سے ایسے بے پرواہ ہیں کہ گویا اُنہیں کہیں بہت دُور سے پکارا جا رہا ہے یعنی وُہ بالکل سمجھتے ہی نہیں ⁂

تو اُس علم توحید کو بیٹھے بٹھائے اپنی طرف کھینچتا ہے اور وُہ کہہ رہا ہے "میں اسجگہ نہیں سماتا اور تو اُس مقام پر بتدریج پہنچے گا۔ میرا اس جگہ سمانا ناممکن اور تیرا اُس جگہ آنا مشکل"۔ ناممکن کی تکوین ناممکن ہے لیکن مشکل کی تکوین ناممکن نہیں ہے پس اگرچہ اُس علم باطن کا حاصل کرنا ذرا مشکل ہے لیکن کوشش کرنا کہ وُہ علم بزرگ تجھے نصیب ہو جائے اور یہ توقع نہ رکھ کہ وُہ اس جگہ سما جائیگا کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ جب تک طالب خُدا اپنی ہستی سے فانی اور ذات حق سے باقی نہ ہو صفات کاملہ الٰہیہ کا ظہور اُس کے وجود میں نہیں ہوتا۔ علم باطن کی چوگ دی جاتی ہے حتیٰ کہ طالب خدا عارف کامل ہو جاتا ہے۔ اِس مقام پر درویش کا وجود مواد سے فارغ ہو جاتا ہے اور رُوح القدس جسم کیصورت اختیار کر لیتا ہے ⁂

اصل چیز انسان کی عاقبت ہے پس انسان کو عاقبت کا فکر کرنا چاہیئے کہ عاقبت محمود ہو۔ عاقبت محمود کیلئے لازمی ہے کہ انسان اگرچہ بظاہر دُنیا میں مشغول ہو لیکن اُس کا باطن حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی ظاہر میں تسبیح وتہلیل ہو اور دل میں وُہی دُنیا کی طلب تو ایسے اَوراد و ظائف سب بےسُود ہیں۔ اور اگر حقتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کے ظاہر و باطن دونوں کو دُنیا سے فارغ کر دیں تو زہے بخت اُس شخص کے وُہ نُورٌ علیٰ نُور ہے ⁂

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ

ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں عالم میں دکھائیں گے اور خود اُن کی ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ اُنپر ظاہر ہو جائیگا

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝

کہ تحقیق وُہ سب حق ہے۔ کیا آپکے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وُہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ یاد رکھو کہ وُہ لوگ اپنے رب کے لقا سے شک میں پڑے ہُوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ وُہ ہر شئے پر محیط ہے ⁂

ایک نجومی نے سوال کیا کہ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ان افلاک اور اس کرۂ خاکی جو نظر آ رہے ہیں کے

Marfat.com

علاوہ ایک اور ہستی ہے (مُراد اللہ تعالیٰ کی ذات پاک) لیکن میرے نزدیک اِن کے علاوہ اور کوئی ہستی نہیں۔اگر ہے تو دکھائیے کہ کہاں ہے؟

مَیں نے جواب دیا کہ پہلے تو یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ تُو کہتا ہے کہ مجھے دِکھا کہ وُہ کس جگہ ہے اور اُس ذات پاک کیلئے کوئی خاص مُعیّن جگہ نہیں۔اب ذرا آپ ہی بتائیے کہ آپ کا یہ اعتراض کہاں سے ہے اور کس جگہ میں ہے؟ زبان میں ہے دہان میں ہے یا سینہ میں ہے؟ اِن سب کو اگر تُو کھودے اور پارہ پارہ کردے اِس اعتراض واندیشہ کو تُو کہیں نہ پائیگا۔پس ہم نے جان لیا کہ تیرے خیال کیلئے کوئی خاص مُعیّن جگہ نہیں۔جب اپنے خیال کی جگہ کو تُو نہیں جانتا خالقِ خیال کی جگہ کو تُو کیسے جان سکتا ہے؟ کئی ہزار خیالات وحالات جو تیرے دِل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں تیرے قابو میں نہیں ہیں اور تیرے مقدور ومحکوم نہیں ہیں اور اگر اِن کے جائے طلوع کو تُو جان لے کہ وُہ کہاں ہے تو یہ تعجب کی بات ہے۔اِن جُملہ خیالات وحالات کیلئے تیرا دِل گذرگاہ ہے لیکن تُو نہیں جانتا کہ وُہ کہاں سے آرہے ہیں کہاں جارہے ہیں اور کیا کریں گے۔جب تُو اپنے احوال کو سمجھنے سے عاجز ہے تو پھر تُو کیسے توقع رکھتا ہے کہ اپنے خالق پر مطلع ہوسکے۔

اِس پر وُہ بولا کہ خُدا آسمان میں نہیں ہے۔مَیں نے جواب دیا اُسے نالائق تُو نے کیسے جان لیا کہ نہیں ہے کیا تُو نے آسمان کا چپہ چپہ ناپا ہے؟ ساری سَیر کی ہے اور اب آکر خبر دے رہا ہے کہ اُس میں نہیں ہے۔وُہ پری تیرے دِل میں رہتی ہے اور تُو نہیں جانتا۔بھلا آسمان میں تُو اُسے کیسے جان سکتا ہے؟ تُو نے آسمان اور ستاروں اور افلاک کے نام سُن رکھے ہیں۔اگر تُو آسمان سے مطلع ہوتا یا آسمان کیطرف ایک چپہ بھی پرواز کیا ہوتا ایسی ہرزہ سرائی نہ کرتا۔اور جو ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا آسمان پر نہیں ہے ہماری مُراد یہ نہیں ہے کہ وُہ آسمان پر نہیں ہے۔مقصد یہ ہے کہ آسمان اُس پر مُحیط نہیں ہے بلکہ وُہ آسمان پر مُحیط ہے اور اُس ذات پاک کا آسمان کے ساتھ بے چون وچگون تعلق ہے جیساکہ تیری ذات کیساتھ بے چُون وچگون تعلق ہے۔ہر شئے اُس کے دستِ قدرت میں ہے اور اُس کے تصرّف میں ہے بلکہ ہر شئے اُس کی مظہر ہے۔پس وُہ ذات آسمانوں سے باہر نہیں ہے لیکن وُہ بلکلّی اُن کے اندر بھی نہیں ہے یعنی وُہ اُس پر محیط نہیں ہیں بلکہ وُہ ذات ہر شئے پر مُحیط ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا جب آسمان وزمین وعرش وکُرسی نہ تھے اُس سے پہلے خداوند تعالیٰ کہاں تھا؟

مَیں نے جواب دیا یہ سوال اِبتدا ہی سے غلط ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کسی جگہ میں حصر نہیں ہوسکتے اور تُو پوچھتا ہے سب سے پہلے وُہ ذات کہاں تھی! یہ چیز جو تجھ میں ہے (حضرتِ رُوح) اُس کی جگہ تُو نہ جان سکا کہ کہاں ہے بھلا اُس ذات کی جگہ تُو کیسے جان سکتا ہے جو بے جائے مطلق ہے۔تُو اپنے خیال کی جگہ کا تصوّ

Marfat.com

نہیں کر سکتا بھلا خالق خیال کی جگہ کا تصوّر کیسے کر سکتا ہے جبکہ خالق خیال سے لطیف تر ہے۔ مثال کے طور پر یہ معمار جو عمارت بناتا ہے عمارت سے لطیف تر ہوتا ہے کیونکہ اُس نے سینکڑوں ایسی دُوسری عمارات اور نقشے یک بیک تیار کئے ہوتے ہیں مگر اُس کی وُہ لطافت اور کمال نظر نہیں آسکتا جب تک وُہ عملی طور پر کوئی عمارت تعمیر نہ کرے جو عالمِ حِسّ میں ہو اور اُس کی لطافت اور کمال کا مظہر ہو۔ یہ سانس جو موسم سرما میں ظاہر نظر آتا ہے اور موسم گرما میں نظر نہیں آتا اِس وجہ سے نہیں کہ موسم گرما میں سانس منقطع ہو جاتا ہے بلکہ اِس وجہ سے کہ موسم گرما برعکس موسم سرما کے لطیف ہوتا ہے اور سانس بھی چُونکہ لطیف ہے اِسلئے ظاہر نظر نہیں آتا۔ اِسی طرح تیرے جملہ اوصاف و معانی لطیف ہیں۔ وُہ سوائے کسی فعل کے واسطہ سے نظر نہیں آتے مثلاً حِلم تیری ذات میں موجود ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ جب تُو ایک گنہگار کا جُرم معاف کر دیتا ہے تیرا حِلم ظاہر نظر آجاتا ہے۔ اِسی طرح تیرا قہر نظر نہیں آتا۔ جب تُو کسی مجرم پر غصّے ہوتا ہے اور اُسے تھپّڑ مارتا ہے تو تیرا قہر نظر آجاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس تیرے جُملہ اوصاف افعال کے واسطہ سے نظر آتے ہیں۔ حقتعالیٰ غایت لطافت کیوجہ سے نظر نہیں آتے اِسلئے آسمان و زمین کو پیدا کیا تاکہ اُس کی قدرت و صنعت نظر آئے کَقَوْلِهٖ تَعَالیٰ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ (بھلا کیا نہیں نگاہ کرتے اُونٹوں پر کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے کئے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے۔ غاشیہ ع ۱) ٭

سورہ شوریٰ

عٓسٓقٓ ۝

عِشق ٭

جسقدر مہمان زیادہ ہو جاتے ہیں اُسی قدر مکان کو بڑھا لیتے ہیں۔ ساز و سامان زیادہ کر لیتے ہیں اور طعام زیادہ مقدار میں پکاتے ہیں۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ جب چھوٹے بچے کا قد چھوٹا ہوتا ہے اُس کا خیال بھی جو اُسکا مہمان ہے اُس کے خانۂ قالب کے مطابق ہوتا ہے۔ سوائے دودھ اور دایہ کے کچھ نہیں جانتا۔ اور جب وُہ بڑا ہو جاتا ہے تو اُس کے مہمان یعنی خیالات بھی ترقّی کر جاتے ہیں اعنی عقل و اِدراک اور تمیز بڑھ جاتے ہیں۔ جب مہمانِ عشق آتا ہے خانہ میں نہیں سماتا بلکہ خانہ کو ویران کر دیتا ہے اور از سرِ نَو عمارات کی تعمیر کرتا ہے۔ بادشاہ کے پردے اُس کا ساز و سامان اُس کے لشکر اور اُس کے حشم اُس کے خانہ میں نہیں سماتے۔ وُہ

Marfat.com

پردے اِن دروازوں کے لائق نہیں ہوتے اور اُسقدر حشم بے حد کیلئے مقام بھی بے حد چاہیئے۔ اُن پردوں کو جب لٹکاتے ہیں تو سب علیحدہ علیحدہ روشنی دیتے ہیں اور حجاب سب دُور ہو جاتے ہیں چھپی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ وُہ پردے اِس عالم کے پردوں کے برعکس ہیں کیونکہ یہ حجاب کو بڑھاتے ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ جب بندہ کو عشق الٰہی نصیب ہو جاتا ہے تو وُہ اپنی ہستی سے فانی اور ذات حق سے باقی ہو جاتا ہے یعنی اُس کا بشری وجود گداز ہو جاتا ہے اور وُہ وجود موہوب الٰہی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ عاشق مولا پر ایک حالت فنا یہ طاری ہوتی ہے جس کے بعد اُس کے وجود میں صفاتِ کاملہ الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے ۔

خداوند تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب کسی عورت کو پردہ اوڑھے دیکھتے ہیں تو حکم کرتے ہیں کہ نقاب اُٹھا دیجئے تاکہ ہم آپ کا چہرہ دیکھ لیں کہ تُو کون ہے اور کیا چیز ہے کیونکہ اگر تُو پوشیدہ گذر جائیگی اور ہم تجھے نہ دیکھیں گے تو ہم کو تشویش ہوگی کہ کون تھی اور کیا چیز تھی؟ ہم وہ نہیں ہیں کہ اگر آپ کا چہرہ دیکھ لیں گے تو آپ پر مبتلا ہو جائینگے اور عاشق ہو جائینگے۔ عرصہ ہُوا ہم کو حقتعالیٰ نے اپنے سے پاک اور فارغ کر دیا ہُوا ہے ہم اِس چیز سے بالکل ایمن ہیں کہ اگر آپ کو دیکھ لیں گے تو ہم کو تشویش ہوگی۔ ہاں اگر نہ دیکھیں تو پھر تشویش ہوتی ہے کہ کون شخص تھا۔ ہمارا معاملہ دُوسرے طائفہ کے خلاف ہے جو اہل نفس ہیں وُہ اگر کسی حسین عورت کا چہرہ دیکھ لیں تو عاشق ہو جاتے ہیں اور مُشوش ہو جاتے ہیں پس اُن کے حق میں یہ بہتر ہے کہ اُن کے سامنے پردہ نہ اُٹھایا جائے تاکہ فتنہ سے محفوظ رہیں ۔

ایک شخص نے کہا کہ خوارزم میں کوئی شخص عاشق نہیں ہوتا کیونکہ اُس جگہ حسین بہت ہیں۔ جب ایک حسین محبوب کو دیکھتے ہیں اور اُس سے دِل لگاتے ہیں تو اُس کے بعد اُس سے زیادہ حسین دیکھ لیتے ہیں اور اُس پہلے محبوب سے اُن کا دل سرد ہو جاتا ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ اگر کوئی شخص شاہدانِ خوارزم پر عاشق نہیں ہو سکتا تو اُس کو آخر خوارزم پر تو عاشق ہونا چاہیئے کیونکہ اُس میں بے حد محبوب ہیں۔ وُہ خوارزم فقر ہے کیونکہ اُسمیں شاہدانِ معنوی بیشمار ہیں اور رُوحانی صُورتیں بے حد اور باطنی حالات بے عد۔ جب تجھے ایک نصیب ہوتی ہے اور تو اُس سے قرار پکڑتا ہے تو دُوسری چہرہ دکھا دیتی ہے حتیٰ کہ پہلی کو تُو بھُول جاتا ہے پس نفس فقر پر عاشق ہونا چاہیئے کیونکہ اُس میں بیحد معشوق ہیں ۔

امیر نے کہا مولانا آپ ہمیشہ عظیم و عالی سُخن فرماتے ہیں۔ مَیں نے جواب دیا کہ سُخن اہل سُخن سے کسی حال میں منقطع نہیں ہوتا ہمیشہ سُخن اُس تک پہنچتا رہتا ہے اور اُسکے ساتھ ہر حال میں اِتصال رکھتا ہے۔ موسم سرما میں اگرچہ درختوں پر برگ و بر پیدا نہیں ہوتے لیکن آپ یہ خیال نہ کریں کہ وُہ کسی کام میں نہیں لگے ہُوئے۔ وُہ ہمیشہ کسی کام میں مشغول ہیں۔ سرما آمدنی کا موسم ہے گرما خرچ کا۔ خرچ کو ہر کوئی دیکھتا ہے لیکن آمدنی کو ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا جیسا

Marfat.com

کہ ایک شخص ضیافت کرتا ہے۔ تو بہت خرچ اٹھاتا ہے۔ اِس خرچ کو تو ہر کوئی دیکھتا ہے لیکن اُس آمدنی کو جو اُس نے تھوڑی تھوڑی کر کے جمع کی ہوتی ہے کوئی نہیں دیکھتا اور یہ نہیں جانتے کہ اصل چیز آمدنی ہے کیونکہ خرچ آمدنی سے کیا جاتا ہے۔ اہل اللہ کا جس شخص کیساتھ دِلی رابطہ ہو دمبدم اُس کے ساتھ سُخن میں مشغول ہوتے ہیں۔ کیا خاموشی میں کیا غیبت میں کیا حضور میں کیا سرور میں ہر حال میں اُس کے ساتھ سُخن جاری رہتا ہے۔ بلکہ اگر اُس کے ساتھ جنگ میں بھی ہوں اور گتھم گتھا ہوں اور ایک دُوسرے کو مُکّے مار رہے ہوں تو بھی اُس کیساتھ سُخن جاری رکھتے ہیں اور اُس کے ساتھ یگانہ ہوتے ہیں اور اُس کو کبھی جُدا نہیں کرتے۔ تو اُس کو مُکّہ نہ دیکھ اُس مُکّہ میں انگور ہوتے ہیں۔ اگر تُو یقین نہیں رکھتا تو کھول کر دیکھ۔ انگور کیا وُہ تو قیمتی جواہر ہوتے ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ اگر شیخ کامل کسی خاص درویش پر ناراض بھی ہوں تو وُہ ناراضگی اُس کی تربیت اور ترقی کیلئے ہوتی ہے۔ آخر کئی دُوسرے لوگ بھی نظم و نثر میں حقائق دقائق و معارف بیان کرتے ہیں لیکن امیر جو رغبت میری طرف رکھتا ہے وُہ معارف و حقائق و دقائق کی وجہ سے نہیں کیونکہ ایسے معارف ہر جگہ سے پائے جا سکتے ہیں۔ پس یہ جو وُہ مجھ سے رغبت رکھتا ہے اور دوستی رکھتا ہے اِن چیزوں کے سوا ہے۔ وہ کوئی اور چیز دیکھتا ہے اور اُس چیز کے علاوہ جو اُس نے دُوسروں میں دیکھی ہے وُہ ایک دُوسری قسم کا خاص ذوق حاصل کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے مجنوںؔ کو بُلایا اور کہا کہ تجھ کو کیا ہو گیا ہے اور کیا وجہ ہے کہ تُو نے اپنے آپ کو رُسوا کر دیا ہے۔ خان و مان ترک کر دیا ہے۔ خراب و خستہ حال ہو گیا ہے۔ لیلیٰ کیا چیز ہے اور کیا حُسن رکھتی ہے؟ آ تجھ کو سیمین بدن اور پری رُخسار محبوب دکھاؤں۔ تجھ پر قربان کر دُوں اور تجھ کو بخش دُوں۔ جب مجنوںؔ کو اُن مہ جبینوں میں جب کہ وُہ ناز و ادا کر رہی تھیں لایا گیا تو مجنوںؔ سر جُھکا کر کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ پر نظر ڈالتا تھا۔ بادشاہ نے فرمایا: بھائی سر اُٹھا اور اِن کی طرف نظر کر۔ جواب دیا مَیں ڈرتا ہُوں کیونکہ عشقِ لیلیٰ تلوار سونت کر کھڑا ہے۔ اگر سر اٹھاؤں تو میرا سر قلم کر دے گا۔ سُبحان اللہ! وُہ عشقِ لیلیٰ میں اسقدر غرق تھا کہ دُوسرے کی پرواہ تک نہ تھی۔ غیرِ لیلیٰ پر نظر اُس کیلئے شمشیرِ قاتل تھی۔ آخر دُوسرے نازنینوں کی بھی خوبصورت آنکھیں حُوروں کے سے چہرے سُرخ ہونٹ اور تلوار کیطرح تیز ناک تھے پھر اُس نے اُس میں کونسی خاص چیز دیکھی ہُوئی تھی کہ اُس میں ساکن ہو کر رہ گیا تھا۔

آدمی میں ایک ایسا عشق و درد و طلب و تردد اور تقاضا ہے کہ اگر صد ہزار عوالم اُس کی مِلکیت ہو جائیں تو بھی وُہ آسائش اور آرام نہیں پاتا۔ یہ ساری مخلوق ہر حرفت میں ہر پیشہ میں ہر صنعت میں ہر منصب میں اور تحصیلِ انواعِ عُلوم میں کوشش کرتی ہے لیکن کہیں بھی آرام نصیب نہیں ہوتا کیونکہ جو کچھ اصل مقصود ہے وُہ حاصل نہیں ہوتا۔ آخر معشوق کو "دلارام" کہتے ہیں کیونکہ وصالِ معشوق سے عاشق کے دِل کو آرام نصیب ہوتا ہے پس اُس کے مِلے

بغیر کیسے آرام و قرار نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ جُملہ مقاصد و خوشیاں مثل سیڑھی کے ہیں اور چونکہ سیڑھی کے پائے قیام اور رہائش کیلئے نہیں ہوتے بلکہ محض عبوری کیلئے ہوتے ہیں اسلئے مبارک ہے وُہ شخص جو جلدی ہی بیدار اور واقف ہو جائے تاکہ اُسکا سلوک جلدی ہی طے ہو جائے اور اپنی عُمرِ عزیز کو نردبان کے اِن پایوں میں ضائع نہ کرے۔

صُورت فرعِ عشق ہے کیونکہ بغیر عشق اِس صُورت کی قدر نہ تھی۔ فرع وُہ چیز ہوتی ہے جسکا وُجود بغیر اصل کے نہ ہو سکے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ کیلئے صُورت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ صُورت فرع ہوتی ہے اور اُس ذات کو فرع نہیں کہا جا سکتا۔ عشق بھی چونکہ بلا صُورت متصور نہیں ہے اور منعقد نہیں ہوتا اسلئے عشق بھی فرعِ صُورت ہے۔

مَیں کہتا ہُوں کیوں عشق بلا صُورت متصور نہیں ہے بلکہ صُورتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ صد ہزار صُورتیں کیا عملی کیا عینی عشق سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ نقش کا وُجود بغیر نقاش کے نہیں ہوتا اور نقاش کا ثبوت بغیر نقش کے نہیں ہوتا لیکن نقش فرع ہے اور نقاش اصل کَحَرَکَۃِ الْاِصْبَعِ مَعَ حَرَکَۃِ الْخَاتَمِ یعنی جسطرح اُنگلی کی حرکت انگوٹھی کی حرکت کیساتھ ہے۔ جب تک مکان کا عشق نہ ہو کوئی مہندس مکان کی صورت کا تصوّر نہیں کرتا۔ اور اسی طرح گندم کسی سال سونے کے بھاؤ بکتی ہے اور کسی سال مٹی کے بھاؤ حالانکہ گندم کی صُورت وُہی ہوتی ہے پس صُورتِ گندم کی قدر و قیمت عشق کیساتھ ہے۔ اور اسیطرح جس ہُنر کا تو طالب و عاشق ہو تیرے نزدیک اُس کی قدر ہوتی ہے اور جس زمانہ میں اُس ہُنر کا طالب ہی کوئی نہ ہو اُس ہُنر کو نہ کوئی سیکھتا ہے اور نہ کوئی عمل میں لاتا ہے۔

اِس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ عشق آخر کسی چیز کا اِفتقار و احتیاج ہوتا ہے پس احتیاج کیلئے اصل ہو سکتا ہے اور محتاج الیہ اُس کی فرع؟ مَیں نے جواب دیا کہ یہ سُخن جو تُو بول رہا ہے آخر یہ تیری حاجت سے پیدا ہُوا ہے کیونکہ جب تُو نے اِس سخن کی خواہش کی یہ سخن پیدا ہو گیا یعنی احتیاج مقدّم تھا اور یہ سُخن اُس سے پیدا ہُوا پس ثابت ہُوا کہ احتیاج کا وُجود اُس کے بغیر تھا لہٰذا عشق و احتیاج اُس کی فرع نہیں ہے۔ اُس نے کہا آخر اُس احتیاج سے مقصود یہ سخن تھا پس مقصود کیسے فرع ہو سکتا ہے؟ مَیں نے جواب دیا کہ مقصود ہمیشہ فرع ہوتا ہے جیسا کہ درخت کی جڑ جو کہ اصل ہے کا مقصود میوہ ہے جو کہ درخت کی فرع ہے۔

بعض کا قول ہے کہ محبّت موجب خدمت ہے اور یہ ایسا نہیں ہے بلکہ میلانِ محبوب مقتضی خدمت ہے اگر محبوب چاہے کہ مُحب خدمت میں مشغول ہو تو مُحب کیلئے خدمت لازم ہوتی ہے اور اگر محبوب خدمت نہ لینی چاہے تو مُحب کیلئے ترکِ خدمت لازم ہے۔ ترکِ خدمت منافیِ محبّت نہیں ہے۔ آخر اگر وُہ خدمت نہیں کرتا تو وُہ محبت ہی اُس میں خدمت کا کام کرتی ہے بلکہ اصل محبت ہے اور خدمت فرع۔

مجنوںؔ کو لوگوں نے کہا کہ آپ جو لیلیٰؔ کیساتھ محبت رکھتے ہیں اِس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ آپ دونوں بچے تھے اور ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے پس آپس میں محبت کا ہونا لازمی تھا۔ مجنوںؔ نے جوابدیا یہ لوگ بھی بیوقوف ہیں۔ کوئی ایسا مرد ہے جو خوبصورت عورت کیطرف مائل نہ ہو بلکہ عشق وُہ ہے کہ غنا و مزہ اُسی سے حاصل کرے یعنی دیدارِ محبوب ہی اُس کی غذا ہو بلکہ انواع لذات اُسی سے حاصل کرے۔ مجنوںؔ عاشقوں میں ایسی مثال ہے جیسے علم نحو میں عمرو زید۔

ایک دفعہ مَیں نے اپنے فرزند بہاؤالدین محمد سُلطان ولد کو حُکم دیا کہ امیر معین الدین پروانہ وزیر سلطنت کو کہہ دیویں کہ وُہ میری زیارت کیلئے نہ آیا کریں اور تکلیف نہ اُٹھایا کریں کیونکہ میری کئی حالتیں ہیں۔ ایک حالت ہوتی ہے کہ مَیں کلام کرتا ہُوں ایک ایسی حالت ہوتی ہے کہ مَیں کلام نہیں کرتا۔ ایک حالت ہوتی ہے کہ مَیں خلقت کی خدمت کا خیال رکھتا ہُوں ایک ایسی حالت ہوتی ہے کہ مَیں عزت و خلوت چاہتا ہُوں۔ اور ایک حالت ہوتی ہے کہ مجھ پر استغراق و حیرت غالب ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ امیر میرے پاس اُس حالت میں آئے کہ مَیں اُس کی دلجوئی نہ کر سکوں اور مجھے فراغت نہ ہو کہ مَیں اُس کو وعظ نصیحت کر سکوں۔ پس انسب یہ ہے کہ جب مجھے فراغت ہُوا کرے گی کہ دوستوں کے ساتھ مشغول ہو سکوں اور اُن کو فائدہ پہنچا سکوں تو مَیں خود ہی اُن کی زیارت کیلئے جایا کروں گا۔ اُسی روز پروانہ بھی آ پہنچا اور میرے ملنے سے پہلے ہی بہاؤالدین نے اُس کو میرا حُکم سُنا دیا۔ امیر نے بہاؤالدین کو جوابدیا کہ مَیں اِسلئے نہیں آتا کہ مولانا صاحب میرے ساتھ مشغول ہو جائیں اور میرے ساتھ ہمکلام ہوں بلکہ مَیں اِسلئے آتا ہُوں کہ مجھے غلاموں کے زُمرہ میں داخل ہونیکا شرف حاصل ہو جائے۔ مَیں جانتا ہُوں کہ یہ حُکم ایک خاص واقع کی بنا پر صادر کیا گیا ہے اور وُہ یہ ہے کہ چند روز قبل بندہ حاضر خدمت اقدس ہُوا تھا۔ مولانا صاحب مشغول تھے۔ بہت دیر تک مجھے انتظار کرنی پڑی اور کافی دیر کے بعد حضور باہر تشریف فرما ہوئے۔ یہ اِسلئے تھا کہ مَیں جان لُوں کہ اگر مُسلمان اور نیک لوگ میرے دروازہ پر آئیں تو اُن کو انتظار میں کھڑا نہ رکھوں بلکہ اُن کو جلدی ملاقات کی اجازت دُوں کیونکہ انتظار ایسی صعب اور دُشوار چیز ہے۔ مولانا صاحب نے مجھ کو اُس کی تلخی چکھا دی اور مجھ کو ادب سکھا دیا تاکہ دُوسروں کیساتھ مَیں ایسا نہ کروں۔

مَیں نے جواب دیا نہیں بلکہ میرا آپ کو منتظر کھڑا رکھنا عین عنایت کیوجہ سے تھا چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے کہ حقتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندۂ مومن! تیری حاجت دُعا و نالہ کی حالت میں مَیں جلدی پُوری کر دیتا لیکن چونکہ تیری آواز و نالہ مجھے پسند آتا ہے اِسلئے اجابت میں دیر ہو جاتی ہے تاکہ تُو زیادہ آہ و نالہ کرے اور مَیں تیرا آہ و نالہ سُنتا رہوں۔ اِس کی مثال ایسے ہے کہ دو گدا ایک شخص کے دروازے

Marfat.com

پڑ آتے ہیں۔ ایک مطلوب و محبوب ہے اور دوسرا عظیم مبغوض ہے۔ صاحب خانہ اپنے غلام کو حکم دیتا ہے کہ اس مبغوض سائل کو بے تاخیر ایک روٹی کا ٹکڑا دے دے تاکہ ہمارے دروازہ سے دور ہو جائے اور اس دوسرے کو جو محبوب ہے وعدہ دے کہ ابھی روٹی نہیں پکی۔ صبر کیجئے تاکہ روٹی پک کر آ جائے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوستوں کو جی بھر کر دیکھوں اور ان میں سیر سیر نظر کر دوں اور وہ بھی مجھ کو خوب سیر ہو کر دیکھیں۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر صاحب کو ہر دوستوں نے دار دنیا میں ایک دوسرے کو خوب سیر ہو کر نیک نیک دیکھا ہوگا تو جب اس عالم میں حشر ہوگا آشنائی کمال کی ہوگی۔ فوراً ایک دوسرے کو پھر شناخت کریں گے اور جان لیں گے کہ ہم دار دنیا میں اکٹھے رہے ہیں اور پھر آپس میں خوب مل جائیں گے۔ آدمی اپنے یار کو جلدی ہی گم کر دیتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس عالم میں ایک شخص کے ساتھ تیری دوستی ہوتی ہے وہ تیرا محبوب ہوتا ہے اور تیری نظر میں یوسف ہوتا ہے۔ جب ایک ہی فعل قبیح اس سے سرزد ہوتا ہے وہ تیری نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور تو اس کو گم کر دیتا ہے۔ وہ صفت یوسفی گرگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس کو تو یوسف دیکھتا تھا اسی کو تو اب بھیڑیا دیکھتا ہے حالانکہ اس کی صورت مبدل نہیں ہوئی۔ وہی ہے جو تو دیکھا کرتا تھا۔ اس ایک عارضی حرکت سے تو نے اسے گم کر دیا۔ کل جب حشر دیگر ظاہر ہوگا اور یہ ذات بذات دیگر مبدل ہو جائے گی جب تو نے اسے اچھی طرح شناخت نہ کیا ہوگا اور اس کی حقیقت کو اچھی طرح نہ پایا ہوگا تو اس کو کیسے شناخت کرے گا؟ حاصل کلام یہ ہے کہ ایک دوسرے کو نیک نیک دیکھنا چاہیئے اور اوصاف بد و نیک سے جو کہ آدمی میں مستعار ہیں گزر جانا چاہیئے بلکہ اس کی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیئے کیونکہ یہ اوصاف جو لوگ ایک دوسرے کے بیان کرتے ہیں ان کے اصلی اوصاف نہیں ہیں۔

حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا میں فلاں مرد کو خوب شناخت کرتا ہوں اور اس کے نشان بتا سکتا ہوں۔ لوگوں نے کہا بتائیے۔ جواب دیا میں نے اس سے مکان کرایہ پر لیا تھا اور اس کے پاس دو سیاہ گائیں تھیں۔ اب جملہ خلائق کی یہی مثال ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں دوست کو دیکھا اور اس کو خوب شناخت کرتے ہیں لیکن جو نشان اس کے بتاتے ہیں وہ درحقیقت ایسے ہی ہوتے ہیں جو دو سیاہ گائے والی حکایت میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ اسی کے نشان نہیں ہیں اور وہ نشان کسی کام نہیں آتے۔ غرض یہ ہے کہ آدمی کے نیک و بد اوصاف سے گزر جانا چاہیئے اور اس کی ذات یعنی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیئے کہ اس میں کیا کمالات ہیں کیونکہ اس کا دیکھنا و سمجھنا یہی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

Marfat.com

ایک شخص نے اِس بیت کا معنی دریافت کیا ؎

اَی برادر تُو ہماں اندیشہ ٭ مابقی تو اُستخوان و ریشہ

مَیں نے جواب دیا کہ بعض لوگوں نے "ہماں اندیشہ" سے اندیشہ مخصوص مُراد لیا ہے حالانکہ مَیں نے لفظ "اندیشہ" جہتِ وسعت سے استعمال کیا ہے یعنی اَے بھائی تُو تو بس ایک خیال ہی خیال ہے۔ اندیشہ سے مُراد خیال یا اِدراک یا قوتِ مُدرِکہ ہے اعنی اِنسان تو اِس قوتِ مدرِکہ کا نام ہے۔ اِس کے علاوہ ہڈیاں ہیں یا گوشت پوست ہے۔ اِسی قوتِ مُدرکہ کا دُوسرا نام حضرتِ رُوح ہے جو عین ذات حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے اگر کوئی شخص فہمِ عوام کیخاطر زیادہ نازک تاویل کرنا چاہے تو کہہ سکتا ہے اَلْاِنْسَانُ حَیْوَانٌ نَاطِقٌ (اِنسان حیوان ناطق ہے) کیونکہ نطق اندیشہ ہی ہوتا ہے خواہ مُضمر ہو خواہ مَظہر ہو اور اِس کے سوا حیوان ہے تو پس ثابت ہُوا کہ "اِنسان" عبارت ہے "اندیشہ" سے اور اِس کے سوا ہڈیاں ہیں اور گوشت پوست ہے۔ کلام بمثل آفتاب کے ہے اور تمام آدمی اُسی سے گرم و زندہ ہیں۔ یہ آفتاب دائماً موجود ہے اور سب اُسی سے دائماً گرم یعنی مُستفیض ہوتے ہیں لیکن آفتاب نظر نہیں آتا اور نہیں جانتے کہ اُسی سے زندہ و گرم ہیں جب کسی لفظ و عبارت کیواسطہ سے خواہ شکریہ ادا کیا جائے خواہ شکایت کی جائے خواہ خیر کا ذِکر ہو خواہ شر کا تو آفتاب نظر آجاتا ہے۔ جسطرح آفتاب فلکی دائماً تاباں ہے لیکن جب تک اُس کی شعاع کسی دیوار پر نہ چمکے نظر نہیں آتا۔ اِسی طرح جب تک حرف و صوت کا واسطہ نہ ہو شعاعِ آفتابِ سُخن نظر نہیں آتی اگرچہ آفتاب دائماً تاباں ہے کیونکہ آفتاب لطیف ہے کَقَوْلِہٖ تعالیٰ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۝ (اُن کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وُہ آنکھوں کو پا سکتے ہیں اور وُہ لطیف و باخبر ہیں۔ انعام ع ۱۳) بس کوئی کثافت چاہیئے تاکہ اُس کے واسطہ سے نظر آسکے اور ظاہر ہو۔

آدمی کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا مگر تمام مخلوق کی بندگی اور خدمت کرتا ہے یعنی زن مرد لڑکے مال حجر و مَدَر سب کی پُوجا کرتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔ پھر جب اُس کو معرفت و بیداری نصیب ہو جاتی ہے غیرِ خُدا کی عبادت نہیں کرتا۔ پھر جب اِس حالت سے ترقی کر جاتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے نہ کہتا ہے "عبادت نہیں کرتا" اور نہ کہتا ہے "عبادتِ حق کرتا ہُوں"۔ بلکہ اِن ہر دو مراتب سے آگے گذر جاتا ہے۔ اَیسے لوگ ذاتِ الٰہی کے سمندر میں محو و مستغرق ہونے کے باعث ہر دو عالَم سے آگے گذر جاتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نہ حاضر ہے نہ غائب بلکہ ہر دو صفات حُضُور و غَیْبَت کا پیدا کرنیوالا ہے پس وُہ ہر دو کا غیر ہے اِسلئے کہ اگر وُہ حاضر ہو تو چاہیئے کہ غَیْبَت نہ ہو حالانکہ غَیْبَت ہے اور حاضر بھی نہیں ہے کیونکہ حُضور

میں غیبت نہیں ہوتی اور وُہ ہے لہٰذا وُہ حضور و غیبت سے موصُوف نہیں ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ضد سے ضد پیدا ہو کیونکہ حالتِ غیبت میں لازم آئے گا کہ حضور کو اُس نے پیدا کیا ہو اور حضور ضدِ غیبت ہے اور اسیطرح حالتِ حضور میں غیبت کا پیدا ہونا لازمی ہوگا اور غیبت حضور کی ضد ہے۔ ممکن نہیں کہ ضد سے ضد پیدا ہو اور ممکن نہیں کہ حقتعالیٰ اپنی مثل پیدا کرسکے کیونکہ کہا جاتا ہے لَا نِدَّ لَہٗ (اُس کی مثل کوئی نہیں)۔ اگر مثل کا مثل کو پیدا کرنا ممکن ہو تو بغیر مُرجح ترجیح لازم آتی ہے اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ ایجَادُ الشَّیئِ بِنَفسِہٖ (ایک شئے خود اپنے آپ کو پیدا کرتی ہے) اور یہ دونوں امور ناممکن ہیں۔ جب تیری عقل اس مقام تک پہنچ جائے تو ٹھہر جا اور دخل نہ دے کیونکہ اس جگہ اس سے زیادہ عقل کو دخل نہیں ہے۔ جب کوئی شخص دریا کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے الحاصل جب تک سالک بحرِ تجلیات میں مستغرق نہ ہو جائے اسرارِ توحید کے جواہر کیسے نصیب ہو سکتے ہیں ۔

تمام فنون علوم ہنروں اور حرفتوں میں مزہ و چاشنی توحید کے باعث ہے کیونکہ اگر یہ وجہ نہ ہو تو کسی کام اور حرفت میں مزہ نہ ہو۔ اگرچہ اس حقیقت کو ہر کوئی نہیں جانتا اور اس کا جاننا شرط نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک مرد ایک مالدار عورت پر عاشق ہے جس کے پاس بھیڑیں ہیں اور گھوڑوں کا گلہ ہے۔ وُہ مرد اُن بھیڑوں اور گھوڑوں کی خدمت کرتا ہے اور باغات کو پانی دیتا ہے۔ اگرچہ وُہ مرد خدمت میں مشغول ہے لیکن اُن تمام کاموں میں مزہ اُس عورت کے وجود کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر وُہ عورت درمیان نہ ہو تو اُن کاموں میں اُس مرد کو کوئی مزہ نہ ہو اور وُہ سرد ہو جائے بلکہ بے جان ہو جائے۔ اسیطرح عالم کی جملہ حرفتوں اور علوم میں زندگی و خوشی و گرمی ذوقِ عارف کے پرتو کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر اُس کا ذوق نہ ہو اور تمام کاموں میں اسکا وجود نہ ہو تو ذوق و لذت نہ رہے اور تمام کام مُردہ معلوم ہوں ۔

سورہ زخرف

اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ‌ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ

کیا یہ لوگ آپؐ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دُنیوی زندگی میں اُن کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے

فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَـتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا‌ ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ‏○

اور ہم نے ایک کو دُوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دُوسرے سے کام لیتا رہے اور عالم کا انتظام قائم رہے اور یقیناً آپؐ کے ربّ کی رحمت یعنی نبوّت بدرجہا اُس دنیوی مال و متاع سے بہتر ہے جسکو یہ لوگ

Marfat.com

سمیٹتے پھرتے ہیں ۔

بزرگوں کے سخن اگر صد مختلف صُورتوں میں پیش کئے جائیں تو بھی سب کا مقصد ایک ہوتا ہے۔ جب خداوند تعالیٰ ایک ہے اور راہ ایک ہے تو سخن دو کیسے ہو سکتے ہیں؟ اُن کے سخن گو بظاہر ایک دُوسرے کے مخالف نظر آتے ہیں لیکن سب کا معنیٰ ایک ہے۔ تفرقہ صرف صُورت میں ہے۔ معنیٰ میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے اور کُلّی جمعیت ہے۔ مثال کے طور پر بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ایک خیمہ تیار کیا جائے۔ ایک شخص رسیاں بٹتا ہے۔ ایک شخص میخیں تیار کرتا ہے۔ ایک شخص کپڑا بُنتا ہے۔ ایک شخص کپڑا سیتا ہے اور ایک شخص کپڑا پھاڑتا ہے۔ یہ تمام اشغال اگرچہ بظاہر مختلف و متفرق ہیں لیکن حقیقت کی رُو سے سب جمع ہیں اور سب ایک ہی کام کر رہے ہیں۔ اور اسی طرح اِس عالم کے احوال ہیں۔ جب تُو غور سے دیکھیگا تو تجھ پر منکشف ہو جائیگا کہ سب بندگیٔ حق کر رہے ہیں کیا فاسق کیا صالح کیا عاصی کیا مطیع کیا دیو کیا فرشتہ سب بندگیٔ حق میں مشغول ہیں۔ مثلاً بادشاہ اپنے مال اسباب کیساتھ اپنے غلاموں کا امتحان اور آزمائش لینا چاہتا ہے تاکہ باثبات اور بے ثبات میں تمیز ہو جائے اور نیک عہد بد عہد سے اور باوفا بے وفا سے ممتاز ہو جائے۔ اِس امر کیلئے بادشاہ کو ایک موسوس چاہیئے جو اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالے تاکہ اُن کا ثبات ظاہر ہو اور اگر وسوسہ ہی نہ ڈالا جائے تو ثبات کیسے ظاہر ہو۔ پس وُہ موسوس بادشاہ کی بندگی کرتا ہے کیونکہ بادشاہ کی منشا یہی ہے کہ وُہ ایسا کرے۔ ایسے ہی ہوا کا تیز جھونکا اسلئے بھیجا جاتا ہے کہ ثابت اور غیر ثابت میں تمیز کر دے۔ مچھر کو درختوں اور باغ سے جُدا کر ڈالے تاکہ مچھر دُور ہو جائے اور جو کچھ مچھر کے سوا ہو وُہ باقی رہ جائے ۔

ایک بادشاہ نے ایک لونڈی کو فرمایا کہ اپنے آپ کو آراستہ کر اور اپنے حُسن و جمال کو میرے غلاموں کے سامنے پیش کر تاکہ اُن کی امانت و خیانت ظاہر ہو جائے۔ اُس لونڈی کا فعل اگرچہ بظاہر معصیت دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت وُہ بادشاہ کی بندگی کر رہی ہے۔ کُمّل عارفین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بلا دلیل و تقلید بلکہ اپنی آنکھوں سے بے پردہ و حجاب مشاہدہ کر لیا ہے کہ اِس عالم میں جُملہ نیک و بد حقتعالیٰ کی بندگی و طاعت کر رہے ہیں کَمَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی کوئی شَے ایسی نہیں جو حمد خداوندی کی تسبیح میں نہ لگی رہتی ہو (بنی اسرائیل ع ۵) پس اُن کیلئے قیامت اِسی عالم میں قائم ہے کیونکہ قیامت کے متعلق یہ تعبیر کیا جاتا ہے کہ قیامت کے روز ہر کوئی حقتعالیٰ کی بندگی میں مشغول ہوگا اور سوائے بندگی کے اُور کوئی کام نہ ہوگا اور یہ حقیقت وُہ اِسی عالم میں مشاہدہ فرما رہے ہیں اِسی لئے امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَوْ کُشِفَ الْغِطَآءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا یعنی جب حشر برپا ہوگا اور قیامت قائم ہو جائے گی تو ہمارے یقین میں اضافہ نہ ہوگا ۔

Marfat.com

از رُوئے لُغت عالم عارف سے عالی تر ہوتا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کو عالم کہتے ہیں لیکن عارف نہیں کہا جاتا۔ عارف کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص پہلے نہ جانتا تھا اور پھر اُس نے جان لیا اور یہ امر خداوند تعالیٰ کے لائق نہیں ہے۔ از رُوئے عُرف عارف عالم سے بڑھ کر ہے کیونکہ عارف سے مُراد وُہ شخص ہے جو ہر چیز کو بغیر دلائل کے جانتا ہو اور جسکا علم مشاہدہ اور معائنہ پر مبنی ہو۔ عُرف عام میں عارف ایسے شخص کو کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک عالم صد زاہد سے افضل ہے۔ بھلا عالم صد زاہد سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ آخر ایک زاہد بھی علم کی بنا پر زُہد کرتا ہے۔ زُہد بغیر علم کے محال ہوتا ہے۔ زُہد کی آخر تعریف کیا ہے؟ دُنیا سے اعراض کرنا اور مُنہ طاعت کیطرف اور آخرت کی طرف پھیرنا۔ پس ضروری ہے کہ زاہد دُنیا کی حقیقت کو جانتا ہے یعنی دُنیا کی زشتی و بے ثباتی کو جانتا ہے اور آخرت کے بقا و ثبات و لطف کو بھی جانتا ہے اور طاعت کے متعلق اجتہاد کرنا یعنی کیسے طاعت کروں اور کونسی طاعت کروں بھی جانتا ہے۔ یہ سب علم ہے۔ پس زُہد بغیر علم کے محال ہے لہٰذا زاہد عالم بھی ہے اور زاہد بھی۔ اسلئے عالم صد زاہد سے افضل کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگوں نے اس کا معنی نہیں سمجھا۔ وُہ علم اور ہے جو حقتعالےٰ اس علم اوّل اور زُہد کے بعد اُس کو عطا فرماتے ہیں۔ یہ علم ثانی اُس علم اوّل و زُہد کا ثمرہ ہے۔ اس علم کو علم باطن یا علم حقیقت کہتے ہیں۔ واقعی اس علم حقیقت کو جاننے والا عالم صد زاہد سے افضل ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک مرد نے ایک درخت لگایا اور اس درخت پر پھل لگا۔ واقعی وُہ درخت جس پر پھل لگتا ہے اُن صد درختوں سے افضل ہے جن سے ابھی پھل نہیں لگتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وُہ درخت پھل تک پہنچنے ہی نہ پائیں اسلئے کہ راستہ میں آفات بیشمار ہیں۔ حاجی جو کعبہ شریف تک پہنچ جاتا ہے اُن صد حُجاج سے افضل ہے جو ابھی دشت میں روان ہیں کیونکہ اُن کو ابھی خوف لاحق ہے پہنچیں یا نہ پہنچیں۔ لیکن یہ حقیقت میں پہنچ چُکا ہے۔ یک حقیقت صد ہزار شکوک سے افضل ہے۔

امیر نائب نے کہا جو ابھی کعبہ شریف تک نہیں پہنچا وُہ بھی آخر اُمید تو رکھتا ہی ہے۔ مَیں نے جواب دیا وُہ شخص جو ابھی اُمید رکھتا ہے اور وُہ شخص جو پہنچ چکا ہے دونوں میں بے شمار فرق ہے۔ اتنا فرق ہے جتنا خوف اور امن میں فرق ہے۔ اور یہ فرق اتنا بڑا ہے کہ ہر کہ ومہ پر ظاہر ہے۔ اس کے بیان کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ کُجا خوف اور کُجا امن۔ اچنبہ تو یہ ہے کہ امن امن میں بھی عظیم فرق ہے۔ چنانچہ جناب سیّد کُل ختم رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سابقہ انبیاء علیہم السّلام پر فضیلت از رُوئے امن ہے۔ کیونکہ جملہ انبیاء امن کے مقام میں ہیں اور مقام خوف سے گذرے ہوئے ہیں سوائے اس کے کہ امن میں بھی اپنے مقامات ہیں جیسا ارشادِ خداوندی ہے وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ یعنی ہم نے بعض کے درجے بعض سے بلند کئے ہیں۔ البتہ عالم خوف میں مقامات خوف کا نشان دیا جا سکتا ہے مگر

Marfat.com

مقامات امن بے نشان ہیں۔ عالم خوف میں نظر کیجئے۔ ہر سالک راہِ خدا میں کیا قربانی کر رہا ہے؟ کوئی تن کی قربانی کر رہا ہے۔ کوئی مال کی قربانی کر رہا ہے۔ کوئی جان کی قربانی کر رہا ہے۔ کوئی روزہ رکھ رہا ہے کوئی زکوٰۃ دے رہا ہے کوئی نماز میں مصروف ہے۔ کوئی دو رکعت پڑھتا ہے کوئی صد رکعت پڑھتا ہے۔ پس اُن کے منازل متصور ہیں اور معین ہیں۔ اُن کے نشان دیئے جا سکتے ہیں جیسا کہ قونیہ سے قیصریہ تک منازل معین ہیں اوّل قیماز دوم اوبرخ سوم سلطان وغیرہ۔ اب عالم امن میں غور کیجئے۔ منازل دریا انطاکیہ سے مصر تک بے نشان ہیں۔ اُن کو کشتی بان ہی جانتا ہے۔ وہ اہل خشکی سے بیان نہیں کی جاتیں کیونکہ وہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یعنی غواصانِ بحر حقیقت (انبیاؑ اور اولیاؒ) کے مقامات اور حالات بشری عقول اور فہوم سے بالاتر ہیں اس لئے وہ عوام الناس کے سامنے بیان نہیں کئے جاتے۔

امیر نائب نے کہا گفتار بھی آخر کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچاتی ہے۔ اگر ساری کلام کا مفہوم پورا پورا نہ سمجھیں تو کچھ تو ضرور ہی سمجھیں گے اور اُس سے فائدہ حاصل کریں گے اور اُن مقامات اور حالات کے متعلق کچھ خوشبو اُن کے مشامِ خیال کو معطر کر دیگی۔ بلکہ اشتیاق کی دھیمی دھیمی سُلگتی ہوئی آتش کو شعلہ افگن و درخشاں کر دیگی۔

مَیں نے جواب دیا واللہ بالکل ٹھیک ہے ایک شخص اندھیری رات میں اس ارادہ سے بیدار بیٹھا ہُوا ہے کہ وہ دن کو آفتاب کی زیارت کرے گا۔ اگرچہ وہ یہ نہیں جانتا کہ کس طرف چلے لیکن چونکہ وہ دن کا منتظر ہے اسلئے وہ دن کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یا ایک شخص اندھیری رات میں جبکہ آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہُوئے ہیں ایک قافلہ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ کہاں پہنچا ہے کہاں سے گذر رہا ہے اور کس قدر مسافت قطع کی ہے لیکن جب آفتاب طلوع فرماتا ہے تو وہ اپنے چلنے کا حصول وصول کر لیتا ہے یعنی اچانک منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ جو کوئی حقتعالیٰ کیخاطر صرف دو آنکھیں جھپکتا ہے وہ بھی ضائع نہیں ہے کقولہٖ تعالیٰ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ٥ (جس نے رائی کے دانہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ اُسے دیکھ لیگا۔ سورہ زلزال) پس سلاطین معرفت کے کلمات حکمت صرف اُن لوگوں کیلئے فائدہ مند ہیں جو طالبانِ مولا ہیں اور جستجو میں پویان ہیں لیکن جن کے دل سیاہ اور محجوب ہیں وہ کیا فائدہ اُٹھائیں گے البتہ طالبانِ آخرت جو جانتے ہیں کہ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی جو کچھ اس جگہ بوئیں گے وہی اُس جگہ اُٹھائیں گے اعمال صالحہ کا توشہ اُن کی صحبت سے حاصل کر لیتے ہیں۔

حضرت عیسٰی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت ہنستے تھے اور حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت روتے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کہا آپ حقتعالیٰ کے دقیق مکروں سے بالکل امین ہو گئے ہیں کہ اسقدر ہنستے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جواب دیا آپ حقتعالیٰ

Marfat.com

کی عنایاتِ غریب والطافِ لطیف سے بالکل غافل ہو گئے ہیں کہ اسقدر روتے ہیں۔ اولیاء اللہ میں سے ایک ولی اس مکالمہ میں حاضر تھا۔ اُس نے حقتعالیٰ سے دریافت کیا کہ ان دونوں میں کس کا مقام عالی تر ہے۔ مولائے کریم نے جواب دیا اَنَا عِنْدَ مَنْ هُوَ اَحْسَنُهُمْ بِیْ ظَنًّا یعنی میں اُس کے نزدیک ہوں جو ان میں سے میرے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہے کیونکہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کیساتھ ہوں ہر بندے کیلئے میری ایک خاص صورت ہے اور ایک خاص خیال ہے۔ وہ جو کچھ مجھے خیال کرتا ہے میں اُسی جگہ ہوتا ہوں میں اُس خیال کا بندہ ہوں کہ حق اُس جگہ ہے میں اُس حقیقت سے بیزار ہوں کہ حق اُسجگہ نہیں ہے۔ پس اے بندگانِ من! خیالات کو پاک کیجئے کیونکہ یہی میرا مقام اور یہی میری جلوہ گاہ ہے۔

پس اے طالب تُو اپنے آپ کو آزما کہ تیرے لئے گریہ و خندہ وصوم و نماز و خلوت و جمعیت وغیرہ میں سے کونسا شغل نافع تر ہے اور کس طریقہ سے تیری حالت زیادہ درست و زیادہ ترقی کرتی ہے۔ بس تُو وہی شغل اختیار کر جیسا حدیث شریف میں وارد ہے اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ یعنی تو اپنے دل سے فتویٰ لے اگرچہ مفتی لوگ فتویٰ دیتے رہیں مُفتی معنی تیرے دل میں موجود ہے۔ فتاویٰ مفتیان اُس کے سامنے پیش کر اور جو کچھ اُس کے موافق آئے اُس کو اختیار کر جیسا کہ طبیب جب ایک بیمار کے پاس آتا ہے تو طبیب اندرون سے دریافت کرتا ہے۔ تیرے اندر ایک طبیب ہے اور وہ تیرا مزاج ہے۔ چونکہ مزاج بعض اشیاء کو قبول کرتا ہے اور بعض کو نا قبول لہٰذا طبیب بیرونی اُس سے دریافت کرتا ہے کہ فلاں چیز جو آپ نے کھائی وہ کیسے تھی؟ ہلکی تھی یا ثقیل تھی؟ اس کا جواب وہی ہوگا جو طبیب اندرون بتائیگا اور طبیب بیرون اُسی کے مطابق حکم جاری کرے گا۔ پس اصل طبیب طبیب اندرون ہے اور وہ اس کا مزاج ہے۔ جب یہ اندرونی طبیب ضعیف ہو جاتا ہے یعنی مزاج فاسد ہو جاتا ہے تو ضعف کیوجہ سے تمام اشیاء کو برعکس دیکھتا ہے اور غلط نشان دیتا ہے۔ شکر کو تلخ کہتا ہے اور سرکہ کو شیریں۔ اب اُس کو بیرونی طبیب کی حاجت ہے تاکہ اُس کی مدد کرے حتیٰ کہ مزاج قرارِ اوّل پر آجائے۔ اس کے بعد پھر طبیب بیرون اُس سے دریافت کرتا ہے اور اُس سے فتویٰ لیتا ہے۔ اسیطرح از رُوئے حقیقت بھی آدمی کا ایک باطنی مزاج ہے۔ جب وہ ضعیف ہو جاتا ہے تو اُس کے باطنی حواس جو دیکھتے ہیں اور جو کہتے ہیں سب غلط ہوتا ہے۔ پس انبیاء و اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین اطبّا ہیں اور اُس کی مدد کرتے ہیں تاکہ اُس کا مزاج درست ہو جائے اور اُس کا دل و دین قوی ہو جائے تاکہ وہ اشیاء کی حقیقت کو اصلی حالت میں دیکھ سکے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَللّٰهُمَّ اَرِنِی الْاَشْیَاءَ كَمَا هِیَ یعنی اے خدا! مجھے سب چیزیں اس حال میں دکھا جیسیں وہ حقیقتاً ہیں۔

ہر وہ علم جو تحصیل و کسب سے دُنیا میں حاصل ہوتا ہے وہ علم ابدان ہے اور وہ علم جو فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے وہ علم ادیان ہے۔ علم انا الحق کا جاننا علم ابدان ہے انا الحق ہو جانا علم ادیان ہے۔ نورِ چراغ و آگ کو دیکھ لینا

Marfat.com

علمِ ابدان ہے اور آگ میں جل جانا علمِ ادیان ہے۔ جو کچھ دیکھا ہے وُہ علمِ ابدان ہے اور جو کچھ حال پر وارد ہُوا ہے وُہ علمِ ادیان ہے۔

علمِ حقائق "دید" ہے اور "دیدن" ہے باقی جملہ علوم علمِ خیال ہیں مثلاً ایک کاریگر نے ایک مدرسہ کی عمارت کا نقشہ اپنے خیال میں تجویز کیا۔ اگرچہ اُس کی تجویز بالکل درُست ہے لیکن پھر بھی خیال ہی ہے۔ حقیقت اُس وقت ہو گی جب مدرسہ کی عمارت تعمیر ہو جائے گی۔ اب خیال خیال میں بھی بڑا فرق ہے۔ خلفاءِ راشدین حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق و حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا خیال دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خیال سے بالا اور برتر ہے جیسا کہ ایک دانا کاریگر مکان کی بُنیاد اپنے خیال میں تجویز کرتا ہے اور ایک غیر مُہندس بھی تجویز کرتا ہے۔ اب دونوں کے خیال میں فرقِ عظیم ہوتا ہے کیونکہ کاریگر کی رائے صائب اور درُست ہو گی۔ اسیطرح اُس طرف عالمِ حقائق و دیدار میں دید دید میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہر کسی کی دید اپنی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ جو اخبار میں وارد ہے کہ سات سو پردے ظلمت کے ہیں اور سات سو پردے نُور کے ہیں جو کچھ عالمِ خیال میں ہے وُہ ظلمت کے پردے ہیں اور جو کچھ عالمِ حقائق میں ہے وُہ نُور کے پردے ہیں۔

افضل چیز یہ ہے کہ فقیر سے زیادہ سوال دریافت نہ کئے جائیں کیونکہ تو اُس کو کسی دروغ کے اختراع پر آمادہ کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب اُس کو ایک عام آدمی کوئی سوال کرتا ہے تو اُس پر لازم ہوتا ہے کہ اُسکی عقل کے موافق جواب دے اور جیسا کہ اصل حقیقت ہے وُہ اُس سے بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ وُہ اُس کے لائق اور قابل نہیں ہوتا اور اُس کا حلق و دہان ایسے لُقمہ کے لائق نہیں ہوتا۔ پس ضروری ہے کہ اُس کی استعداد اور طبع کے مطابق کوئی دروغ جواب دیا جائے اور فقیر کیلئے لازمی ہے کہ کوئی دروغ اختراع کرے تاکہ وُہ دفع ہو جائے اگرچہ جو کُچھ فقیر بیان کرتا ہے وُہ عین حق ہوتا ہے اور راست ہوتا ہے۔ اگر دروغ بھی ہے تو اُس سائل کیلئے بالکل راست بلکہ افزوں از راست ہے۔

یہ شرع پانی پینے والا گھاٹ ہے۔ اس کی مثال بادشاہ کے دربار کیطرح ہے جہاں سے احکام بادشاہ امر و نہی کے متعلق عدل و سیاست کے متعلق اور عام و خاص کی دادرسی کے متعلق جاری ہوتے ہیں۔ احکام دیوان بادشاہ بیشمار ہیں۔ نہایت خُوب اور نہایت ہی فائدہ مند ہیں۔ قیامِ عالم اُنہیں سے ہے۔ لیکن فقر یعنی احوال درویشاں بادشاہ کے ساتھ مصاحبت ہے۔ علمِ احکام کا جاننا کُجا اور علمِ حاکم کا جاننا کُجا۔ علمِ احکام کے جاننے اور مصاحبتِ بادشاہ میں بڑا بھاری فرق ہے۔ اصحابِ بادشاہ اور اُن کے احوال مثل مدرسہ کے ہیں جس میں فقیہہ پڑھتے ہوں اور ہر فقیہہ کو مُدرّس اُس کی استعداد کے مطابق جامِ توحید پلاتا ہے کسی کو ایک کسی کو دس کسی کو

بلیس اور کسی کو تیس۔ ہم بھی ہر کسی کی استعداد اور ظرف کے مطابق کلام کرتے ہیں کما قال علیہ السلام کلموا الناس علیٰ قدرِ عقولِہم لوگوں کے ساتھ اُن کی عقل کے مطابق کلام کرو۔

سورہ جاثیہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ ج وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْہَا ز ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

جس نے نیک عمل کیا اُس نے اپنے لئے کیا اور جس نے بدی کی اُس نے بھی اپنے ہی حق میں کی۔ پھر تمکو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا "قاضی عزالدین آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور ہموارہ آپ کی حمد و ثنا کرتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

ہر کہ از ما کُند بنیکی یاد ＊ یادش اندر جہان بنیکی باد

یعنی جو کوئی ہم کو نیکی سے یاد کرتا ہے خداوند تعالیٰ اُس کی یاد جہان میں نیکی سے رکھیں۔

اگر کوئی شخص کسی کے حق میں نیک گوئی کرتا ہے تو وُہ خیر اور نیکی اُسی کیطرف عائد ہوتی ہے۔ درحقیقت وُہ ثنا اور حمد اُس کی اپنی ہی ہوتی ہے۔ اُس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر کے گرد باغ لگاتا ہے۔ ہر بار جب نظر کرتا ہے گُل و ریحان دیکھتا ہے اور ہمیشہ جنت میں ہوتا ہے۔ چونکہ لوگوں کو نیکی سے یاد کرنے کی اُس کی خُو ہو جاتی ہے اسلئے جب وُہ کسی کی نیک گوئی کرتا ہے تو وُہ شخص اُس کا محبوب ہو جاتا ہے اور جب کبھی وُہ شخص اُس کو یاد آتا ہے تو گویا محبوب کو یاد کرتا ہے اور محبوب کو یاد کرنا گل و گلزار کی سیر ہے اور رُوح کیلئے نور و سرور ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو بُرا کہتا ہے تو وُہ شخص اُس کی نظر میں مبغوض ہو جاتا ہے اور جب کبھی وُہ شخص اُس کو یاد آتا ہے اور اُس کا خیال سامنے آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سانپ یا بچھو یا خار و خاشاک اُس کی نظر کے سامنے آگئے۔ اب جبکہ تُو اس بات پر قادر ہے کہ شب و روز گُل و گلستان و ریاض دیکھے تو پھر خارستان و مارستان میں کیوں پھرتا ہے۔ سب کو دوست رکھ تاکہ تو ہمیشہ گُل و گلستان میں رہے اور جب تُو سب کو دُشمن تصور کرے گا اور دُشمن کا خیال تیری نظر کے سامنے آئیگا تو گویا شب و روز تُو خارستان و مارستان میں پھرے گا۔

اُولیاء اللہ علیہم السلام جو سب کو دوست رکھتے ہیں اور سب کو اچھا جانتے ہیں اُس میں یہ حکمت ہے کہ وُہ کسی غیر پر احسان نہیں کرتے بلکہ اُن کا یہ فعل اپنی ذات کیخاطر ہے کیونکہ وُہ نہیں چاہتے کہ کوئی مکروہ اور

Marfat.com

مبغوض خیال اُن کی نظر کے سامنے آئے۔ چونکہ لوگوں کیساتھ میل جول اور اُن کا خیال لابُد و ناگزیر ہے اِسلیئے یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے ذکر میں ہر چیز محبوب اور مطلوب ہی آئے تاکہ کراہت مبغوض اُن کی راہیں مشوّش نہ ہو۔ پس جو نیکی و بدی تو خلق کے حق میں کرتا ہے وہ تیری ہی طرف عاید ہوتی ہے جیسے حقتعالےٰ فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا یعنی جس نے نیک عمل کیا اُس نے اپنے لیئے کیا اور جس نے بدی کی اُس نے بھی اپنے ہی حق میں کی ؂

سورہ احقاف

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ تعالیٰ ہے پھر ثابت رہے تو نہ ڈر ہے اُنپر اور نہ وہ غم کھاوینگے ؂ وہ لوگ اہل

الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جنت ہیں اُس میں سدا رہیں گے بعوض اُن نیک کاموں کے جو دُنیا میں کرتے تھے ؂

محبِّ صادق مخلصی فی اللہ عزیز از جان امیر معین الدین پروانہ وزیر سلطنت اکثر مصالح خلق میں مشغول رہتا ہے اور ہر روز میرے پاس حضور سے معذور ہے۔ مجھے فرقت کی زحمت برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن چونکہ میں اُن کا مُشتاق ہوں اسلیئے گاہے بگاہے میں خود ہی اُن کے پاس چلا جاتا ہوں۔ اگلے دن میں اُن کے پاس گیا تو وہ خیرات اور حسنات میں مشغول تھا۔ بحث اِس مسئلہ پر شروع ہوئی کہ ایک شخص عیالدار ہے اور دُوسرا نہیں۔ اب عیالدار سے خیرات اور صدقہ لیا جاتا ہے اور دُوسرے کو دیا جاتا ہے۔ اہلِ ظاہر اِس کو ناروا سمجھتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ تو مُعیل سے لیتا ہے اور بغیر مُعیل[۱] کو دیتا ہے یہ کب روا ہے؟ اگر تو غور کرے تو وہ شخص خود اہل و عیال کا مالک نہیں ہے بلکہ تمام مخلوقات کا پروردگار حقتعالیٰ ہے لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو لائق ہیں جو پروردگار ہیں سارے عالموں کے۔ مثال کے طور پر ایک عارف باللہ جو صاحب گوہر ہے کسی مصلحتِ پنہانی کیخاطر ایک شخص کو مارتا ہے اور اُس کا ناک منہ اور سر پھوڑ دیتا ہے۔ اب سبھی لوگ کہتے ہیں کہ مظلوم مضروب ہے حالانکہ حقیقت میں مظلوم مارنے والا ہے اور وہ سر شکستہ شخص ظالم کیونکہ یہ مارنے والا شخص صاحب گوہر ہے اور مُستھلک نورِ حق ہے اُسکا فعل فعلِ الٰہی ہے اور معاذ اللہ خداوند تعالیٰ کو ظالم نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ آنحضور سراپا نور سیدِ کُل ختمِ رُسل جناب

[۱] حضرت مولانا رومؒ قدس سرہٗ اکثر عیالدار لوگوں سے تحائف قبول فرماتے اور اپنے مقیمی درویشوں کو جو اکثر بغیر معیل تھے کھلاتے۔ علماء ظاہر اِس پر اعتراض کرتے

Marfat.com

رسُولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کفّار کو قتل و غارت کرتے تھے اور باینہمہ ظالم کفّار تھے اور آپؐ مظلوم۔ ایک اور مثال لیجئے۔ ایک شخص مغرب کا رہنے والا مغرب میں مقیم ہے اور صاحب گوہر ہے۔ ایک شخص مشرق کا رہنے والا اُس مغربی کے پاس آیا۔ اب تملّم ظاہر بین لوگ کہتے ہیں کہ مسافر یعنی غریب وُہ مشرقی ہے حالانکہ از رُوئے حقیقت غریب وُہ مغربی ہے۔ جو شخص مشرق سے آیا وُہ کونسا غریب ہے کیونکہ یہ تمام عالم صرف ایک خانہ ہے اور وُہ ایک گوشہ سے دُوسرے گوشہ میں چلا گیا۔ آخر ہے تو اِسی خانہ کے اندر۔ لیکن وُہ مغربی جو صاحب ولایت ہے اِس دارِ دُنیا سے گذر کر بیضۂ وجود سے نکل کر ذاتِ حق کیساتھ واصل ہو گیا ہے۔ لہٰذا غریب وُہ ہے کَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ الاسلام بدأ غریباً (اسلام کی ابتدا غربت سے ہُوئی) اور یہ نہیں آپؐ نے فرمایا المشرقی بدأ غریباً (مشرقی کی ابتدا غربت سے ہُوئی) یعنی اسلام کی ابتدا ہی غربت ہے۔ دُوسرے الفاظ میں حقیقی مسلمان وُہ شخص ہے جو نہی نفسانی خواہشات کو الوداع کہہ کر محبُوبِ لم یزلی کی رضا کی جنّت میں داخل ہو جائے بلکہ دارین سے غریب ہو کر مشاہدۂ محبُوبِ حقیقی میں محو اور مستغرق ہو جائے۔ تو پس غریب یعنی مسافر ہمیشہ عارف ہی ہے جو عالمِ شہادت سے غریب ہو کر عالمِ بقا میں پہنچ چُکا ہے۔

اور اِسیطرح آنحضور آنکھوں کے نُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جب کفّار کے ہاتھ سے شکست کھاتے تو بھی مظلوم تھے اور جب اُن کو شکست دیتے تو بھی مظلوم کیونکہ دونوں حالتوں میں حق پر آپؐ ہی تھے اور مظلوم وُہ ہوتا ہے جو حق پر ہو۔ لہٰذا کج فہم عُلماء کو اقطاب عارفین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اُن کا فعل فعلِ الٰہی ہے۔

آن نُورِ قدیم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بارگاہ عالیہ میں جب اسیرانِ بدر کو پیش کیا گیا تو اُن کیلئے آپؐ کا جی رحم سے بھر آیا۔ حقتعالیٰ نے آپؐ کی خاطر وحی نازل کی کہ اے حبیب کریم صلّی اللہ علیک وسلّم! اِن لوگوں کو فرما دیجئے کہ اِس قید کیحالت میں اگر تُم نیّت صاف کر لو اور صدقِ دِل سے اِسلام قبول کر لو تو حقتعالیٰ تُم کو آزاد کر دے گا اور جو کچھ آپ سے چھِن گیا ہے وُہ واپس دلائیگا اور اُس کے علاوہ زعفران ورضوان آخرت میں عطا فرمائیگا یعنی دو گنج ایک گنج دُنیا جو آپ سے چھن گیا ہے اور دُوسرا گنج آخرت عطا فرمائے گا۔

امیرؔ نے سوال کیا جب بندہ ایک نیک عمل کرتا ہے تو اُس نیک عمل کی توفیق اور وُہ نیکی کسی سابقہ عمل کیوجہ سے نصیب ہوتے ہیں یا محض عطائے حق ہیں؟ میں نے جواب دیا محض عطائے حق ہیں اور توفیق حق ہیں لیکن حقتعالیٰ غایت لطف کیوجہ سے ہر دو کی اضافت بندہ کیطرف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ہر دو تجھی سے ہیں کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جو کچھ کیا اُس کا بدلہ)۔ اب غور فرمائیے حقتعالیٰ

اپنے بندہ پر کس قدر مہربان ہیں پس جو کوئی اُس شاہدِ لم یزلی کو طلب کرتا ہے یقیناً پا لیتا ہے لیکن بغیر پیرِ کامل کے یہ دولتِ ابدی و سرورِ سرمدی نصیب نہیں ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ السّلام کا واقعہ لیجئے جب آپؑ کی قوم آپؑ کی مطیع تھی تو اُن کے لئے دریا میں رستے بن گئے دریا خشک ہو گیا اور وہ اوپر سے گذر گئے لیکن جب اپنے سالار کی مخالفت آغاز کی تو بیابان میں چالیس سال سرگردان پھرتے رہے جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَالَ فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْھِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ۚ یَتِیْھُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (ارشاد ہوا تو یہ مُلک اُن کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا۔ یُوں ہی زمین میں سَر مارتے پھرتے رہیں گے سو آپ اِس بے حکم قوم کی اِس حالتِ زار پر غم نہ کیجئے۔ مائدہ۔ ع ۴) ۔ ہر زمانے کا سالار اپنی قوم کی اِصلاح کیطرف متوجہ رہتا ہے تاوقتیکہ وُہ لوگ اُس کے مُطیع اور فرمانبردار رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند سپاہی اپنے سردار کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ جب تک وُہ مُطیع اور فرمانبردار رہتے ہیں وُہ بھی اپنی عقل اُن کے اُمور میں صرف کرتا ہے اور اُن کی اِصلاح کے درپے رہتا ہے لیکن جب وُہ مُطیع نہیں رہتے تو پھر وُہ کیوں اُنکا تدارک کرے اور اُن کی اِصلاح کیلئے عقل صرف کرے ◆

جاننا چاہیئے کہ عقل آدمی کے تن میں مثل ایک سردار کے ہے۔ تاوقتیکہ رعایاءِ تن اُس کے مُطیع رہتی ہے تمام کام ٹھیک ہوتے ہیں لیکن جب مُطیع نہیں رہتی تو فساد برپا ہو جاتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب مستیٔ شراب سَر پر سوار ہوتی ہے تو شراب نوش اِن ہاتھ پاؤں اور زبان سے کیا فساد برپا کرتا ہے اور دُوسرے ہی دِن جب نشہ اُتر جاتا ہے تو افسوس کرتا ہے کہ ہائے میں نے کیا کیا کیوں مارا اور کیوں دشنام دیں پس تمام کام اُسی وقت دُرست ہوتے ہیں جب اُس دِہ میں کوئی سالار ہو اور وُہ لوگ اُس کے مُطیع ہوں اب عقل اُسوقت اِصلاح کا اندیشہ کرتی ہے جب اعضاء کی رعایا اُس کے فرمان پر چلے۔ مثلاً عقل نے فکر کیا کہ چلنا چاہیئے لیکن یہ فکر اُسوقت کرتی ہے جب پاؤں اُس کے فرمان میں ہوں ورنہ وُہ یہ فکر نہیں کرتی جسطرح عقل تن کے درمیان امیر ہے یہ دُوسرے وجُود جو خلق ہیں باوجود اپنی عقل دانش و نظر کے اُس ولی کی نسبت تن کا حکم رکھتے ہیں اور وُہ اُن کے درمیان عقل ہے۔ اب وُہ خلق جو تن کا حکم رکھتے ہیں اگر اُس ولی کے مُطیع نہ ہوں تو اُن کے احوال ہمیشہ پریشانی و پشیمانی میں گذرتے ہیں اور جب اُس کے مُطیع ہوں تو اسطرح ہو جانا چاہیئے کہ جو کچھ وُہ فرمائے اُس کی تعمیل کریں اور اپنی عقل کیطرف رجوع نہ کریں کیونکہ شاید اپنی عقل سے اُس کو نہ سمجھ سکیں۔ چاہیئے کہ کُلی طور پر اُس کے مطیع ہو جائیں جیسا کہ ایک لڑکے کو درزی کی دُکان پر بٹھایا جاتا ہے اُس کو علیٰ کُل حال اُستاد کا مُطیع ہونا چاہیئے۔ اگر ٹوپی دے تو ٹوپی سیئے اگر قمیص دے تو قمیص سیئے۔ اگر وُہ چاہے کہ درزی کا پیشہ سیکھے تو اپنے تصرف کو کُلی طور پر ترک

Marfat.com

کر دے اور محکوم امر اُستاد ہو جائے۔ اگر وُہ ایسا ہو گیا تو حقتعالیٰ سے اُمید ہے کہ اُس کو ایسی حالت نصیب ہو جو اُس کی محض عنایت سے تعلق رکھتی ہے اور صد ہزار جہد و کوشش سے بالاتر ہے یعنی جذبۂ حق جس سے وُہ واصل باللہ ہو جائیگا کما قولہٗ تعالیٰ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ (شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے سورۂ قدر) اور حدیث شریف میں بھی وارد ہُوا ہے جَذۡبَةٌ مِّنۡ جَذۡبَاتِ الۡحَقِّ خَیۡرٌ مِّنۡ عِبَادَةِ الثَّقَلَیۡنِ (ذاتِ حق کی ایک کشش دونوں جہان کی عبادتوں سے بہتر ہے) یعنی جب عنایت آتی ہے تو صد ہزار کوشش کا کام کرتی ہے بلکہ اِس سے بھی زیادہ۔ کوشش بہت خُوب ہے اور مُفید ہے لیکن عنایت کے سامنے کیا چیز ہے؟

امیر پروانہ نے سوال کیا کیا عنایت سے کوشش نصیب ہو جاتی ہے؟

مَیں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ جب عنایت آتی ہے کوشش بھی آجاتی ہے۔ بلکہ کوشش بلا عنایت بلا سُود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کونسی کوشش کی کہ مہد میں بول اُٹھے اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ (مَیں خدا کا بندہ ہُوں میرے اُوپر کتاب اُتری ہے۔ مریم۔ ع ۲)۔ حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی شکمِ مادر میں تھے کہ حقتعالیٰ نے آپ کی توصیف بیان کی یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۣاسۡمُہٗ یَحۡیٰی لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا ○ (اے زکریا! ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے پہلے اِس نام کا کوئی نہیں کیا۔ مریم۔ ع ۱) اور ہمارے نبی کریم نورِ قدیم رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین جناب محمدؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مولا تعالیٰ کے رسول رسولوں کے سردار اور اُستاد بلا کوشش ہوئے جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ (بھلا جسکا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کیلئے کھول دیا۔ زمر۔ ع ۳)۔

اوّل فضل ہے۔ جب کسی انسان کو ضلالت سے اچانک بیداری نصیب ہو جاتی ہے تو وُہ فضلِ حق ہے اور عطاہی محض ہے ورنہ اُس کے دُوسرے دوستوں کو یہ چیز کیوں نصیب نہ ہُوئی جو اُس کے مصاحب تھے۔ اِس فضل کے بعد کوشش نصیب ہو جاتی ہے۔ اِس کی مثال ایسے ہے کہ اوّل ایک آگ کی چنگاری کُودتی ہے وُہ عطا ہے۔ لیکن جب تُو نے اُس چنگاری پر رُوئی رکھ دی تو گویا تُو نے اُس چنگاری کی پرورش کی اور اُسے بڑھا دیا۔ تو پہلے فضل ہے پھر کوشش۔ آدمی اوّل خاموش اور ضعیف ہوتا ہے کقولہٖ تعالیٰ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ○ (انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ نساء۔ ع ۵) جیسا کہ اوّل لوہے و پتھر سے ایک چنگاری جلے ہُوئے کپڑے پر پڑتی ہے تو بالکل ضعیف ہوتی ہے لیکن جب اُس آتش ضعیف کی پرورش کرتے ہیں تو یہ ایک عالم بن جاتی ہے اور جہان کو جلا دیتی ہے۔ وُہ آتش خورد بزرگ و عظیم ہو جاتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ○ (اور بیشک آپؐ کا خُلق اعلیٰ درجہ کا ہے۔ قلم۔ ع ۱)۔ یعنی اے حبیب کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا خلق خُلق الٰہی ہے یعنی آپ صفات کاملہ آلہیہ سے ملبوس اور مُزین ہیں۔ تو پس جب فضلِ الٰہی کسی کے شامل حال ہوتا ہے تو یہی ضعیف انسان ترقی کر کے صفات کاملہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔

مولانا شمس الدین قدس سرہٗ کی شیخ ابراہیم کیساتھ عظیم عنایت تھی اور ہمیشہ فرماتے تھے " ہمارا شیخ ابراہیم" اور اپنی طرف اضافت کرتے۔ عنایت چیزے دیگر ہے اور اجتہاد کارِ دیگر۔ انبیاء علیہم السّلام مقام نبوّت پر اجتہاد سے نہیں پہنچے۔ وُہ دولت اُنہوں نے محض عنایت سے حاصل کی ہے لیکن سُنّتِ الٰہی ایسے جاری ہے کہ جس کسی کو وُہ مقام حاصل ہو جاتا ہے اُس کی سیرت و زندگانی اجتہاد و صلاح کے طریق پر ہوتی ہے اور وُہ بھی عوام کیلئے ہے تاکہ اُن پر اور اُن کے قول پر اعتماد کریں کیونکہ نظرِ خلق باطن تک نہیں پہنچتی۔ وُہ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور جب اُن کے ظاہر کی متابعت کرتے ہیں تو اُس کی برکت اور واسطہ سے باطن تک پہنچ جاتے ہیں۔ آخر فرعون نے بھی تو سخاوت، احسان اور اشاعتِ خیر میں بہت کوشش کی تھی لیکن چونکہ عنایتِ حق شامل حال نہ تھی لہٰذا اُس کی اُس طاعت و اجتہاد کو فروغ نصیب نہ ہُوا اور وُہ سب کچھ رائگاں گیا۔

فرعون کی مثال ایسے ہے جیسے ایک امیر قلعہ میں اہل قلعہ کیساتھ احسان و نیکی کرتا ہے اور اُس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کریں اور اُس پر چڑھائی کریں۔ آخر اُس احسان کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ کُلّی طور پر فرعون سے عنایتِ حق کی نفی نہیں کی جاسکتی شاید حقتعالیٰ کی اُس کیساتھ عنایتِ خفی ہو اور کسی مصلحت کی خاطر اُس کو مردُود ٹھہرایا ہو کیونکہ بادشاہ کیلئے قہر و لطف یعنی دار و خلعت دونوں چاہئیں۔ اہلِ دل اُس سے کُلّی طور پر عنایت کی نفی نہیں کرتے لیکن اہلِ ظاہر اُس کو کُلّی طور پر مردُود جانتے ہیں اور قوامِ ظاہر کیلئے مصلحت اِسی میں ہے۔ بادشاہ ایک شخص کو سُولی پر چڑھاتا ہے اور خلائق کے سامنے ایک بلند مقام پر لٹکا دیتا ہے۔ اگرچہ وُہ اُس کو کسی دُوسرے طریقہ سے پنہاں طور پر ہلاک کرا سکتا ہے لیکن غرض یہ ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں اور نفاذِ حکم و امتثالِ امر بادشاہ ظاہر ہو جائے۔ آخر تمام سُولیاں صرف لکڑی کی نہیں ہوتیں۔ منصب و دولتِ دُنیا بھی دارِ عظیم ہے۔ جب حقتعالیٰ کسی کی گرفت کرتے ہیں تو اُس کو دارِ دُنیا میں کوئی عظیم منصب یا عظیم الشان سلطنت مثل فرعون و نمرُود وغیرہ عطا کر دیتے ہیں۔ یہ چیزیں بھی مثل دار کے ہیں اور حقتعالیٰ اُس شخص کو اُس دار پر لٹکا دیتے ہیں تاکہ جملہ خلائق اُن پر مطلع ہو جائیں۔

حدیثِ قُدسی میں حقتعالیٰ فرماتے ہیں کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا) یعنی جملہ عالم کو میں نے پیدا کیا اور اُس سے مُراد اپنا ظہور تھا۔ بعض کو مظہرِ جمال بنایا اور بعض کو مظہرِ جلال۔ یہ ایسا بادشاہ نہیں ہے کہ اُس کے مُلک کیلئے ایک ہی مُعرّف کافی ہو۔ اگر ذرّاتِ عالم مُعرّف ہو جائیں تو بھی اُس کی تعریف میں عاجز و قاصر رہیں۔ پس جملہ خلائق شب و روز

Marfat.com

اظہارِ حق کر رہے ہیں لیکن بعضے جانتے ہیں اور اظہار پر واقف ہیں اور بعضے غافل ہیں لیکن پھر بھی اظہارِ حق ثابت ہے۔ جیسا کہ ایک امیر نے ایک شخص کو مارنے کا حُکم دیا تاکہ اُس کو تادیب کریں۔ وُہ شخص چلّاتا ہے اور فریاد کرتا ہے لیکن باایںہمہ دونوں اظہارِ حکمِ امیر کر رہے ہیں۔ اگرچہ وُہ درد سے چلّاتا ہے لیکن ہر کوئی جانتا ہے کہ ضارب و مضروب محکوم امیر ہیں اور ان ہر دو سے اظہارِ حکمِ امیر پیدا ہے۔ جو شخص حقتعالیٰ کا اِثبات کرنے والا ہے وُہ ہمیشہ حقتعالیٰ کا اظہار کرتا ہے اور جو شخص اُس کی نفی کرنیوالا ہے وُہ بھی اُسی کا مظہر ہے کیونکہ اِثبات بغیر نفی کے ایسی چیز ہے جس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا بلکہ بے مزہ و بے لذت ہے۔ مثلاً ایک مناظر نے محفل میں ایک مسئلہ بیان کیا۔ اگر اُس جگہ کوئی معارض نہ ہو جو لَا نسلم (ہم تسلیم نہیں کرتے) نہ کہے تو وُہ اِثبات کیا کریگا اور اُس کے نکتہ میں کیا ذوق ہوگا کیونکہ اِثبات نفی کے مقابلہ میں ہی خُوب معلوم ہوتا ہے۔ اِسیطرح یہ عالَم بھی محفلِ اظہارِ حق ہے۔ مُثبت اور نافی دونوں ہی اِس محفل کی رونق ہیں اور دونوں ہی مظہرِ حق ہیں ؎

سورہ فتح

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ

بیشک ہم نے آپؐ کو صلح حدیبیہ سے ایک کھُلم کھُلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۙ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

دے اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کی اَور زیادہ تکمیل کر دے اور آپؐ کو سیدھے رستہ پر لے چلے اور آپؐ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو ؎

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ یعنی اے حبیب کریم صلّی اللہ علیک وسلّم! ہم نے آپؐ کو کھُلی ہوئی فتح عنایت کی۔ حقتعالیٰ نے آنسرورِ عالمیان صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اپنی نعمتیں اور وعدے شمار کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ جو دروازہ آپؐ کھٹکھٹاتے ہیں ہم نے ابدالآباد تک جنابؐ کیلئے کھول دیا ہے یعنی آپؐ کی تمام دُعائیں ہماری بارگاہ میں مستجاب ہیں۔ دُوسرے یہ کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ الخ یعنی اللہ تعالیٰ آپؐ کی خاطر تمام اوّلین و آخرین کے گناہ معاف فرما دیں گے یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خاطر عام معافی کا وعدہ ہے جو کہ دوستی کا نشان ہے۔ سِرِّ مغفرت یہ ہے کہ جو کوئی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کیساتھ دوستی رکھتا ہے حقتعالیٰ کو اُس کے گناہ گناہ دکھائی نہیں دیتے اور اُس کے عیب عیب معلوم نہیں ہوتے۔ تیسرے وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ الخ تمامیِ نعمت آپؐ کی خصوصیت کا بیان ہے کیونکہ سابقہ انبیاء علیہم السّلام میں سے کسی کو حقتعالیٰ کی تمام نعمتیں عطا نہیں کی گئیں بلکہ کسی کو کوئی شرف

Marfat.com

ملا اور کسی کو کوئی معجزہ لیکن آپؐ پر حقتعالیٰ کی تمام نعمتیں ختم اور اتم ہیں کیونکہ آپؐ حقتعالیٰ کیلئے مجلیٔ اعظم اور آئینۂ تامہ ہیں لہٰذا آپؐ سب سے زیادہ خاصتر سب سے زیادہ مقرب سب سے زیادہ حق رسیدہ اور سب سے زیادہ حق کیساتھ قائم ہیں چہارم وَّیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۝ یہ آپؐ کی سلطنت و ولایت پر دلیل ہے اور یہ کونسی ولایت ہے؟ ولی کی شان سُنیئے قوتِ نظر ہے کہ جملہ عوالم کو نورِ حق سے دیکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیطرح قدم نار میں رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیطرح قدم دریا پر رکھتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کیطرح آفتاب پر حکم کرتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کیطرح طوفان پر محکم کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح لوہا ہاتھ میں خمیر کرتا ہے اور پہاڑ کو مغنی کر دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حیوانی ارواح پر حکم کرتا ہے اور جناب سید کل ختم رسل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معراج کیطرح طبقاتِ سمٰوات کو پھاڑ کر گذر جاتا ہے۔ ایسی امثال بے شمار ہیں۔ جب ان لوگوں نے ہر چیز کو مامورِ حق و بندۂ حق تصور کیا اور ہر فعل کو فعل الٰہی دیکھا تو ہر چیز ان کی مسخر ہو گئی اور وہ مسخرِ حق۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰى لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے)۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج شریف کی رات کو سدرۃ المنتہیٰ کے درخت کے پاس جو ساتویں آسمان پر ہے اور حضرت جبرائیل امین کا مقام اور آشیانہ ہے پہنچے اور اس جگہ سے گذرنے لگے تو جبرئیل امین نے جو آپؐ کے ہمراہ تھے قدم روک لیا۔ آپؐ نے فرمایا اخی جبرئیل آپ نے مجھے اس ہیبت ناک مقام میں تنہا چھوڑ دیا۔ حقتعالیٰ نے عتاب فرمایا اور ندا آئی کہ ان دو قدم میں آپؐ کو اس سے اتنی الفت ہو گئی ہے۔ پس لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ میں جو ذنب کا ذکر ہے اس سے مراد وہ گناہ ہے لہٰذا حقتعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے آپؐ کا وہ گناہ معاف کر دیا یعنی آپؐ کا دل اس الفت سے پاک کر دیا اور غیر سے مستغنی کر دیا۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب سابقہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو مولا تعالیٰ نے کسی گناہ میں کسی حکمت کی خاطر مبتلا کیا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں زاری کی تب حقتعالیٰ نے ان کو معاف کیا لیکن ہمارے محبوب پاک سید لولاک تاجدار اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ کی یہ عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایتِ خاص سے آپؐ کو اس حالت سے مستور رکھا کہ آپؐ کسی خطا کی خاطر آہ و زاری کریں اسلئے حقتعالیٰ نے فرمایا اے حبیب پاک صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے جنابؐ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں آپؐ کو لابہ و زاری کرنیکی کوئی ضرورت نہیں اسی لئے حقتعالیٰ نے نام نہ لیا کہ وہ کونسا گناہ ہے۔ اس گناہ سے مراد دوسروں کی محبت ہے۔ ابن عطاء نے فرمایا لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد آدم کا گناہ ہے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد امت کے گناہ

ہیں جو آپؐ سے اُمید رکھتے ہیں کیونکہ آپؐ اُن کے رہبر ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ جملہ متقدمین و جملہ متاخرین کے گناہوں کی بخشش سوائے آپؐ کے وسیلہ کے نہیں ہو سکتی ۔

اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً وَيُرْوٰى مِائَةَ مَرَّةٍ یعنی تحقیق شان یہ ہے کہ جونہی کہ میرے دل پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو میں روزانہ ستر دفعہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے لگتا ہوں اور ایک روایت میں سو دفعہ بھی آیا ہے ۔

کہتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ مستی سے ہشیاری میں آتے تو اُس حالتِ مستی سے استغفار پڑھتے اور بعض کہتے ہیں کہ آپؐ حالتِ مستی میں حالتِ ہشیاری سے استغفار کرتے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؐ ہر دو حالتوں سے استغفار پڑھتے تھے کیونکہ آپؐ کی نظر حق پر تھی۔ سُکر و صحو دو رنگ ہیں اور ان کی اضافت اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو قابل تلوّن ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ تمکین اور استقامت میں ہیں یعنی آپؐ ذاتِ بیرنگ کیساتھ قائم ہونے کے باعث بیرنگ ہیں اور سُکر و صحو جو کہ دو رنگ ہیں کی آپؐ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ دائمی رُبوبیت اور دائمی عبودیت آپؐ کی شانِ اقدس ہے اور یہ حالت صرف آپؐ ہی کیلئے مختص ہے ورنہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو مولا تعالیٰ گاہے ذرہ کر دیتا ہے گاہے پہاڑ گاہے قطرہ کر دیتا ہے گاہے دریا۔ دوسری وجہ استغفار پڑھنے کی یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک ہر وقت لوحِ محفوظ پر پڑتی تھی کیونکہ لوح و قلم آپؐ کے قبضہ میں ہے۔ اور جب لوحِ محفوظ میں آپ متقدمین اور متاخرین کے گناہ دیکھتے تو آپؐ اُنکے گناہوں کی معافی کیلئے استغفار پڑھتے لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہُوا کہ ہم نے جملہ متقدمین اور متاخرین کے گناہ آپؐ کی خاطر معاف کئے۔ لوحِ محفوظ میں جملہ خلائق کے حالات مندرج ہیں نیز جب آپؐ اپنے زمانہ مبارک کے لوگوں کے گناہ اپنی آنکھ مبارک سے دیکھتے تو اُن کے گناہوں کی معافی کیلئے استغفار پڑھتے ۔

خلق را زیر گنبدِ دوار ٭ چشمہا درد و دیدنی بسیار

یعنی اِس گھومنے والے گنبد کے نیچے خلق کے ایسے حالات ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی آنکھیں اُن حالات کو دیکھ کر روتی ہیں اور وُہ حالات بیشمار ہیں ۔

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (اور پُورا کرے آپؐ پر اپنا احسان) ۔

تمام نعمت سے مُراد مُلکِ محبت عطا کرنا ہے یعنی یا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے سب سے اوّل جنابؐ کو اپنی محبت کی طلب کی توفیق بخشی۔ آپؐ محب تھے لیکن اب آپؐ ہمارے محبوب ہیں۔ آپؐ ہمارے تابع ہوئے لیکن اب آپؐ متبوعِ رُسل ہیں۔ آپؐ ہمارے محتاج تھے لیکن اب آپؐ معراج سے مشرف ہیں۔ سیاہ و سفید سے آپؐ نے خلاصی پائی بلکہ سیاہ و سفید کے سلطان ہیں یعنی آپؐ پر پہلے احکامِ شریعت کی تابعداری

Marfat.com

فرض تھی لیکن اب آپؐ مختارِ شریعت ہیں جس سے چاہیں حدودِ شریعت اُٹھا دیویں۔ اور دائی دو جہان ہیں۔ آپؐ ذاکر تھے لیکن اب آپؐ ہمارے مذکور ہیں۔ مناروں پر منبروں پر اور آسمانوں پر آپؐ ہی کا ڈنکا بج رہا ہے ۔

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (اور آپؐ کو سیدھے رستہ پر لے چلے) ۔

سیدھے رستہ سے وُہ رستہ مُراد ہے جو حقتعالیٰ تک پہنچا دے یعنی اے حبیب پاک صلی اللہ علیک وسلم جو جنابؐ کی پیروی کریگا خداوند تعالیٰ تک پہنچ جائیگا ۔

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ (اور آپؐ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو) ۔

یعنی اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ شیاطین جن و وسواس پر منصور ہو گئے اور ساتھ ہی شیاطین انس یعنی کفار پر بھی منصور ہو گئے ۔ نَصْرًا عَزِيزًا سے مُراد یہ ہے کہ جنابؐ اسطرح منصور ہیں کہ آپؐ کی سلطنت کو کبھی زوال کا خوف نہیں یعنی آپؐ کی سلطنت عرش سے لیکر فرش تک ابد الآباد تک باقی رہے گی ۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلّٰهِ جُنُودُ

وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں تسکین اُتاری تاکہ اور بڑھے اُن کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

اور زمینوں کے لشکر واسطے اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ مصلحتوں کا بڑا جاننے والا حکمت والا ہے ۔

أَنْزَلَ السَّكِينَةَ (اُتاری تسکین) تسکین وُہ ہوتی ہے جس سے نُصرت ظاہر ہو۔ تسکین وُہ ہوتی ہے کہ جو اسباب انسان نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ پر غایت اعتقاد کیوجہ سے اسطرح جانتا ہے کہ سب اُس کے پاس ہیں۔ بعضے کہتے ہیں تسکین قلب سے یہ مُراد ہے کہ انسان کی بصیرت اسقدر تیز ہو جائے کہ وُہ جملہ اشیاء کی حقیقت کو پالے اور جملہ اشیاء کی حقیقت حقتعالیٰ کی ذات ہے یعنی اُس کو معرفت الٰہی نصیب ہو جائے ۔

لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا (تاکہ اُن کا ایمان اور زیادہ ہو) یعنی مؤمنین کے قلوب میں نورِ ایمان روز بروز چاند کیطرح بڑھتا رہتا ہے ۔

وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر واسطے اللہ تعالیٰ کے ہیں)۔ آسمانوں کے لشکر ملائکہ ہیں اور زمینوں کے لشکر غازیان و مجاہدانِ نفس ہیں۔ بعضے کہتے ہیں آسمانی لشکر دل ہیں اور زمینی لشکر قالب ہیں۔ دل سے مُراد حضرتِ انسان کی حقیقت یعنی حضرتِ رُوح ہے تو مقصد یہ ہے کہ تمام ارواح و قالب اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یعنی حقتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں بلکہ تمام رُوحوں اور قالبوں کی صورت پر حقتعالیٰ ہی جلوہ نما ہیں اور یہ صرف انسان کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام خلائق کے دِلوں اور قالبوں کیصورت پر وہی ذات جلوہ نما ہے

Marfat.com

بعض کہتے ہیں آسمانی لشکر ملائکہ ہیں اور زمینی لشکر شیاطین ہیں۔ چاہتا ہے تو انسان پر ملائکہ کو غالب کر دیتا ہے اور چاہتا ہے تو شیاطین کو غالب کر دیتا ہے۔ جس پر ملائکہ کو غالب کرتا ہے اُس پر ملکی صفات غالب آجاتی ہیں اور وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ جس پر شیاطین کو غالب کرتا ہے اُس پر شیطانی صفات غالب آجاتی ہیں اور وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ

بیشک ہم نے آپ کو یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا

وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۝

ہے تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اُسکی تعظیم کرو اور صبح و شام اُسکی تسبیح کرو۔

شٰهِدًا (گواہی دینے والا) یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے قول و فعل و حال کیساتھ توحید پر گواہ ہیں یعنی شاہد بقولہ شاہد بفعلہ و شاہد بحالہ۔

وَّمُبَشِّرًا (اور بشارت دینے والا) یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم معانی کی بشارت دینے والے ہیں۔

وَّنَذِيرًا (اور ڈرانے والا) یعنی حضور سراپا نُور صلّی اللہ علیہ وسلّم بدعت اور ضلالت سے ڈرانیوالے ہیں یعنی آپ حقتعالے کے امر سے بشیر اور نذیر ہیں نہ کہ اپنی خواہش سے۔

لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ (تاکہ تم اللہ پر ایمان لاؤ) یعنی جن کو اللہ تعالیٰ شاہد بنائے یعنی راست گو ٹھہرائے تم بھی اُن کو راست گو جانو۔

وَتُعَزِّرُوهُ (اور اُس کی مدد کرو) یعنی جن کی میں قدر و عزت کرتا ہوں تم بھی اُن کی عزت کرو یعنی آپ کی ہر طرح سے خدمت کرو زبان کیساتھ جان کیساتھ اور مال کیساتھ۔ زبان کے ساتھ خدمت یہ ہے کہ خلق میں ہر وقت آپ کی صفت و ثنا کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ ۗ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ

اے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم! بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

حقتعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم جو لوگ آپ کیساتھ بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کیساتھ بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ میں بشریت عارضی ہے اور واسطۂ عارضی کو بے واسطہ دیکھنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے یعنی اس بیعت میں خداوند تعالیٰ کا منہ احسان ہے

Marfat.com

نہ کہ اُن کا خداوند تعالیٰ پر۔ بعضے کہتے ہیں اِس سے یہ مُراد ہے کہ اُن کی بیعت اور اُن کی قوت حقتعالیٰ کی قوت کے ماتحت ہے کیونکہ اگر حقتعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو وُہ اِس بیعت میں حصّہ نہ لے سکتے جیسا وارد ہُوا ہے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط یعنی گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کیطرف سے ہے جو عالیشان اور عظمت والا ہے ؛

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ

اور اگر نہ ہوتے کئی مرد ایمان والے اور کئی عورتیں ایمان والیاں جن کی آپؐ کو خبر نہ تھی ؛

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مومن حقیقت میں وُہ شخص ہے جو اپنے نفس و دل سے غافل نہ ہو بلکہ وُہ اپنے احوال کی جُستجو کرتا ہے کہ فلاں وقت مَیں نے کیا کیا اور کیا کہا اور مجھے کیا ہُوا اور جب ذرا بھر تغیّر دیکھتا ہے تو جناب الٰہی میں زاری کرتا ہے۔ جسطرح جب اہلِ زمین پر بلائیں نازل ہوتی ہیں مثلاً چاند گرہن سورج گرہن زلزلۂ زمین بادل بارش غوغائے ملخ اور وباء وغیرہ تو وُہ جان لیتے ہیں کہ یہ اُن کے گناہوں کی شامت ہے اِسلیئے زاری شروع کر دیتے ہیں اَیسے ہی مومن بھی جب نورِ یقین کو کم بُجھتا ہے اور آبِ چشم کو خشک دیکھتا ہے اور دِل کی وباء کو دیکھ لیتا ہے کہ اُس کے اوقاتِ عبادت میں خلل آگیا ہے تو جناب الٰہی میں زاری شروع کر دیتا ہے تاکہ دریائے رحمت جوش میں آجائے ؎

تانگرید کودکِ حلوہ فروش ؛ بحرِ بخشائش نمے آید بجوش
اے برادر طفلِ طفلِ چشم تست ؛ کامِ خود موقوفِ زاری دان نخست

(ترجمہ) جب تک حلوہ فروش کا لڑکا نہ روئے رحمت کا سمندر جوش میں نہیں آتا۔ اَے بھائی وُہ لڑکا تیری آنکھ کا لڑکا ہے اپنی کامیابی کو جناب الٰہی میں زاری کرنے پر موقوف سمجھ (کودکِ حلوہ فروش سے حضرت احمدؒ خضرویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا حلوہ خریدنا اور اُس کو دام پہلے نہ دینا اور اُس کودک کا رونا مثنوی شریف دفترِ دوم میں مذکور ہے)؛

بلکہ وُہ دُنیا کی بلائیں مومن کیلئے فراقِ حق کا نشان نہیں ہیں اور یہ تغیراتِ دِل اور دِل کی بلائیں نشانِ فراقِ حق ہیں۔ پس وُہ بندۂ مومن نقصان میں زیادتی دیکھتا ہے اور زیادتی میں نقصان۔ جسطرح دُوسرے لوگ نقصانِ دُنیا سے ترسان ہوتے ہیں وُہ زیادتیٔ دُنیا سے ترساں ہوتا ہے اور ذرّہ بھر تغیّرِ دِل یعنی طاعت سے دِل کا متنفر ہونا اور طاعت کو بے فائدہ دیکھنے سے ترساں ہوتا ہے کیونکہ اندک بسیار کو کھینچ لاتا ہے ؛

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد رکھی ؛

Marfat.com

کُفارا اپنے نفس کی متابعت کرتے ہیں اور مومنوں کو اُن کے ایمان پر حسد کرنے کی وجہ سے دُکھ دیتے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ یہ لوگ ہمیں آخرت یاد دلا کر ہمارا دُنیاوی عیش مُکدّر کرتے ہیں۔ حالانکہ مومنین خوب جانتے ہیں کہ وُہ اُن کا عیش مُنغّص نہیں کرتے بلکہ وُہ چاہتے ہیں کہ اِس عیشِ فانی کو عیشِ باقی کیساتھ ابدالآباد تک بدلا دیں۔ اِس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص ایک جاہل شخص سے گندم زبردستی چھین لیتا ہے اور اُسی کیلئے بو دیتا ہے تاکہ اُس کی خوراک منقطع نہ ہو۔ وُہ جاہل شخص فریاد کرتا ہے کہ یہ کیا ظلم ہے۔

اِس کی ایک اور نظیر بھی ہے۔ ایک آہنی انگوٹھی جسپر بادشاہ کا نام منقش تھا نے سونے کی سادہ انگوٹھی سے کہا تجھ پر ایسا نقش ہے؟ اُس نے جواب دیا نہیں۔ اِس پر وُہ بولی پس میں تجھ سے بہتر ہوں۔ سونے کی انگوٹھی بولی تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا آہن۔ اِس پر وُہ بولی کیا اُس نقش نے تجھ کو آہنیت سے فارغ کیا؟ جواب دیا نہیں۔ پھر بولی کیا اِس بے نقشی نے مجھ کو سونا ہونے سے معزول کیا؟ جواب دیا نہیں۔ وُہ بولی پس بیٹھ اور ذرا غور کر کہ قیمت کس کی ہے اور نقد کس کے پاس ہے۔ (منقش آہنی انگشتری سے مراد کافر اور سادہ زرّین انگشتری سے مُراد مومن ہے)۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا خواب دکھلایا ہے جو بالکل مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام یعنی مکہ معظمہ میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے۔

سب لوگ کہتے ہیں کہ ہم کعبہ شریف کی زیارت کریں گے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم زیارت کریں گے۔ یہ جو استثنا کرتے ہیں عُشاق ہیں کیونکہ عاشق اپنے آپ کو مختارِ کار نہیں دیکھتے بلکہ مختار معشوق کو جانتے ہیں اسلئے وُہ کہتے ہیں کہ اگر معشوق نے چاہا تو ہم خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔ مسجدِ حرام اہلِ ظاہر کے نزدیک کعبہ ہے لیکن عُشاق اور خاصانِ حق کے نزدیک وصالِ حق ہے۔ پس وُہ کہتے ہیں کہ اگر خداوند تعالیٰ نے چاہا تو ہم اُس تک یعنی خدا تک پہنچ جائیں گے اور دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو جائیں گے۔ تو آیۂ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حقتعالیٰ خوشخبری دے رہے ہیں کہ تم لوگ مسجدِ حرام میں ضرور داخل ہو گے یعنی آپ سبکو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔ لیکن اگر معشوق کہے انشاء اللہ تو یہ نادر ہے اور یہ ایک عجب حکایت ہے۔ اِس عجیب حکایت کے سُننے کے لئے کوئی عجیب ہستی چاہیئے۔

مولا تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وُہ معشوق محبوب ہیں۔ حقتعالیٰ اُن کے طالب ہیں اور جو وظیفہ عاشقوں کا ہے حقتعالیٰ اُن کیلئے کرتے ہیں اور ظاہر دکھاتے ہیں۔ جسطرح عاشق کہتا ہے کہ انشاء اللہ میں اپنے

Marfat.com

محبُوب کی زیارت سے مشرف ہوں گا۔ اسیطرح حقتعالیٰ اپنے اُس محبُوب کیلئے اِنشاء اللہ کہتے ہیں۔ اگر اس میں شرح کروں تو اَولیائے واصلین سررشتہ عقل گُم کر بیٹھیں پس ایسے اسرار خلق کے سامنے کیسے بیان کیئے جا سکتے ہیں؟ قلم اس جگہ پہنچا تو اُس کا سَر ٹوٹ گیا۔ ایک شخص اُونٹ کو منارہ پر نہیں دیکھ سکتا بھلا وہ تارِ مُوی کو دہنِ شتر میں کیسے دیکھیگا۔ لہذا مَیں حکایتِ اوّل کیطرف رجُوع کرتا ہُوں کہ عُشاق کہتے ہیں اِنشاءاللہ یعنی مختارِ کار معشوق ہے اور اگر معشوق نے چاہا تو ہم کعبہ شریف میں داخل ہو جائیں گے۔ وُہ غرقِ حق ہیں اُس جگہ غیر نہیں سماتا اور یادِ غیر اُن کیلئے حرام ہے۔ چہ جائے غیر جب تک اُنہوں نے اپنی ہستی کو اُس کی ذات میں محو نہ کیا وصال نصیب نہ ہُوا۔ اپنی وہمی ہستی کا پردہ اُٹھا اور پھر دیکھ کہ ذرّہ ذرّہ انا الحق پکار رہا ہے کیونکہ لیس فی الدارین غیراللہ یعنی دونوں جہان میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز موجود نہیں۔

اور یہ جو حقتعالیٰ نے فرمایا ہے رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا اس سے مُراد عاشقوں مشتاقوں اور صادقین کے خواب ہیں اور اُن کی تعبیر اُس عالم میں ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ جُملہ عالم کے احوال مثل خواب کے ہیں اور اُن کی تعبیر اُس جہان میں ظاہر ہوتی ہے۔ جیساکہ تُو خواب میں دیکھتا ہے کہ تُو گھوڑے پر سوار ہے۔ تعبیر یہ ہے کہ تُو اپنی مُراد کو پہنچ جائیگا حالانکہ گھوڑے کی مُراد سے کیا نسبت ہے۔ اگر تُو دیکھے کہ تیرے ہاتھ میں درم دیئے گئے ہیں اُس کی تعبیر یہ ہے کہ تُو کسی عالم سے نیک سُخن سُنے گا حالانکہ درم کی سُخن سے کیا مناسبت ہے۔ اور اگر تُو دیکھے کہ تجھے دار پر چڑھایا گیا ہے تو تجھے قوم کی سرداری حاصل ہو گی۔ اب پھانسی کو ریاست اور امارت سے کیا واسطہ؟ پس جیسا کہ مَیں نے کہا ہے اِس عالم کے تمام اَحوال مثل خواب کے ہیں جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَلدُّنْيَا كَحُلْمِ النَّائِمِ یعنی دُنیا اور نعمِ دنیا اسطرح ہیں جسطرح کوئی شخص خواب میں کوئی چیز کھاتا ہے۔ پس اِن خوابوں کی تعبیر اُس عالم میں دِگرگون ہوتی ہے۔ اِس عالم سے نہیں ملتی۔ اُن کی تعبیر معبرِ الٰہی ہی کر سکتا ہے کیونکہ اُس پر ہر چیز مکشوف ہے جیساکہ ایک باغبان باغ میں آتا ہے اور درختوں پر نظر کرتا ہے۔ بغیر اسکے کہ وہ شاخوں پر پھل دیکھے بیان کر دیتا ہے کہ یہ خرما کا درخت ہے وُہ انجیر کا اور وُہ انار کا ہے۔ چُونکہ اُس مُعبّر کو ہر چیز کا علم ہے اِسلئے اُسکو قیامت کی حاجت نہیں کہ تعبیر دل کو دیکھے کہ کیا ہو گا اور اُس خواب کا کیا نتیجہ ہو گا۔ اُس نے پہلے ہی دیکھا ہُوا ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہو گا جیسا کہ باغبان پہلے ہی دیکھ رہا ہے کہ یہ درخت کیا میوہ دے گا۔ الحاصل فقیر کامل کیلئے دُنیا اور آخرت یکساں ہو جاتے ہیں۔

اِس عالم کی تمام چیزیں کیا مال کیا زن کیا لباس کیا املاک اور کیا اسباب سب کے سب مطلوب لغیرہ ہیں لذاتہ مطلوب نہیں ہیں۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اگر تیرے پاس صد ہزار دَراہم ہوں اور تُو بھُوکا ہو اور تجھے روٹی نہ ملے تو کیا تُو اُن دَراہم کو بطورِ غذا کھا سکتا ہے؟ اور عورت اَولاد پیدا کرنے کیلئے و قضائے شہوت کیلئے ہے اور لباس

سردی روکنے کیلئے ہے اور اسیطرح جملہ اشیاء مطلوب لغیرہٖ ہیں۔ حقتعالیٰ جلّ جلالہٗ کی ایسی ذات ہے جو مطلوب لذاتہٖ ہے۔ اُس کو انسان اُسی کی خاطر چاہتا ہے نہ کہ کسی اَور چیز کی خاطر۔ جبکہ وُہ سب سے وراء ہے اور سب سے شریفتر اور سب سے لطیفتر تو اُس کو کسی ادنیٰ چیز کیخاطر کیسے چاہیا جا سکتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی علّت غائی معرفتِ الٰہی ہے کما قولہٗ تعالیٰ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ہ (ذاریات ۔ ع ۳) لِيَعْبُدُوْنِ سے مُراد لِيَعْرِفُوْنِ ہے تو پس جب عُشاق حقتعالیٰ تک پہنچ گئے تو مطلوبِ کل یعنی منزلِ مقصود پر پہنچ گئے اس سے آگے کوئی منزل نہیں ٭

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط

سجدے کے اثر سے اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر ہے ٭

اولیاء اللہ کی علامت یہ ہے کہ ولایت کے آثار اُن کے چہروں پر پائے جاتے ہیں ٭

شیخ الاسلام ترمذیؒ نے ایک دن کہا کہ سیّد برہان الدّین صاحب علم حقیقت میں خوب کلام فرماتے ہیں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کتب مشائخ میں سے اُن کے مقالات و اسرار کا مطالعہ کرتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک بولا آخر آپ بھی تو مطالعہ کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ایسی کلام نہیں کر سکتے ؟ جواب دیا اُن کو درد نصیب ہے اور وُہ راہِ حق میں مجاہدہ و عمل کرتے ہیں۔ وُہ شخص بولا تو آپ پھر ان اوصاف کا کیوں ذکر نہیں کرتے اور مطالعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اصل جوہر یہ ہے اور ہم سب اسی کے قائل ہیں اور آپ کو بھی اِسی کا تذکرہ کرنا چاہیئے ٭

شیخ الاسلامؒ کو عشقِ الٰہی نصیب نہ تھا۔ آپ کُلّی طور پر اِس جہان پر دِلدادہ تھے۔ بعض لوگ صرف کھانے کیلئے آئے ہُوئے ہیں اور بعض لوگ جہان کو فریب دینے کیلئے چاہتے ہیں کہ اِس علم کو سیکھیں اور فروخت کریں۔ یہ سُخن مثل ایک دُولہن کے ہے اور ایک محبوب کیطرح ہے۔ جو شخص ایک خوبصورت کنیزک کو فروخت کرنے کے لیئے خریدے بھلا وُہ کنیزک اُس کے ساتھ کیا محبت کرے گی اور اُس کے ساتھ کیا دِل لگائیگی ؟ چونکہ اُس تاجر کو لذّت اسی فروخت میں ہے لہٰذا وُہ نامرد ہے۔ کنیزک کو فروخت کرنے کیلئے خریدتا ہے۔ اُسمیں رجولیّت اور قوّت مردمی نہیں ہے کہ کنیزک کو اپنے لیئے خریدے۔ اور اسیطرح اگر مخنّث کے ہاتھ خالص ہندی تلوار آجائے تو وُہ اُس کو فروخت کرنے کیلئے لیتا ہے یا اگر کسی پہلوان کی کمان اُس کے ہاتھ آجائے تو وُہ بھی فروخت ہی کیلئے ہے کیونکہ اُس کے بازو میں چلّہ چڑھانے کی قوّت نہیں۔ وُہ صرف چلّہ پر عاشق ہے اور جب فروخت کرتا ہے غازہ اور وسمہ کے عوض بیچ ڈالتا ہے۔ اِس کے سوا وُہ کمان کو کیا کرے گا۔ عجب تو

Marfat.com

تو یہ ہے کہ جب ایسی بے بہا چیز کو وُہ بیچ ڈالتا ہے اُس سے بہتر کیا خریدے گا۔
یہ سُخن مثل سُریانی کے ہے۔ ہرگز یہ دعویٰ نہ کیجئے کہ ہم نے فہم کر لیا ہے۔ اگرچہ آپ نے اِس کا بہت فہم وضبط کر لیا ہے لیکن حقیقت میں آپ اِس کے فہم سے عظیم دُور ہیں۔ اِس کا فہم بے فہمی ہے۔ تیرے لئے یہ تیرا فہم ہی بلا ومصیبت ہے۔ تیرے لئے یہ تیرا فہم ایک بیڑی ہے۔ تجھ کو اِس سے خلاصی حاصل کرنی چاہیئے تاکہ تُو کوئی چیز بن جائے۔ تُو کہتا ہے کہ میں نے مشک کو دریا سے پُر کر لیا ہے اور دریا میری مشک میں سما گیا ہے۔ یہ محال ہے۔ ہاں اگر تُو یہ کہے کہ میری مشک دریا میں گُم ہوگئی ہے تو یہ خُوب ہے اور اصل مقصود یہ ہے۔
عقل اِس حدتک خُوب مطلوب ہے کہ تجھ کو بادشاہ کے دروازہ پر لے آئے۔ جب تُو اُس کے دروازہ پر پہنچ جائے تو عقل کو طلاق دیدے کیونکہ اب عقل تیرے لئے زیان وہ ہے بلکہ تیرے لئے راہزن ہے۔ جب تو اُس تک پہنچ جائے اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر ڈال۔ تجھ کو چُون وچرا سے کیا واسطہ؟ مثال کے طور پر تیرے پاس نابُریدہ کپڑا ہے۔ تو چاہتا ہے کہ اُسکا قبا یا جُبّہ سلائے۔ عقل تجھ کو درزی کے پاس لے آتی ہے۔ عقل اِس حدتک مُفید ہے کہ تو کپڑے کو درزی کے پاس لے آیا۔ اب عقل کو طلاق دے ڈالنی چاہیئے اور درزی کے سامنے اپنے تصرّف کو اور اپنی عقل کو ترک کر دینا چاہیئے۔ اور اِسیطرح بیمار کیلئے عقل اِس حدتک مُفید ہے کہ اُسکو طبیب کے پاس لے آئے اِس کے بعد عقل کا اور کوئی کام نہیں اور اپنے آپ کو طبیب کے سپرد کر دینا چاہیئے۔
تیرے پنہانی نعروں کو اصحاب نعرہ کے گوش سنتے ہیں۔ جو شخص کوئی چیز رکھتا ہے یا اُس میں کوئی باطنی جوہر اور درد ہے وُہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اُونٹوں کی قطار میں سے مست اُونٹ چشم سے رفتار سے اور کفک سے ظاہر ہو جاتا ہے ایسے ہی ولایت کے آثار اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے چہروں پر پائے جاتے ہیں کقولہٖ تعالیٰ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ یعنی سجدے کے اثر سے اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر ہے۔ مُراد یہ ہے کہ چونکہ اولیاء اللہ کے قلوب نُورِ الٰہی سے منوّر ہو جاتے ہیں اِسلئے وُہ نُور اُن کے چہروں پر نمایاں نظر آتا ہے۔
جو درخت کی جڑ خوراک کھاتی ہے اُس کے آثار درخت کے سر پر برگ وپھل سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور جو نہیں کھاتی وُہ درخت بھی پژمُردہ ہوتا ہے۔ ایسا درخت کب پوشیدہ رہتا ہے؟ یہ درویش جو بلند آواز سے ہاؤ ہُو کرتے ہیں اُسکا راز یہ ہو کہ وُہ ایک شخص سے کئی اور سخن فہم کرتے ہیں اور ایک حرف سے کئی اشارے معلُوم کر لیتے ہیں۔ اُس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی شخص وسیط وتنبیہہ اور دیگر کُتب مطوّل پڑھا ہُوا ہے جب اُن میں سے ایک کلمہ ہی سُن لیتا ہے اُس ایک مسئلہ سے کئی اور مسائل نکال لیتا ہے کیونکہ اُس نے اُس کی شرح پڑھی ہُوئی ہے اور اُس ایک حرف پر ہاؤ ہُو کرتا ہے۔ اُس کی مُراد یہ ہوتی ہے کہ میں اِس کی تہ میں کئی اور

Marfat.com

چیزیں دیکھتا ہوں کیونکہ میں نے اِس کیلئے بڑے رنج اُٹھائے ہیں۔ راتوں کو دن سے ملایا ہے اور بالآخر یہ خزائنِ علوم حاصل کئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں حقتعالیٰ فرماتے ہیں اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ علم سے کشادہ نہیں کر دیا۔ سورہ انشراح)؟ دل کی شرح بے نہایت ہے۔ چونکہ اُس نے شرح پڑھی ہوئی ہے اسلئے وُہ ایک رمز سے ہی بہت کچھ فہم کر لیتا ہے اور جو شخص کہ ابھی مُبتدی ہے وُہ اُس لفظ سے صرف اُسی لفظ کا معنی معلوم کرتا ہے اُس کو ہاؤ ہُو کی کیا خبر۔

سخن مُستمع کی اِستعداد کے مطابق جاری ہوتا ہے۔ جسقدر وُہ جذب کرتا ہے اور ہضم کرتا ہے حکمت نازل ہوتی ہے۔ جب جذب نہیں کرتا تو دُلہن حکمت بھی پردے سے باہر نہیں آتی اور اپنا رُخِ انور نہیں دکھاتی۔ تب کہتا ہے عجب ہے کیوں سخن جاری نہیں ہوتا؟ اُسکا جواب ہے عجب ہے کیوں سخن جذب نہیں کرتا؟ وُہ ذات جو تجھے قوّتِ اِستماع نہیں بخشتی گو بندہ کو بھی داعیۂ گویائی نہیں بخشتی۔

اہلِ دَرد ظاہر ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں ایک کافر کا ایک صاحبِ ولایت مسلمان غلام تھا جو حقتعالیٰ کی نماز اور مناجات کیساتھ اُنسِ عظیم رکھتا تھا۔ ایک روز صبح سویرے اُس کے مالک نے حکم دیا کہ میرے جامۂ زرتار پکڑ لے تاکہ حمام میں چلیں۔ رستہ میں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم صحابہ کرام علیہم الرضوان کیساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ غلام نے عرض کیا اے خواجہ بِللہ تعالیٰ لحظہ بھر کیلئے یہ کپڑے پکڑ لے تاکہ مَیں نماز ادا کر لوں اور اُس کے بعد میں آپ کی خدمت میں چلونگا۔ چنانچہ وُہ مسجد میں گیا اور نماز ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بمعہ جُملہ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور وُہ غلام تنہا مسجد میں رہ گیا۔ خواجہ تا چاشت منتظر رہا۔ آخر آواز دی ارے! اب تو باہر آ۔ اندر سے غلام نے جواب دیا مجھے ہلنے نہیں دیتے۔ جب حد سے زیادہ اِنتظار کیا تو خواجہ نے مسجد کے اندر جھانک پائی تاکہ دیکھے کہ کون ہے جو اُس کو ہلنے نہیں دیتا۔ کوئی شخص نظر نہ آیا تو آواز دی کہ کون ہے جو تجھ کو باہر آنے سے روکتا ہے؟ جواب دیا وہی جو تجھ کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ وُہ وُہ ہستی ہے جس کو تُو نہیں دیکھتا اور آدمی ہمیشہ اُس چیز کا عاشق ہوتا ہے جو اُس نے نہ دیکھی ہے نہ سُنی ہے نہ فہم میں آتی ہے اور شب و روز اُس کو طلب کرتا ہے ؎

بندۂ آنم کہ نمی بینمش (مَیں اُس کا غلام ہُوں جو نظر نہیں آتا)۔

سورہ قٓ

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝

Marfat.com

بلکہ اُن کو اِس بات پر تعجب ہُوا کہ اُن کے پاس اُنہی کی جنس میں سے ایک ڈرانیوالا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم آگیا
سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ ایک عجیب بات ہے ﴿

یہ جملہ موجودات عقل کلّی کا سایہ ہے یعنی عقل کلّ کا کمال ہے عقل جزوی کا سایہ اُسکے شخص کیمطابق ہوتا ہے اور عقل کلّی کا سایہ جوکہ موجودات ہے اُسکے مطابق ہے اُولیاء اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین نے ان آسمانوں کے علاوہ اور آسمانوں کا مشاہدہ کیا ہُوا ہے۔ اِس لئے یہ آسمان اُن کی نظر میں حقیر معلوم ہوتے ہیں اور وُہ اِن پر پاؤں رکھ کر آگے گذر جاتے ہیں یعنی وُہ مشاہدۂ ذاتِ حق میں محو اور مستغرق ہونیکے باعث تمام موجودات سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اِس میں کیا تعجب ہے کہ ایک آدمی اِن سب آدمیوں میں سے تخصیص حاصل کر کے ساتویں آسمان پر پاؤں رکھے۔ ہم جنس خاک تھے۔ حقتعالیٰ نے ہم میں ایک ایسی قوّت رکھدی کہ ہم اپنی جنس سے اُس قوّت کیوجہ سے ممتاز ہو گئے اور اُس میں مُتصرف ہو گئے اور وُہ ہمارے تصرف میں ہو گئی حتیٰ کہ ہم اُس میں جسطرح چاہیں تصرف کرتے ہیں۔ کبھی ہم اُس کو بالا رکھتے ہیں کبھی زیر۔ کبھی اُس سے گھر بناتے ہیں کبھی کاسہ و کُوزہ۔ کبھی اُس کو دراز کرتے ہیں کبھی کوتاہ۔ اگرچہ ہم اوّل وہی تھے اور اُس کی جنس تھے لیکن حقتعالیٰ نے ہم کو ممتاز کر دیا۔ اِسیطرح ہم میں سے جو ایک جنس ہیں کیا عجب اگر حقتعالیٰ کسی کو ممتاز کر دے کہ ہم اُس کی نسبت مثل جماد کے ہوں اور وُہ ہم میں تصرّف کرے اور ہم اُس سے بیخبر ہوں اور وُہ ہم سے باخبر ﴿

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ وُہ ہم میں تصرّف کرے اور ہم اُس سے بے خبر ہوں اِس سے میری مُراد محض بے خبری نہیں ہے بلکہ ہر چیز کو بے خبری میں کسی اور چیز کی خبر ہوتی ہے۔ یہ خاک بھی باوجود جماد ہونے کے جو قابلیت اُسے حقتعالیٰ نے عطا کی ہُوئی ہے اُس سے باخبر ہے کیونکہ اگر بے خبر ہوتی پانی کو کو کیسے قبول کرتی اور ہر دانہ کی اُس کی اِستعداد کے مطابق کیسے داگی کرتی اور پرورش کرتی۔ جب کوئی شخص کسی کام میں کُلّی طور پر مشغول ہو تو اُس شخص کی اُس کام میں بیداری اُس کے غیر سے بے خبری ہوتی ہے لیکن اِس بیخبری اور غفلت سے یہ مُراد نہیں کہ ہم دیگر فرائض سے کُلّی طور پر غافل ہو جائیں۔ ایک بلّی کو لوگوں نے چاہا کہ کسی طرح پکڑیں لیکن کوئی تجویز کارگر نہ ہُوئی۔ ایک دن وُہ بلّی ایک مُرغ کے شکار میں مشغول ہو گئی اور شکار میں اِس قدر محو ہو گئی کہ کسی اور چیز کا خیال تک نہ رہا۔ لوگوں نے اُس حالت میں اُس کو پکڑ لیا۔ پس اِنسان کو کارِ دُنیا میں کُلّی طور پر مشغول نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہاتھ کار میں اور دِل یار میں ہونا چاہیئے یعنی دُنیاوی اشغال میں اِسقدر مشغول نہ ہو کہ دینی فرائض سے غافل ہو جائے۔ اور حقتعالےٰ رنجیدہ ہو کر اُسے پکڑ لیں۔ رضائے خلق کی بجائے رضائے حق تلاش کرنی چاہیئے کیونکہ اگر خلق ناراض ہو گئی تو حقتعالیٰ اُس کو راضی کر دیں گے لیکن اگر حقتعالیٰ ناراض ہو گئے تو اُن کو کون راضی کریگا ﴿

Marfat.com

اگر تیرے پاس ہر قسم کے سامان ہوں اور وُہ غرق ہونے لگیں تو تُو کس کو ہاتھ ماریگا؟ اگرچہ سب سامان ضروری ہے لیکن یقین ہے کہ تُو نفیس ترین چیز پر ہاتھ مارے گا کیونکہ ایک لعل بلکہ ایک پارۂ لعل سے ہزار آرائش کے سامان مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ ایک درخت سے میوۂ شیریں ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ وُہ میوہ بظاہر اُس کا ایک جُزو ہے لیکن حقتعالیٰ نے اُس جُزو کو کُل سے برگزیدہ کیا اور کُل سے ممتاز کیا کیونکہ اُس میں اَیسی حلاوت رکھی جو باقی اَجزاء میں نہ رکھی اور اسی حلاوت کی بدولت اُسے کُل پر ترجیح حاصل ہے اور وُہ درخت کا مغز اور مقصود ہے۔ اَیسے ہی آنسرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم اس شجرۂ کون کا میوۂ شیریں ہونے کے باعث مغز اور مقصود ہیں اور آپؐ کو تمام مخلوق پر سرداری حاصل ہے اور باقی سب آپؐ کی رعایا ہیں چنانچہ خود فرمایا اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ وَلَا فَخْرَ یعنی مَیں لوگوں کا سردار ہُوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ اور میوہ ہمیشہ بیج کی صورت پر ہوتا ہے اِسلئے آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ یعنی جس نے مُجھؐ کو دیکھا پس تحقیق اُس نے خدا کو دیکھا۔ لیکن کفار آپؐ کی ظاہری بشری صُورت کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے کہ ہمیں میں سے ایک شخص ڈرانیوالا ہمارے پاس آیا ہے کقولہٖ تعالیٰ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۙ یعنی اَے حبیب کریم صلی اللہ علیک وسلم! قٓ یعنی قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عرشِ الٰہی ہے قسم ہے قرآنِ مجید کی اور یہ کافر لوگ جنابؐ کو اپنے میں سے قیاس کر رہے ہیں اعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ کافر لوگ آپؐ کی ظاہری صُورت دیکھ کر اپنے پر قیاس کر رہے ہیں حالانکہ قسم ہے قرآنِ مجید کی آپؐ کا قلبِ مبارک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا عرش ہے جو سب پر مُحیط ہے یعنی آپؐ ذاتِ حق کے لئے مرآتِ تامہ ہیں ؂

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

اور ہم نے اِنسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم اُن کو بھی جانتے ہیں اور ہم بندے کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں ؂

ایک دن مَیں نے مجلس میں ذکر کیا کہ توقات کیطرف جانا چاہیئے کیونکہ وہاں کی آب و ہوا گرم ہے۔ انطاکیہ اگرچہ گرم ولایت ہے لیکن وہاں زیادہ تر رُومی لوگ ہیں وُہ ہماری کلام نہیں سمجھتے اگرچہ رُومیوں میں بھی بعض لوگ اَیسے ہیں جو یہ کلام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن مَیں ایک جماعت میں کلام کر رہا تھا اور اُسمیں ایک کافروں کی بھی جماعت تھی۔ کلام کے دَوران میں وُہ لوگ روتے تھے اور ذوق میں آ کر رقص و وجد کرتے تھے ؂

Marfat.com

حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ اِس قسم کی کلام کو ہزار مُسلمانوں میں سے ایک سمجھتا ہے اُنہوں نے کیا سمجھا کہ وُہ رونے لگ گئے؟

مَیں نے جواب دیا یہ ضروری نہیں کہ وُہ نفسِ سُخن کو سمجھیں البتّہ اِس سُخن کے اصل کو سمجھتے ہیں۔ آخر خداوند تعالٰی کی توحید کے تو سبھی قائل ہیں کہ وُہی خالق ہے وہی رازق ہے وُہی سب میں متصرّف ہے وہی سب کا مرجع ہے وہی گرفت کرنیوالا ہے اور وُہی معاف کرنیوالا ہے۔ جب اُنہوں نے یہ کلام سُنی تو سب کو اِضطراب و ذوق اور شوق حاصل ہُوا کیونکہ یہ وصفِ حق ہے اور ذکرِ حق ہے اور اس سُخن سے اُن کو اپنے مطلوب و معشوق کی خوشبو آتی ہے۔ اگرچہ رَستے مختلف ہیں لیکن سب کا مقصود ایک ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کعبہ شریف کو رَستے بہت ہیں کئی رُوم سے کئی شام سے کئی خشکی سے کئی سمندر سے۔ پس اگر تو راہوں پر نظر کرے تو اِختلافِ عظیم اور دُوری بے حد ہے لیکن جب منزلِ مقصود پر نظر کرے تو سب متفق ہیں اور دِلوں کا کعبہ شریف کیساتھ ایک عظیم اِرتباط ہے کیونکہ وہاں بھی کسی خلاف کی گنجائش نہیں۔ وُہ تعلق نہ کُفر ہے نہ ایمان یعنی وُہ تعلق اُن مختلف راہوں کیساتھ جن کا مَیں نے ذکر کیا ہے مخلوط نہیں ہے۔ جب اُس جگہ پہنچ جاتے ہیں یعنی دِل کی حقیقت کو پا لیتے ہیں تو وُہ مباحثہ و جنگ و اِختلاف جس کے باعث ایک دُوسرے کو باطل و مُبطل کہتے ہیں ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جب لوگ کعبہ شریف پہنچ جاتے ہیں تو اُن کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وُہ جنگیں سب رستوں میں تھیں منزلِ مقصود سب کا ایک ہے۔

مثال کے طور پر اگر کاسہ میں جان ہوتی تو بندۂ کاسہ گر ہوتا اور اُس کے ساتھ عشقبازی کرتا خواہ کاسہ کسی رنگ کا ہو۔ اب کاسہ کو دسترخوان پر رکھنے میں اِختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں اندر سے دھونا چاہیئے بعض کہتے ہیں باہر سے۔ بعض کہتے ہیں اندر باہر دونوں طرف سے دھونا چاہیئے اور بعض کہتے ہیں دھونے کی حاجت ہی کوئی نہیں۔ اب اِختلاف اِن چیزوں میں ہے لیکن اِس حقیقت پر کہ کاسہ کا ایک صانع ہے اور یہ اپنے آپ نہیں بنا ہُوا سب کا اتفاق ہے اور اِس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام آدمی اندرونِ دل میں از رُوئے باطن محبِّ حق ہیں۔ اُسی کے طالب ہیں اُسی کے آگے نیاز کرتے ہیں۔ ہر چیز کی اُمید اُسی سے رکھتے ہیں اور غیرِ حق کو اَشیاء پر متصرّف و قادر نہیں جانتے۔ یہ حقیقت نہ کُفر ہے نہ ایمان اور اِس کا باطن میں کوئی نام نہیں ہے۔ لیکن جب باطن سے اِس حقیقت کا پانی ناودانِ زبان کیطرف جاری ہوتا ہے اور نچوڑا جاتا ہے تو عبارت کی صُورت اِختیار کر لیتا ہے اور حا و خا و دال بن جاتا ہے۔ اِسجگہ اُس کا نام کُفر و ایمان اور نیک و بد ہو جاتا ہے۔ اِس کی مثال اَیسے ہے کہ جب نباتات زمین سے اُگتی ہیں تو اِبتدا میں اپنی کوئی صُورت نہیں رکھتیں اور جب اِس عالَم میں آ جاتی ہیں

Marfat.com

تو ابتدا میں لطیف و نازک ہوتی ہیں اور سفید رنگ رکھتی ہیں اور جسقدر اِس عالم میں قدم آگے رکھتی ہیں کثیف و غلیظ تر ہو جاتی ہیں اور رنگِ دیگر اختیار کر لیتی ہیں ❖

جب مومن کافر اکھٹے بیٹھے ہوں جب تلک زبان سے کوئی چیز بیان نہ کریں یگانہ ہیں یعنی اُن میں کوئی تمیز نہیں اور اُن کے خیالات پر گرفت نہیں ہے کیونکہ وُہ آزادی کا عالم ہے اور خیالات لطیف ہیں۔ اُن کیساتھ حکم نہیں کیا جاسکتا جیسا آنحضور آنکھوں کے نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنّی اُمِرْتُ اَنْ اَحْکُمَ بِالظَّاهِرِ وَاللہُ یَتَوَلَّی السَّرَائِرَ یعنی میں امر کیا گیا ہوں کہ ظاہر کیساتھ حکم کروں اور اللہ تعالیٰ بھیدوں کا متولی ہے۔ جو خیالات حقتعالیٰ تیرے دل میں پیدا کر دیتے ہیں تُو چاہے لاکھ بار لاحول پڑھے اور کوشش کرے اپنے دل سے دُور نہیں کر سکتا۔ پس لوگوں کا یہ مقولہ کہ خداوند تعالیٰ کو آلہ کی حاجت نہیں درست ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اُن تصوّرات و خیالات کو بغیر کسی آلہ کے و بغیر کسی قلم کے اور بغیر کسی رنگ کے تیرے دل میں کیسے پیدا کر دیتے ہیں؟ وُہ خیالات بھی مثل مُرغانِ باد اور آہوانِ وحشی ہیں کیونکہ جب تک تُو اُن کو پکڑ کر قفس میں محبوس نہ کر لے از رُوئے شرع اُن کا فروخت کرنا روا نہیں ہے۔ تجھ کو مقدُور نہیں کہ مُرغانِ باد کو فروخت کر سکے کیونکہ بیع کرنے میں فروختہ چیز کو خریدار کے حوالہ کرنا شرط ہے اور جب یہ تیری مقدور نہیں ہے تو کیا حوالے کریگا پس جب تک خیالات باطن میں بے نام و نشان ہیں اُن پر کسی قسم کا حکم نہیں کیا جا سکتا نہ کُفر کا نہ اِسلام کا۔ کبھی کسی قاضی نے کہا ہے کہ تُو نے دل میں ایسا قرار کیا یا تُو نے دل میں فلاں چیز فروخت کر دی یا قسم اُٹھا کہ تیرے دل میں فلاں خیال گذرا؟ ہرگز نہیں کہتا کیونکہ کسی کو اندرونی خیالات پر کسی قسم کا حُکم کرنے کا مجاز نہیں ہے ❖

خیالات مثل مُرغانِ ہوا ہیں۔ جب عبارت میں آجاتے ہیں بعد از آن اُنپر کُفر و اِسلام نیک و بد کا حکم کیا جا سکتا ہے۔ جسطرح اجسام کا ایک عالم ہے ایسے ہی تصوّرات و تخیلات و توہمات کا ایک عالم ہے اور حقتعالیٰ جملہ عوالم سے وَراء ہیں نہ داخل اور نہ خارج۔ اب اِن تصوّرات میں ذرا تصرّفاتِ حق دیکھ کہ کیسے اِن کو بیچون و چگونہ بے قلم و آلت مُصوّر کرتے ہیں آخر اگر تُو اِن خیالات و تصوّرات کو تلاش کرے اور سینہ کو چاک کر دے اور ذرہ ذرہ کر دے تو اِن کو کہیں نہ پائیگا۔ نہ خُون میں نہ رگ میں نہ بالا نہ زیر کسی جُزو میں نہ پائیگا اور اسیطرح باہر بھی کہیں نہ پائیگا کیونکہ یہ بے جہت اور بے چُون و چگونہ ہیں۔ پس جب اُس کے تصرّفات اِن تصوّرات میں اِس قدر لطیف اور بے نشان ہیں بھلا وُہ ذات پاک جو اِن سب کی آفرینندہ ہے غور کر کسقدر بے نشان اور کسقدر لطیفِ لطیف لطیف ہو گی۔ جسطرح یہ قالب نسبت بہ ارواح کثیف ہیں اسی طرح یہ ارواح لطیف بیچون و چگونہ نسبت بہ باری تعالیٰ اجسام و صور کثیف ہیں۔ بیت ؎

Marfat.com

زپردہ ہا اگر آں روح قدس بنمودے ؛ عقول و روح بشر را بدن شمردندے

(ترجمہ) اگر وہ روح قدسی پردوں سے نظر آجائے تو انسانی روح اور عقول اُس کی نسبت بدن شمار کئے جائیں۔ اور حقیقتاً عالمِ مصوّرات میں نہیں سماتے بلکہ کسی عالم میں نہیں سماتے۔ مثال کے طور پر اگر وُہ عالمِ تصورات میں سما جائیں تو لازم آتا ہے کہ مُصوّر اُس کی ذات پر محیط ہو پس اسطرح وُہ ذات پاک محدود ہو گئے اور خالق تصوّرات نہ رہے لہٰذا معلوم ہُوا کہ وُہ ذات پاک تمام تصورات کے وراء ہیں ؛

سورۂ ذاریات

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○

اور یقین لانیوالوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری جانوں میں بھی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو ؛

ایک دِن مَیں نے مجلس میں ذکر کیا یہ جو کہتے ہیں اِنَّ الْقُلُوْبَ عَلَى الْقُلُوْبِ شَوَاهِدُ (دل دلوں پر گواہ ہوتے ہیں) یہ ایک سخن ہے اور ایک حکایت ہے جس کی حقیقت اُن پر مکشوف نہیں ہے ورنہ سخن کی کیا حاجت تھی کیونکہ جب قلب گواہی دیتا ہے تو پھر زبان کی گواہی کی کیا حاجت ہے ؟ ؛

اسیر امیر نائب بولا بیشک دِل گواہی دیتا ہے لیکن دِل کیلئے ایک جُدا حظ ہے و کان کیلئے جُدا و آنکھ کیلئے جُدا و زبان کے لئے جُدا یعنی ہر ایک کو احتیاج ہے تاکہ فائدہ افزوں تر ہو ؛

مَیں نے جواب دیا کہ اگر دِل کو اِستغراق حاصل ہو تو جملہ اعضاء اُسی میں محو ہو جاتے ہیں اور عاشق زبان کا محتاج نہیں رہ جاتا۔ آخر لیلیٰ کا حُسن رحمانی نہ تھا۔ جسمانی و نفسانی تھا اور آب و گِل سے تھا۔ اُس کے عشق میں ایسا اِستغراق تھا کہ مجنوں کو ایسا پکڑا اور غرق کیا کہ وُہ لیلیٰ کو چشمِ ظاہر سے دیکھنے کا محتاج نہ تھا اور اُس کو اُس کا کلام کان سے سُننے کی حاجت نہ تھی کیونکہ وُہ لیلیٰ کو اپنے آپ سے جُدا نہیں دیکھتا تھا ۔

خَيَالُكَ فِي عَيْنِي وَاسْمُكَ فِي فَمِي ؛ وَذِكْرُكَ فِي قَلْبِي فَكَيْفَ تَغِيبُ

(ترجمہ) اے محبوب! تصوّر تیرا میری آنکھوں میں ہے نام تیرا میرے ہونٹوں میں ہے اور ذِکر تیرا میرے قلب میں ہے پس تُو کیسے مجھ سے غائب ہے ؛

اب جب معشوق جسمانی میں یہ قوّت ہے کہ اُس کا عشق عاشق کو اس حال تک پہنچا دیتا ہے کہ وُہ اپنے آپ کو اُس سے جُدا نہیں دیکھتا۔ اُس کے جملہ حواس کُلّی طور پر اُس میں غرق ہو جاتے ہیں کیا چشم کیا سمع کیا ناک یعنی کوئی عُضو کوئی دیگر حظ طلب نہیں کرتا۔ وُہ سب کو جمع دیکھتا ہے اور حاضر جانتا ہے۔

Marfat.com

اگر ان اعضاء مذکورہ میں سے کوئی ایک عضو پورا حظ حاصل کر لیتا ہے تو سب اُس کے ذوق میں غرق ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کا دیگر حظ طلب نہیں کرتے تو غور فرمائیے اُس محبوبِ لم یزلی کا عشق عاشق کو کس مقام پر پہنچاتا ہوگا۔ کسی دُوسری حِس کا جُدا حظ طلب کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اُس یک عضو نے حظِ کامل جیسا کہ اُس کا حق تھا حاصل نہیں کیا بلکہ حظِ ناقص حاصل کیا ہے لہٰذا وُہ اُس حظ میں غرق نہیں ہُوا ہے۔ حواس از رُوئے معنی سب جمع ہیں اور از رُوی صُورت متفرق ہیں۔ جب ایک عضو کو استغراق حاصل ہو جاتا ہے سب اُس میں غرق ہو جاتے ہیں جیسا کہ جب مکھی اُوپر اُڑتی ہے تو اُس کے پَر ہلتے ہیں اُس کا سر ہلتا ہے بلکہ اُس کے جملہ اعضاء ہلتے ہیں لیکن جب شہد میں گر کر غرق ہو جاتی ہے اُس کے سب اجزا یکساں ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایک بھی حرکت نہیں کرتا۔ اِستغراق سے یہ مُراد ہے کہ عاشق درمیان میں نہ رہے یعنی اُس کی جہد نہ رہے اُس کا فعل نہ رہے اُس کی کوئی حرکت باقی نہ رہے۔ اب جو پانی میں غرق ہو جاتا ہے جو فعل بھی اُس سے صادر ہو وُہ اُس کا فعل نہیں ہوتا بلکہ فعلِ آب ہوتا ہے۔ اگر وُہ ابھی پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو اُس کو غرق نہیں کہتے یا آواز دے رہا ہے کہ مَیں غرق ہو گیا تو اس کو بھی اِستغراق نہیں کہتے۔

آخر یہ حضرت منصور حلاج علیہ الرحمۃ کا اناالحق پکارنا بھی اِسی حقیقت سے ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ بڑا بھاری دعویٰ ہے حالانکہ اناالعبد کہنا بڑا بھاری دعویٰ ہے۔ اناالحق عظیم تواضع ہے کیونکہ جو کہتا ہے مَیں عبدِ خدا ہُوں دو ہستیوں کا اِثبات کرتا ہے ایک اپنی اور ایک خداوند تعالیٰ کی۔ لیکن جو اناالحق (مَیں خدا ہُوں) کہتا ہے اُس نے اپنے آپ کو اُس کی یاد میں نیست کر دیا اور پھر کہتا ہے اناالحق یعنی مَیں نہیں ہُوں سب کچھ وُہی ہے۔ سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی چیز کی اپنی ذاتی مستقل علیحدہ ہستی نہیں ہے۔ مَیں بذاتِ خود کُلّی طَور پر عدم محض ہُوں اور نیست ہُوں۔ تواضع اِس قول میں بیشتر ہے۔ یہ ہے مُراد اناالحق سے لیکن لوگ اِس کو نہیں سمجھتے۔

اَب جو شخص خداوند تعالیٰ کی خاطر بندگی کرتا ہے آخر اُس کی بندگی درمیان میں حجاب ہے اگرچہ برائے خداوندِ کریم ہے کیونکہ وُہ اپنے آپ کو بھی موجود دیکھتا ہے اور خداوند تعالیٰ کو بھی۔ وُہ غرقِ بحرِ ذات نہیں ہے۔ غرق وُہ شخص ہوتا ہے جس میں اپنی کوئی جنبش و اپنا کوئی فعل باقی نہ رہے بلکہ اُسکی تمام حرکات حرکتِ ذاتِ پاک سے ہوں۔ مُستغرق کی مثال اَیسے ہے کہ ایک شیر نے ایک ہرن کا تعاقب کیا۔ ہرن اُس کے آگے دوڑتا تھا۔ اُسوقت دو ہستیاں تھیں ایک شیر کی اور ایک ہرن کی۔ لیکن جب شیر اُس کے اُوپر پہنچ گیا اور وُہ اُس کے پنجۂ قہر میں مغلوب ہو گیا تو شیر کی ہیبت سے بیہوش و بیخود ہو کر اُس کے

Marfat.com

آگے گر پڑا۔ اِسوقت صرف شیر کی ہستی باقی رہ گئی اور ہستیٔ آہو محو ہو گئی اور نیست ہو گئی۔

استغراق یہ ہوتا ہے کہ حقتعالیٰ اُس کو بجائے اُس خوف کے جو خلق کو شیر و چیتے و ظالم سے ہوتا ہے اپنے آپ سے ڈراتے ہیں اور اُس پر مکشوف کر دیتے ہیں کہ خوف حق سے ہے امن حق سے ہے عیش و طرب حق سے ہے اور خورد و خواب حق سے ہے یعنی ہر چیز منجانب حقتعالیٰ ہے۔ حقتعالیٰ اُسکو بیداری میں کھلی آنکھوں سے مخصوص و محسوس صورتیں مثل شیر و پلنگ یا آتش وغیرہ اِس طور پر دکھاتے ہیں کہ اُسکو معلوم ہو جائے کہ حقیقت میں وُہ صورتِ شیر و پلنگ یا آتش اِس عالم سے نہیں ہے بلکہ عالم غیب سے ہے جو اُس کیلئے مُصوّر کی گئی ہے اور اسیطرح حقتعالیٰ اُس کو اپنی صُورت بھی بجمالِ عظیم مختلف صُورتوں پر دکھاتے ہیں مثلاً بساتین پر انوار پر انہار پر حُور پر قصور پر طعام پر شراب پر خلق پر براق پر شہروں پر منازل پر اور عجائب گوناگون پر متشکل ہوتے ہیں اور وُہ اُن کی حقیقت کو جانتا ہے کہ یہ اِس عالم سے نہیں ہیں بلکہ حقتعالیٰ اُن کو اُس کی نظر میں دکھاتے ہیں اور مُصوّر کرتے ہیں اور اُن کی صُورت پر حقتعالیٰ ہی متجلی ہیں۔ پس اُسکو یقین ہو جاتا ہے کہ خوف بھی خدا سے ہے رجا بھی خدا سے تکلیف بھی خدا سے راحت بھی خدا سے غرضیکہ سب کچھ خدا سے ہے بلکہ سب کچھ وہی ہے ماسوا کچھ نہیں۔ اُس شخص کو یہ حقیقت مشاہدہ سے حاصل ہے نہ کہ دلیل سے کیونکہ حقتعالیٰ نے اُس کو دکھا دیا ہے کہ سب کچھ اُسی سے ہے بلکہ سب کچھ وُہی ہے ماسوا کچھ نہیں۔

فلسفی بھی حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے لیکن دلیل پائدار چیز نہیں ہوتی اور وُہ خوشی جو دلیل سے حاصل ہوتی ہے عارضی ہوتی ہے اُس کیلئے بقا نہیں ہے۔ جب تک دلیل کو تو اُس کے سامنے بیان کرتا ہے وُہ خوش و خرّم و تازہ رہتا ہے جب ذکرِ دلیل ختم ہُوا اُس کی خوشی و تازگی ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اُس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص دلیل سے جانتا ہے کہ اِس خانۂ عالم کا کوئی معمار ہے اور پھر دلیل ہی سے جانتا ہے کہ اُس معمار کی آنکھیں ہیں وُہ کور نہیں ہے قادر ہے عاجز نہیں ہے موجود ہے معدوم نہیں ہے زندہ ہے مُردہ نہیں ہے اور اِس خانہ کی بنیاد سابق ہے یہ سب کچھ جانتا ہے لیکن دلیل سے جانتا ہے اور دلیل پائدار نہیں ہوتی۔ جلدی ہی بھول جاتی ہے۔ لیکن عارفین باللہ رضی اللہ عنہم نے جب اپنے شاہدِ لم یزلی کی خاطر خدمات کیں تو اُنہوں نے اِس معمار کو شناخت کر لیا بلکہ عین الیقین سے مشاہدہ کر لیا۔ اُنہوں نے اپنے محبُوب کے دستِ مبارک سے شرابِ توحید نوش فرمایا اور نشۂ مستی میں سرشار ہو کر بیخود ہو گئے پس اُن کی نظر سے وُہ محبُوبِ حقیقی کبھی غائب نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اپنی ہستی سے فانی اور ذاتِ حق کیساتھ باقی ہو جاتے ہیں اور اُن کے حق میں گناہ گناہ نہیں رہتا جُرم جُرم نہیں رہتا چونکہ وُہ مغلوب الحال

Marfat.com

اور مستہلک بحرِ تجلیاتِ ذاتِ حق ہوتے ہیں ۔

اُس کے سامنے دو "اَنا" (مَیں) نہیں سماتیں۔ تُو کہتا ہے مَیں ہُوں وُہ کہتا ہے مَیں ہُوں۔ یا تو اُس کے سامنے مرجا یا وُہ تیرے سامنے مرجائے تاکہ دُوئی نہ رہے لیکن اُس کا مرنا ممکن نہیں ہے نہ خارج میں نہ ذہن میں بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی اَلْحَیُّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ (وُہ زندہ ہے کبھی نہیں مرتا۔ فرقان۔ ع ۵)۔ وُہ اپنے بندے پر اسقدر مہربان ہے کہ اگر ممکن ہوتا تو تیرے لئے مرجاتا تاکہ دُوئی کا حجاب درمیان سے اُٹھ جائے لیکن چونکہ اُس کا مرنا ممکن نہیں ہے تُو اُس کی خاطر مرجا تاکہ وُہ تجھ پر تجلّی کرے اور دوئی درمیان سے اُٹھ جائے۔ دو ہم جنس پرندوں کو اگر تو اکٹھا باندھ دے اگرچہ اب اُن کے پَر دو کی بجائے چار ہوگئے ہیں لیکن وُہ پرواز نہیں کرسکتے کیونکہ دُوئی موجود ہے۔ لیکن اگر ایک زندہ پرندے کیساتھ دُوسرا مُردہ پرندہ باندھ دیا جائے تو وُہ پرواز کرتا ہے کیونکہ اب دُوئی باقی نہیں ہے۔ آفتاب خفّاش پر اسقدر مہربان ہے کہ چاہتا ہے خفّاش کی خاطر مرجائے لیکن چونکہ یہ ممکن نہیں ہے اسلئے کہتا ہے اَے خفّاش! میرے لُطف و کرم سے جملہ عالَم بہرہ اندوز ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ تجھ پر بھی احسان کروں۔ تُو مرجا کیونکہ تیرا مرنا ممکن ہے تاکہ تُو میرے نورِ جلال سے بہرہ مند ہو۔ خفّاشی سے باہر نکل آئے اور عنقائے قافِ قُرب ہوجائے ۔

سورۂ والنّجم

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰىۙ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے جو کچھ آپؐ فرماتے ہیں وُہ وحی ہے جو آپؐ پر بھیجی جاتی ہے ۔

جب آنحضورؐ آنکھوں کے نُورِ صلّی اللہ علیہ وسلّم مست ہوجاتے اور بیخود ہوجاتے تو جو کلام بھی آپؐ فرماتے وُہ قال اللہ ٹھہرتی۔ اگرچہ از رُوئے ظاہر آپؐ کی زبان مبارک متکلّم تھی لیکن آپؐ درمیان میں نہ تھے متکلّم درحقیقت حقتعالیٰ ہی تھے۔ چنانچہ آنسرورِ عالمیان صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اپنے وجود مبارک سے کئی ہزار سال قبل کے آدمیوں اور انبیاءؑ گذشتہ کے حالات و قرنِ آخر تک عالَم کے آئندہ حالات اور عرش و کرسی و خلا و ملا یعنی تمام کائنات کے حالات بیان فرمانا اس امر پر دال ہے کہ یہ سب تصرّفِ حقتعالیٰ ہے اور یہ کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وجودِ اقدس عرش و کرسی و خلا و ملا سے پہلے موجود تھا۔ ان چیزوں کا اتنے طویل عرصہ سے موجود ہونا اس اَمر پر کوئی دلیل نہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حادث کہا جائے۔ بھلا حادث قدیم کی کیسے

خبر دے سکتا ہے ؟ پس معلوم ہُوا کہ آپؐ متکلم نہیں ہیں بلکہ آپؐ کی زبانِ پاک پر حقتعالیٰ ہی متکلم ہیں کہ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے جو کچھ آپؐ فرماتے ہیں وُہ وحی ہے جو آپؐ پر بھیجی جاتی ہے ٭

حقتعالیٰ حرف و صَوت سے مُنزّہ ہیں اور آپ کا سخن بھی حرف و صوت سے معرّا ہے لیکن آپ اپنے سخن کو جس حرف و صَوت پر اور جس زبان پر چاہتے ہیں جاری کر دیتے ہیں جیسا کہ راستوں میں اور کارواں سراؤں میں حوض کے کنارے پر کسی مرد کا یا کسی جانور کا سنگین مجسمہ بنا ہُوا ہوتا ہے۔ اُس کے مُنہ سے پانی بہتا ہے اور حوض میں گرتا ہے۔ تمام دانا آدمی خوب جانتے ہیں کہ وُہ پانی مُرغِ سنگین کے مُنہ سے نہیں آرہا بلکہ کسی دُوسری جگہ سے آرہا ہے ٭

اگر تو کسی آدمی کو شناخت کرنا چاہے تو اُس سے کلام سُن۔ اُس کی کلام سے تُو اُس کے کمال کو پالیگا کیونکہ زبان دِل کی ترجمان ہوتی ہے۔ جسقدر کلام بلند اُسی قدر اِدراک بلند اور جسقدر اِدراک بلند اُسی قدر مراتب و مدارج بلند کیونکہ تمام منازل اِدراک میں ہیں۔ جس مقام پر کسی کا اِدراک پہنچ گیا وُہی اُس کا مقام اور وُہی اُس کی منزل ہے۔ لیکن اگر وُہ آدمی طرّار ہو اور کسی نے اُسے کہہ دیا ہو کہ کلام سے آدمی کی شناخت ہو جاتی ہے اور وُہ کلام کرنے میں اِحتیاط کرے تاکہ اُس کا راز فاش نہ ہو جیسا کہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بچے نے صحرا میں ماں کو کہا کہ اندھیری رات میں مجھ کو ایک سیاہ شکل مثل دیو کے دکھائی دیتی ہے اور مجھے اُس سے سخت ڈر لگتا ہے۔ ماں نے کہا۔ مت ڈر۔ جب اُس صُورت کو تُو دیکھے تو دلیرانہ اُس پر حملہ کر دے تاکہ معلُوم ہو جائے کہ یہ تیرا خیال ہے یا حقیقت ؟ اُس نے جواب دیا اے ماں اگر اُس کالے ہوّے کی ماں نے بھی اُس کو ایسی ہی وصیت کر رکھی ہو تو پھر مَیں کیا کروں ؟ پس اگر اُس کو وصیّت کی گئی ہے کہ کلام مت کرنا تاکہ تیرا حال ظاہر نہ ہو تو تجھ کو چاہیئے کہ اُس کی خدمت میں خاموش ہو کر بیٹھ جا اور اپنا دِل اُس کے بالمقابل کر اور صبر کر۔ ہو سکتا ہے کہ بے اختیار کوئی کلمہ اُس کی زبان سے نکلے اور اگر نہ نکلے تو ہو سکتا ہے کہ کوئی کلمہ تیری مرضی کے بغیر تیری زبان سے نکلے اور تیرے دِل میں کوئی سخن اور کوئی اندیشہ اچانک پیدا ہو جائے۔ اُس سخن اور اُس اندیشہ سے تُو اُس کا حال معلوم کرلے گا کیونکہ تُو اُس سے متاثر ہُوا ہے اور وُہ خیال اُسی کا پَرتو ہے اور اُسی کا حال ہے جو تیرے دِل میں اچانک پیدا ہو گیا ہے ٭

شیخ سررزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُریدوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مُرید کو بھُنی ہوئی سری کی سخت طلب تھی۔ شیخ نے اِشارہ کیا کہ فلاں شخص کیلئے ایک بھُنی ہوئی سری لائیے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ

Marfat.com

نے کیسے معلوم کر لیا کہ اُس شخص کو سر بریان کی طلب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تیس سال ہوئے کہ مجھ میں کسی قسم کی کوئی خواہش باقی نہیں رہی اور مَیں نے اپنے آپ کو تمام خواہشات نفسانی سے پاک کر لیا ہے اور مثل آئینہ کے بے نقش اور سادہ ہُوں۔ جب میرے دِل میں سر بریان کی طلب پیدا ہوئی تو مَیں نے جان لیا کہ یہ فلاں شخص کا تقاضا ہے کیونکہ آئینہ بے نقش ہوتا ہے۔ اگر آئینہ میں کوئی نقش نظر آئے تو وُہ کسی غیر کا نقش ہوتا ہے۔

سورہ رحمٰن

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ٥

ہر وقت وُہ ایک نئی شان میں ہے۔

آدمی ہمیشہ اُس چیز پہ عاشق ہوتا ہے جو اُس نے نہ پہلے دیکھی ہو نہ سُنی ہو اور نہ وُہ اُس کے فہم میں آئے اور شب و روز اُس کو طلب کرتا ہے اور کہتا ہے عجب ہے کہ ؎
بندۂ آنم کہ نمی بینمش (مَیں اُس کا بندہ ہُوں جو مجھے دکھائی نہیں دیتا)۔ اور جو چیز انسان کے فہم میں آجائے اور آنکھوں سے دیکھ لے اُس سے اِنسان سیراب ہو کر ملول ہو جاتا ہے اور پھر اُس سے گریز کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ رُویت باری تعالیٰ کے مُنکر ہیں کیونکہ وُہ کہتے ہیں کہ اگر اِنسان حقتعالیٰ کی ذات کو آنکھوں سے دیکھ لے تو ممکن ہے کہ وُہ سیر ہو کر ملول ہو جائے حالانکہ یہ رَوا نہیں ہے۔ اہلِ سُنّت و الجماعت کہتے ہیں یہ اُس وقت جائز ہے جب وُہ ذات پاک ایک ہی رنگ دکھائیں جب ہر لحظہ میں وُہ ہزار قسم کے رنگ دکھاتے ہیں کقولہ تعالیٰ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ٥ (ہر آن اُس کی ایک نئی شان ہے) اگر صد ہزار سال تجلّی کریں ہرگز ایک تجلّی دوسری سے نہیں مل سکتی ؎

مرا کمال محبت ترا کمال جمال ❊ نمے مباد کہ نقصان پذیر این دو کمال

اُدھر حقتعالیٰ شان بدلتے ہیں اِدھر اِنسان کا حال بدل جاتا ہے اور اِنسان ہر لحظہ ایک حال سے دوسرے حال کیطرف منتقل کیا جاتا ہے کیونکہ ہر لحظہ حقتعالیٰ اِنسان کے دِل پہ ایک نئی تجلّی کرتے ہیں۔ ہر لحظہ ایک نئی تجلّی کے باعث اِنسان گاہے شادی میں گاہے گریہ میں گاہے خوف میں اور گاہے رجا میں ہوتا ہے یعنی ہر لحظہ اُس کی حالت گونا گون ہوتی ہے۔ پس جیسا کہ اِنسان جو قدرتِ حق کا ایک جُزو ہے ایک لحظہ میں ہزار گونہ ہو جاتا ہے اور ایک قرار پہ نہیں رہتا ایسا ہی حقتعالیٰ ایک آن میں ہزار شان بدلتے ہیں اور

Marfat.com

اور ایک رنگ میں نہیں رہتے ÷

سورۂ واقعہ

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؀

بجز پاکوں کے اور کسی کی دسترس اُس تک نہیں ÷

سائل کو دو اُمور ملحوظ رکھنے چاہئیں تاکہ وُہ صحیح معنوں میں سائل کہلا سکے۔ اوّل یہ کہ اُسے پختہ یقین ہو کہ جو میں کہہ رہا ہُوں میں اُس میں خاطی ہُوں اصل حقیقت کچھ اور ہے۔ دوم وُہ یہ خیال کرے کہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہُوں اِس سے اعلیٰ اور ارفع حقائق و دقائق ہیں جو میں نہیں جانتا۔ پس ہم نے جان لیا کہ حُسن السوال نصف العلم (عمدہ سوال نصف علم ہوتا ہے) اِسی وجہ سے ہے ÷

ہر طالبِ خدا کسی نہ کسی شیخ کی طرف متوجہ ہے اور سب کا مطلوب حق ہے اور اِسی اُمید میں اپنی عُمر صرف کر دیتا ہے لیکن اُن میں کوئی مُمیّز چاہیئے جو تمیز کر سکے کہ اِن پیرانِ عظام میں وُہ کون ہے جو محقق ہے اور اُس پر نشانِ زخم چوگانِ بادشاہ ہے تاکہ طالب منزل مقصود پہ پہنچ سکے اور حقیقی موحد بن سکے مُستغرق وُہ ہے جس میں دریا تصرّف کرے اور اُس کا دریا میں کوئی تصرف نہ ہو۔ سبّاح و مستغرق دونوں دریا میں ہیں لیکن اِس کو دریا بہاتا ہے اور محمول ہے اور سبّاح اپنی قوّت سے حامل ہے اور اپنے اختیار والا ہے۔ پس جو حرکت بھی مستغرق کرتا ہے اور جو قول و فعل اُس سے صادر ہوتا ہے وُہ دریا سے ہوتا ہے۔ وُہ درمیان میں بہانہ ہے۔ جیسا کہ تو جب دیوار سے کوئی کلام سُنتا ہے تو تو جان لیتا ہے کہ یہ کلام دیوار سے نہیں ہے بلکہ کوئی اور شخص ہے جس نے دیوار کو گویا کر دیا ہے۔ اولیاء اللہ بھی اِسیطرح ہیں کہ موت سے پہلے مر چکے ہیں اور در و دیوار کا حکم رکھتے ہیں۔ اُن میں اپنی ہستی کا ایک بال بھی باقی نہیں ہے وُہ دستِ قدرتِ حق میں ایک سپر ہیں۔ سپر کی حرکت اپنی نہیں ہوتی اور یہ تھا معنی انا الحق کا۔ سپر کہتی ہے میں درمیان میں نہیں ہُوں یہ حرکت دستِ حق سے ہے۔ اِس سپر کو حق دیکھئے اور حق کیساتھ مقابلہ مت کیجئے کیونکہ جنھوں نے ایسی ہستی کیساتھ مقابلہ کیا درحقیقت اُنہوں نے حقتعالیٰ کیساتھ جنگ کی اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے خلاف آزمایا ہے۔ تُو سنتا ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام سے لیکر آج تک اِن لوگوں کا کیسا حشر ہُوا۔ فرعون و شدّاد و نمرود و عاد و ثمود و غیرہ سب کے سب ہلاک اور تباہ ہُوئے۔ اور یہ سپر دوراً بعد دور قیامت تک قائم رہے گی۔ بعضے بصورتِ انبیاء علیہم السلام آگے ہو گذرے ہیں اور بعضے

Marfat.com

بصورتِ اولیاء علیہم السّلام ہُوئے ہیں اور اب بھی ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ حقتعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء اسلیئے بھیجے ہیں کہ اہلِ سعادت اہلِ شقاوت سے اور اعدا اولیاء سے ممتاز ہو جائیں۔ ہر ولی خلق پر حجت ہے۔ خلق کا بقدرِ تعلق جو اُس کے ساتھ رکھتے ہیں مرتبہ و مقام ہوتا ہے۔ اگر اُس کے ساتھ دُشمنی رکھتے ہیں تو حقیقتاً وُہ حقتعالیٰ کیساتھ دُشمنی رکھتے ہیں اور اگر اُس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں تو حقتعالیٰ کیساتھ دوستی رکھتے ہیں جیسا حقتعالیٰ نے اپنی بعض کلام میں فرمایا ہے مَنْ رَاٰہُ فَقَدْ رَاٰنِیْ وَمَنْ قَصَدَہٗ فَقَدْ قَصَدَنِیْ یعنی جس نے اُسے دیکھا پس تحقیق اُس نے مجھے دیکھا اور جس نے اُس کا ارادہ کیا پس تحقیق اُس نے میرا ارادہ کیا۔ اہل اللہ مثل خدام حقتعالیٰ کی بارگاہ کے محرمِ اسرار ہیں۔ مولا تعالیٰ نے اُن کی ہستی و شہوت کی رگیں اور خیانت کی جڑیں بالکلیہ کاٹ ڈالی ہوئی ہیں لہٰذا وُہ مخدومِ عالم ہیں اور محرمِ اسرار ہیں کیونکہ طہارتِ قلب و صفائی اسرار کے بغیر کوئی محرمِ اسرار نہیں ہو سکتا کقولہٖ تعالیٰ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (بجز پاکوں کے اور کسی کی دسترس اُس تک نہیں)۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا اور عرض کیا اِنِّیْٓ اُحِبُّکَ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مَیں آپؐ کے ساتھ محبت رکھتا ہُوں)۔ آپؐ نے فرمایا ہوش کر تو کیا کہہ رہا ہے۔ اُس نے پھر عرض کیا اِنِّیْٓ اُحِبُّکَ (مَیں آپؐ کے ساتھ محبت رکھتا ہُوں)۔ آپؐ نے فرمایا ابھی وقت ہے سنبھل جا ورنہ پھر مَیں تجھے تیرے اپنے ہاتھ سے قتل کرا ڈالوں گا یعنی تجھے اپنی ہستی گداز کرنی پڑیگی۔

ایک اور شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہُوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مَیں آپؐ کا یہ دین نہیں چاہتا وَاللہ نہیں چاہتا۔ اِس دین کو آپؐ واپس لے لیجئے۔ جسدن سے جنابؐ کا دین اختیار کیا ہے ایک دن بھی آرام نہیں پایا۔ مال گیا زن گئی فرزند گیا آن گئی بان گئی اور شان گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاشا کہ ہمارا دین جس شخص کے پاس جاتا ہے واپس نہیں آتا جب تک اُسکی ہستی بیخ و بُن سے اُکھاڑ نہ ڈالے اور اُس کے خانۂ دل کو جھاڑ و دیکر پاک نہ کر دے کیونکہ سوائے پاک لوگوں کے کوئی شخص واصل باللہ نہیں ہو سکتا جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ۔ کیسا معشوق ہے! جب تک تجھ میں اپنی ہستی کیساتھ ایک بال بھر بھی محبت باقی ہے وُہ اپنا چہرہ تجھکو نہیں دکھائیگا اور تُو اُس کے وصال کے لائق نہیں ہوگا بلکہ وُہ تجھ کو اپنی طرف راہ بھی نہیں دکھائیگا۔ اِس لئے اپنے آپ سے اور تمام عالم سے کُلّی طور پر بیزار ہو جانا چاہیئے اور اپنی ہستی کا دُشمن بن جانا چاہیئے تاکہ دوست اپنا چہرہ دکھائے۔ اب ہمارا دین جس دل میں قرار پکڑتا ہے جب تک اُس کو تمام آلائشوں سے پاک و صاف نہ کر لے اور اُسکو حقتعالیٰ تک نہ پہنچائے اُس سے ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ تجھے اِس لئے آرام نصیب نہ ہُوا اللہ

غم میں مبتلا رہا کہ غم کھانا اُن پہلی خوشیوں کا استفراغ ہے۔ جب تک معدہ میں کوئی چیز باقی ہو کوئی چیز نہیں دی جاتی۔ استفراغ کیوقت کوئی شخص بھی کوئی چیز نہیں کھاتا۔ ہاں جب فارغ ہو جاتا ہے اُسوقت کوئی چیز کھالیتا ہے۔ تو بھی صبر کر اور غم کھائے رکھ کیونکہ غم کا کھانا استفراغ ہے۔ استفراغ کے بعد ایسی خوشی نصیب ہوگی جسکے بعد کبھی غم نہیں۔ ایسی حیاتی نصیب ہوگی جس کے بعد کبھی موت نہیں۔ ایسی سلطنت نصیب ہوگی جس کو کبھی زوال نہیں۔ ایسی عزت نصیب ہوگی جس کے بعد کبھی ذلت نہیں۔ ایسا گُل نصیب ہوگا جس کے ساتھ خار نہیں۔ ایسا مُل نصیب ہوگا جس کے ساتھ خمار نہیں۔ آخر دُنیا میں تو شب و روز فراغت و آسائش طلب کرتا ہے حالانکہ اُس کا حصُول دُنیا میں ممکن ہی نہیں ہے اور اس طلب کے سوا تجھے اور کوئی طلب ہے ہی نہیں۔ جو آرام بھی تجھے دُنیا میں نصیب ہوتا ہے وُہ مثل برق کے ہے جو لحظہ میں گذر جاتی ہے اور قرار نہیں پکڑتی اور وُہ کونسی برق ہے جس کے بعد اولے بارش سردی اور ترگ نہیں ہے۔ جو شخص انطاکیہ پہنچنے کا ارادہ رکھے اور مُنہ قیصریہ کیطرف کر کے چل پڑے وُہ ہرگز انطاکیہ نہیں پہنچ سکتا لیکن اگر انطاکیہ کے راہ پر چل پڑے تو خواہ لنگڑا اور ضعیف ہی کیوں نہ ہو وُہ ضرور پہنچ جائیگا کیونکہ منزلِ مقصود اسی راہ پر ہے۔ ارادہ تُو رکھے آخرت کے انعامات کا اور طالب ہو تو دُنیادی خواہشات کا بھلا آخرت کی ابدالآباد کی عیش و عشرت تجھے کیسے نصیب ہوسکتی ہے۔ جب دُنیا بے رنج میسّر نہیں ہوتی تو آخرت کیسے بے رنج نصیب ہوگی۔ البتہ اس محنت و کوشش و رنج کو آخرت کیلئے صرف کرتا کہ ضائع نہ جائے۔ تُو کہتا ہے اے محمدِ پاک صلی اللہ علیک وسلم! مجھ سے اپنا دین واپس لے لیجئے کہ مجھ کو آسائش نہیں ہے۔ یہ دین ہمارا کسی کو رہا نہیں کرتا جب تک اُس کو منزلِ مقصود پر نہ پہنچا دے۔

حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک معلّم موسم سرما میں بے نوائی کیوجہ سے باریک کتان کا جُبہ پہنے ہُوئے تھا۔ پہاڑ سے سیلاب ایک ریچھ کو بہا کر لے آیا۔ اُس کا سر پانی میں چھپا ہُوا تھا۔ لڑکوں نے اُس کی پشت دیکھی اور کہا اے اُستاد! ندی میں ایک پوستین بہے جا رہی ہے اور آپ کو سردی لگتی ہے اُس کو پکڑ لیجئے۔ اُستاد نے غایت ضرورت و سردی کے بچاؤ کیلئے پوستین کے پکڑنے کیخاطر ندی میں چھلانگ لگادی۔ ریچھ نے اُستاد صاحب کو پکڑ لیا اور وُہ بیچارہ پانی میں ریچھ کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا۔ جب لڑکوں نے دیکھا کہ اُستاد صاحب تو کسی بلا کے مُنہ میں پھنس گئے بولے اے اُستاد! پوستین کو چھوڑیئے اور آپ باہر تشریف لے آئیے۔ جواب دیا میں نے پوستین کو رہا کیا لیکن پوستین مجھ کو رہا نہیں کرتی۔ اب شوقِ حق تجھ کو کیسے چھوڑ دے اور یہ مقام شکر ہے کہ ہم اپنے ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ دستِ حق ہماری پرورش کر رہا ہے۔ جیسا کہ بچہ جب ایام طفولیت میں ہوتا ہے تو سوائے دُودھ وماں کے کسی چیز کو نہیں جانتا

Marfat.com

تو کیا حقتعالیٰ اُس کو اُسی مقام پر چھوڑ دیتے ہیں؟ نہیں بلکہ اُس کو آگے ترقی دیتے ہیں اور روٹی کھانے و کھیلنے کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور اسیطرح اُس مقام سے کھینچ کر مقامِ عقل تک پہنچا دیتے ہیں اور اسیطرح اب اِس کو اِس حالت میں جو بہ نسبت اُس عالم کے اور اُس بُستانِ دیگر کے طفل کا حکم رکھتی ہے نہیں چھوڑتے بلکہ اِس کو ترقی دے کر اُس مقام تک پہنچا دیتے ہیں کہ یہ جان لیتا ہے کہ میری پہلی حالت طفلی کا حکم رکھتی تھی بلکہ ہیچ تھی اِسی لیئے آنسرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا؛ عَجِبْتُ مِنْ قَوْمٍ یُقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ فَقَالَ لَهُمْ خُذُوْهُمْ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ النَّعِیْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ الْوِصَالَ صَلُّوْهُ ثُمَّ الْجَمَالَ وَالْكَمَالَ صَلُّوْهُمْ یعنی میں تعجب کرتا ہوں اُس قوم پر جو جنّت کی طرف زنجیروں اور طوقوں کے ساتھ گھسیٹی جاتی ہے پس اُن کے لیئے فرمایا اُن کو پکڑو اور بیڑیاں لگاؤ پھر انعام دو پھر وصال دو پھر جمال دو اور کمال دو۔ جب مچھلی کے حلقوم میں کانٹا چُبھ جاتا ہے تو ماہی گیر مچھلی کو بیکبار نہیں کھینچتے بلکہ پہلے تھوڑا سا کھینچتے ہیں تاکہ اُس کا خُون بہہ جائے اور وُہ سُست و ضعیف ہو جائے اور پھر چھوڑ دیتے ہیں اور اِسی طرح پھر کھینچتے ہیں حتیٰ کہ وُہ کلّی طور پر ضعیف ہو جاتی ہے۔ چنگالِ عشق بھی جب آدمی کے حلقومِ قلب میں چُبھ جاتا ہے تو حقتعالیٰ اُس کو بتدریج کھینچتے ہیں تاکہ باطل کا خُون اور قوّت جو اُس میں ہے پارہ پارہ ہو کر بہہ جائے اِسی لیئے مولا تعالیٰ گاہے اُس کیلئے تنگی پیدا کر دیتے ہیں اور گاہے کشائش كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ (خدا تعالیٰ ہی تنگی و کشادگی پیدا کرتے ہیں۔ بقر۔ ع ۳۲)*

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ایمانِ عام ہے یعنی اِس امر کا علم ہونا کہ ذاتِ واحد کے سوا کوئی موجود نہیں ہے اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ظہورِ خدا ہیں ایمانِ عام ہے۔ اِس کو علم الیقین بھی کہتے ہیں۔ یعنی مومن کو اِس امر پر یقین ہو کہ یہ عالم ظہورِ حق ہے اور محمدِؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُس ذاتِ کبریا کے مرآتِ تامہ یعنی حقیقی بادشاہ ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (نہیں کوئی خدا مگر وُہ) ایمانِ خاص ہے یعنی اُس حقیقی بادشاہ صاحبِ لولاک محمدِؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنکھ سے مشاہدہ کر لینا۔ اِس مرتبہ کو عین الیقین بھی کہتے ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا (نہیں کوئی خدا مگر میں) ایمانِ خاص الخاص ہے یعنی طالبِ خُدا ترقی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک میں محو اور مستغرق ہو کر اپنی ہستی سے فانی اور ذاتِ حق سے باقی ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سر پر اپنا خود پہنا دیں اور وُہ خود بادشاہ بن جائے۔ اِس مرتبہ کو حق الیقین بھی کہتے ہیں*

ہر طائفہ طائفۂ دیگر کی نفی کرتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ حق پر ہم ہیں اور وحی ہمارے ساتھ ہے۔ اور وُہ

Marfat.com

باطل ہیں۔ وہ بھی ان کو اسیطرح کہتے ہیں۔ تہتر فرقے ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں اور باتفاق کہتے ہیں کہ سب کے ساتھ وحی نہیں ہے اور اس پر سب متفق ہیں اور ان سب میں سے صرف ایک کے ساتھ وحی ہے (یعنی صرف ایک فرقہ کے عقائد قرآن مجید اور حدیث شریف کے مطابق ہیں)۔ اس پر بھی سب متفق ہیں۔ اب ممیّز کوئی زیرک مومن چاہیئے جو تمیز کر سکے کہ وہ ایک ناجی فرقہ کون ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اَلْمُؤْمِنُ کَیِّسٌ فَطِنٌ مُمَیِّزٌ (مومن زیرک دانا اور ممیّز ہوتا ہے)۔ ایمان محض تمیز و ادراک ہے اور صاحب ادراک وہ عالی ہمت لوگ ہیں جو حقتعالیٰ تک پہنچ گئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ گروہ مومنین عارفین محققین موحدین واصلین کا ہے یعنی صوفیائے کرام فقراء کاملین اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے دوستوں کا گروہ ہے۔

اور یہ دولت جاوید سوائے طلب کے میسّر نہیں ہوتی۔ دستور العمل ہے کہ کھانا کھا چکنے کے بعد ہم کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو لائق ہیں جو مُربّی ہیں ہر ہر عالم کے)۔ اب یہ جو کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اسوجہ سے نہیں کہ نان و نعمت کم ہوگئی ہے۔ نان و نعمت تو بے نہایت ہے لیکن بھوک نہیں رہی اور مہمان سیر ہوگئے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھنے کی وجہ یہ ہی ہے۔ نان و نعمتِ دُنیا یعنی نعمتِ جسمانی اُس نعمت الٰہی کی مثل نہیں ہے کیونکہ نان و نعمت کو بے اشتہا جسقدر تُو چاہے زور سے کھا سکتا ہے۔ چونکہ جماد ہے جس جگہ تو اُس کو کھینچے گا تیرے ساتھ چلی آئے گی۔ وہ روح نہیں رکھتی کہ اپنے آپ کو غیر جگہ جانے سے منع کر سکے لیکن نعمت الٰہی جو حکمت ہے اور زندہ نعمت ہے جب تک تُو اشتہار کھتا ہے اور پوری رغبت دکھاتا ہے تیری طرف آتی ہے اور تیری غذا بنتی ہے اور جب تجھے اشتہا و رغبت نہیں رہتی تو اُس کو نہیں کھا سکتا اور نہ ہی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ وہ اپنا چہرہ چادر میں چھپا لیتی ہے اور اپنے آپ کو تجھے نہیں دکھاتی۔

عشق ہو کرامات نہ ہو کیا معنی لیکن اگر کوئی بزرگ اس جگہ سے کعبہ شریف تک ایک دن میں یا ایک لحظہ میں چلا جاتا ہے تو یہ کوئی عجب نہیں اور نہ ہی کوئی کرامت ہے کیونکہ یہ کمال تو بادِ سموم کو بھی حاصل ہے۔ ایک لحظہ میں جس جگہ چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ کرامت اُس بزرگ کی یہ ہے کہ تجھ کو حالِ دُون سے حالِ عالی پر پہنچا دے یعنی تو اپنے اس مقام سے سفر کر کے جہل سے عقل تک اور جماد سے حیات تک پہنچ جائے۔ یعنی ذاتِ حق سے واصل ہو کر نُورِ روحانی و ربّانی ہو جائے۔ جیسا کہ تُو پہلے خاکی تھا پھر تجھ کو عالمِ نبات میں لائے۔ پھر تُو عالمِ نبات سے سفر کر کے عالمِ علقہ و مضغہ میں پہنچا۔ پھر عالمِ علقہ و مضغہ سے سفر کر کے تُو عالمِ حیوانی میں پہنچا اور وہاں سے سفر کر کے تو عالمِ انسانی میں پہنچا۔ کرامت یہ ہے

Marfat.com

کہ حقتعالیٰ نے اِتنے لمبے سفر کو تیرے لئے بالکل نزدیک کر دیا حالانکہ تیرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اِن منازل سے تجھے سفر کرنا پڑیگا اور اب بھی تو نہیں جانتا کہ کس رستہ سے آیا ہے اور کیسے آیا ہے اگرچہ تو دیکھ رہا ہے کہ تو لایا گیا ہے۔ ایسے ہی اب تجھ کو صد عالم دیگر اور گوناگوں میں لے جائیں گے انکار مت کر اور اُن عوالم کے حالات اگر بیان کریں تو قبول کر لے۔

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں ایک زہر کا بھرا ہُوا کاسہ بطورِ ارمغان لائے۔ آپؓ نے فرمایا یہ کس غرض کیلئے لائے ہو؟ وُہ بولے جس کسی کو بظاہر قتل کرنا کسی مصلحت کی خاطر منظور نہ ہو اِس میں سے تھوڑا سا اُس کو دے دیں وُہ مخفی طور پر مارا جائیگا اور اگر ایسا شخص دشمن ہو جو تلوار سے قتل نہ کیا جا سکے اِس میں سے تھوڑا سا ہی اُسکو خفیہ طور پر دے دیں اُس کا کام تمام ہو جائیگا۔ آپؓ نے فرمایا آپ لوگ بہت ہی عُمدہ تحفہ لائے ہیں۔ یہ کاسہ مُجھے دیجئے تاکہ مَیں اِسے نوش کر لوں کیونکہ میرے اندر میرا ایک عظیم دُشمن ہے جس پر تلوار کا وار نہیں چل سکتا اور جُملہ عالَم میں اُس سے بڑھ کر میرا اَور کوئی دُشمن نہیں ہے۔ وُہ بولے یہ سارا پیالہ نوش فرمانے کی حاجت نہیں ہے۔ اِس میں سے ایک ذرہ ہی کافی ہے۔ یہ تو صد ہزار اشخاص کیلئے کافی ہے۔ آپؓ نے فرمایا یہ دشمن بھی یک کس نہیں ہے بلکہ ہزار کس کے برابر ہے اور صد ہزار اشخاص کو اِس نے سرنگوں کیا ہے۔ آپؓ نے کاسہ پکڑ لیا اور سارے کا سارا زہر ایک ہی بار نوش فرما گئے۔ وُہ سارے کے سارے جو اُس جگہ حاضر تھے بیکبار مسلمان ہو گئے اور بول اُٹھے آپ کا دین واقعی حق ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا دیکھئے! آپ سب لوگ تو مسلمان ہو گئے لیکن یہ کافر ابھی تک مسلمان نہیں ہُوا۔

اب حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غرض اِس ایمان سے ایمانِ عام نہ تھا بلکہ آپ صدیقوں کا ایمان رکھتے تھے۔ یہ ایمان انبیاء و خواص کو نصیب ہوتا ہے جو عین الیقین کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور حقتعالیٰ سے وُہ اِسی ایمان کی توقع رکھتے ہیں۔ اِس ایمان کی مثال ایسے ہے کہ ایک شیر کی شہرت اطرافِ عالَم میں پھیل گئی۔ اُس شیر کے دیکھنے کیلئے لوگوں نے مسافتِ دُور دراز سے اُس جنگل کا قصد کیا۔ پُورا سال رستہ میں تکالیف اٹھائیں اور منازل قطع کیں۔ جب اُس جنگل میں داخل ہُوئے اور دُور سے شیر کو دیکھا تو وُہیں کھڑے ہو گئے اور ایک قدم آگے اُٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے اُنکو کہا کہ آپ نے شیر کے عشق میں اِس قدر سفر کیا اور اب آپ کیوں جھجک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ قدم آگے اٹھائیے اور شیر کی زیارت کیجئے۔ اِس شیر کی ایک خاصیت ہے کہ جو کوئی دلیرانہ اُس کے سامنے چلا جائے اور محبت سے ہاتھ اُس پر پھیرے وُہ اُس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا اور اگر کوئی شخص اُس

Marfat.com

سے ہراساں و ترساں ہو تو وہ غضبناک ہو جاتا ہے بلکہ بعض کا تو قصد کرتا ہے کہ میرے حق میں کیوں بُرا گمان رکھتا ہے۔ اِسلئے آپ لوگوں کو اب شیر کے نزدیک آ کر جھجکنا نہیں چاہیئے۔ پُورا ایک سال آپ لوگوں نے سفر کیا۔ اب ایک قدم ذرا آگے اٹھائیے۔ لیکن کسی کو ہمت نہ پڑی کہ ایک قدم آگے اٹھاتا۔ سب نے جواب دیا کہ وہ سفر ہم نے طے کر لیا وہ سہل تھا لیکن یہ ایک قدم حضورِ شیر میں ہم سے اٹھایا نہیں جاسکتا۔ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اُس ایمان سے مقصود یہ قدم تھا کہ کوئی شخص حضورِ شیر میں سُوئے شیر یک قدم اُٹھا کر دکھائے۔ یہ قدم نادر ہے۔ سوائے خاصانِ حق و مقربانِ حق کسی کو زہرہ نہیں کہ یہ قدم اٹھا سکے۔ یہ ایمان سوائے انبیاء علیہم السّلام کے کسی کو نصیب نہیں ہوتا کیونکہ اُنھوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈالے ہُوئے ہیں۔

یار بھی عجب چیز ہے کیونکہ خیالِ یار سے یار قوت حاصل کرتا ہے دپرورش پاتا ہے اور حیات نَو حاصل کرتا ہے اور اِس میں کونسی تعجب کی بات ہے۔ مجنوں کو خیالِ لیلیٰ قوت بخشتا تھا بلکہ اُس کی قُوت تھا۔ جب معشوقِ مجازی کے خیال میں یہ قوت و تاثیر ہے کہ اُس کے یار کو قوت بخشتا ہے تو یارِ حقیقی کے متعلق کونسی تعجب کی بات ہے کہ اُس کا خیال یار کو حضور میں اور غیبت میں کیا کیا قوات بخشتا ہوگا۔

چہ جائے خیال وُہ ذات پاک تو جانِ حقائق ہیں۔ اُن کو خیال نہیں کہا جاتا۔ عالم خیال پر قائم ہے۔ اِس عالم کو اِس لئے حقیقت کہتے ہیں کہ یہ نظر میں آرہا ہے اور محسوس ہے اور اُس حقیقت کو جس کی یہ عالم ایک فرع ہے خیال کہتے ہیں۔ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ خیال تو یہ خود عالم ہے کیونکہ وُہ حقیقت ایسے صد عوالم پیدا کر دیتی ہے اور وُہ کُہنہ نہیں ہوتی بلکہ نوی و کہنی سے منزہ ہے۔ اُس کی فروعات کُہنی و نوی سے متصف ہیں اور وُہ حقیقت اِن دونوں کی مُحدِث ہے اور خود ہر دو سے منزہ و وراء الوراء ہے۔

ایک مہندس ایک مکان کا نقشہ اپنے دل میں تیار کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اُس کا طُول اِتنا ہوگا عرض اِتنا صُفہ اِتنا اور صحن اِتنا۔ اِس کو خیال نہیں کہتے کیونکہ وُہ حقیقت اِس خیال سے پیدا ہوتی ہے اور اِس خیال کی فرع ہے۔ ہاں اگر ایک غیر مُہندس شخص اپنے دِل میں ایسی صُورت خیال میں لاتا ہے تو وُہ خیال ہے۔

سورہ حدید

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

اور وُہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وُہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

Marfat.com

ایک روز مجلس میں ہم نے ذکر کیا کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام مستہلک نورِ ذاتِ حق ہیں۔ اپنی ہستی سے فانی اور ذاتِ حق سے باقی ہیں۔ مستغرقِ بحرِ تجلیات ہیں۔ اُن میں اپنی ہستی کی ذرہ بھر بُو باقی نہیں ہے اور وُہ دستِ قدرت میں ایسے ہیں جیسے دریا کی سطح پر ایک کاسہ ہوتا ہے۔ پانی کی سطح پر پیالے کا بہنا بحکمِ پیالہ نہیں ہے بلکہ بحکمِ آب ہے۔ اِس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ حکم صرف انبیاء و اولیاء علیہم السلام کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ حُکم عام ہے اور اِس کا اطلاق ہر انسان پر ہوتا ہے بلکہ ہر شئے پر ہوتا ہے۔ کوئی شئے اپنے آپ کوئی حرکت نہیں کرسکتی اور ہر شئے بذاتِ خود نیست ہے اور اُس کی ذات کیساتھ ہست ہے۔ یعنی کسی چیز کا اپنا ذاتی علیحدہ مستقل وجود نہیں ہے بلکہ ہر شئے کا وجود ساتھ ذاتِ حق کے ہے کقولہٖ تعالیٰ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (اور وُہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو) ہاں البتہ بعض لوگ اِس حقیقت کو جانتے ہیں اور بعض نہیں جانتے۔

ہم نے جواب دیا اگر یہ حُکم عام ہوتا تو حدیث شریف قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ الْإِصْبَعَيْنِ (مومن کا قلب خُدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے) میں مومن کی تخصیص درُست نہ ہوتی۔ نیز آیۂ کریمہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (رحمٰن وُہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ رحمٰن ع ۱) میں قرآن کی تخصیص کیسے ہے جبکہ تمام علوم اُسی نے سکھائے ہیں؟ اور قولہٗ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (اور وُہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمینیں۔ ھود۔ ع ۱) میں آسمانوں اور زمینوں کی تخصیص کیا ہے جبکہ تمام اشیاء کو علی العموم اُسی نے پیدا کیا ہے؟ بیشک تمام پیالے پانی کی سطح پر اُسی کی قُدرت و مشیّت سے ہیں لیکن اگر کسی قبیح چیز کی اُس ذاتِ پاک کیساتھ اِضافت کی جائے تو یہ بے ادبی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہتا ہے یَا خَالِقَ السَّرْقِيْنِ وَالضِّرَاطِ (اے گوبر و پاد کے خالق) اگرچہ وُہ ذاتِ کبریا ہر چیز کے خالق ہیں لیکن یہ کلمۂ بے ادبی ہے۔ اور اگر وُہ کہتا ہے یَا خَالِقَ السَّمٰوٰتِ یَا خَالِقَ الْعُقُوْلِ (اے آسمانوں کے خالق اے عقول کے خالق) تو یہ تخصیص فائدہ مند ہے۔ پس کسی چیز کی تخصیص اُس چیز کی برگزیدگی کی دلیل ہے۔ الحاصل ایک پیالہ بر سرِ آب بہہ رہا ہے اور پانی اُس کو اِس انداز سے اُٹھائے جا رہا ہے کہ تمام پیالے از رُوئے نظارہ اُس ایک پیالہ کے نظارہ گر یعنی عاشق بن جاتے ہیں اور جنابِ الٰہی میں درخواست کرتے ہیں اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ قُرْبًا (اے خُدا اُس سے ہمارا قُرب زیادہ کر) اور ایک دوسرے پیالے کو پانی اِس وجہ سے اُٹھائے جا رہا ہے کہ تمام پیالے اُس سے طبعاً اعراض کرتے ہیں اور اُس کو ننگ جانتے ہیں بلکہ پانی ہی اُن کے دِل میں الہام گریز کرتا ہے اور قوتِ گریز بخشتا ہے لہٰذا وُہ دُعا مانگتے ہیں اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ بُعْدًا (اے خدا اُس سے ہمارا بُعد زیادہ کر)۔ اب جو اِس حقیقت کو عام دیکھتا ہے وُہ کہتا ہے کہ

Marfat.com

از روئے مسخری ہر دو پیالے مسخر آب ہیں اور ایک شخص وہ ہے جو اس کو جواب دیتا ہے کہ اگر تو اس پیالے کی لطافت ونزاکت اور اس کا مور کیطرح رقص کرنا دیکھ لیتا تو تو اس کے حسن وجمال پر گرویدہ ہو جاتا اور اس صفت عام سے بے پرواہ ہو جاتا۔ جیسا کہ کسی شخص کا معشوق اگرچہ از روئے ہستی واز روئے جسمانیت گوہ و پلیدی میں ہر کسی کیساتھ مشترک ہے لیکن کیا عاشق کے دل میں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ میرا معشوق پلیدی میں اور اوصاف عامہ میں یعنی جسم ہونے میں و متجزی ہونے میں و شش جہت میں ہونے میں و حادث اور قابل فنا ہونے میں ہر کسی کے ساتھ مشترک ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جو کوئی اس کے معشوق کو اس صفت عام سے یاد کرے اس کو دشمن تصور کرتا ہے بلکہ اسکو ابلیس جانتا ہے کیونکہ اس میں گوہر محبت نہیں ہے۔

پس جب تیرے دل میں یہ چیز سما گئی ہے کہ تو ان کو جہت عام سے دیکھتا ہے تو ان کے حسن خاص کے نظارہ کے قابل نہیں ہے۔ تیرے ساتھ مناظرہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ہمارا مناظرہ علم باطن پر مبنی ہے اور اس علم کا اظہار بغیر اس کے اہل کے ظلم ہوتا ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَا تُعَلِّمُوا الْحِكْمَةَ غَيْرَ اَهْلِهَا فَتَظْلِمُوْهُمْ وَلَا تَمْنَعُوْهَا عَنْ اَهْلِهَا فَتَظْلِمُوْهُمْ یعنی حکمت نااہل لوگوں کو مت سکھاؤ پس تم ان پر ظلم کرو گے اور اس کے اہل سے مت روکو ورنہ ان پر بھی ظلم کرو گے۔ یہ علم نظر ہے علم مناظرہ نہیں ہے۔ پھول موسم خزاں میں شگفتہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ اس کا خزاں کیساتھ مناظرہ یعنی مقاومت اور مقابلہ کرنا ہوگا اور پھول کی یہ سرشت ہی نہیں ہے کہ خزاں کے ساتھ مقابلہ کرے اگر ہوائے معتدل میں نظر آفتاب تصرف کرتی ہے تو پھول سر باہر نکالتا ہے اور اگر کوئی چیز خلاف ہے تو سر اندر کھینچ لیتا ہے اور اپنے اصل کیساتھ جا ملتا ہے۔ خزاں گل کو کہتی ہے اگر تو شاخ خشک نہیں ہے اور مرد ہے تو میرے مقابلہ میں باہر آ۔ وہ جواب دیتا ہے میں آپ کے سامنے شاخ خشک اور نامرد ہوں آپ جو چاہیں مجھے کہیں۔ ؎

ای پادشاہ صادقاں! چون من منافق دیدہ؟ ؛ با زندگانت زندہ ام با مردگانت مردہ ام

(ترجمہ) اے صادقوں کے بادشاہ! کیا آپ نے مجھ جیسا منافق بھی دیکھا ہے کیونکہ میں آپ کے زندوں کے ساتھ زندہ ہوں اور آپ کے مردوں کے ساتھ مردہ ہوں۔ مراد یہ ہے کہ عارف باللہ عشاق الٰہی کے سامنے تو حقائق و دقائق بیان کرتا ہے لیکن جہلا اگر ان حقائق کا انکار کریں تو وہ ان کے ساتھ ضد نہیں کرتا بلکہ ان کی عقل کے مطابق کلام کرتا ہے۔

پس اے عزیز! اگر ایک بوڑھی عورت جس کے منہ میں دانت بھی نہ ہوں۔ چہرہ مثل پشت سوسمار

Marfat.com

ہو۔ منہ پر جھریاں در جھریاں پڑی ہوں۔ تیرے پاس آجائے اور کہے اگر تو مرد ہے اور جوان ہے تو میں تیرے قریب ہوں۔ یہ ہے فرشِ نگار اور یہ ہے میدان۔ اگر تو مرد ہے تو اپنی مردی دکھا۔ تو کہہ معاذاللہ واللہ میں مرد نہیں ہوں اور جو کچھ لوگوں نے میرے متعلق بیان کیا ہے دروغ ہے۔ اگر تو ہی میرا جوڑا ہے تو میں تا مردہی بہتر۔ یا ایک بچھو ڈنگ اٹھائے ہوئے آتا ہے اور تیرے کسی عضو پر ڈنگ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے سنا تھا کہ تو بڑا ہنس مکھ مرد ہے اور ہر وقت خوش رہتا ہے۔ اب ذرا ہنس کے دکھا تاکہ میں بھی تیری خندہ پیشانی دیکھوں۔ تو کہہ جب سے آپ تشریف لائے ہیں میری ہنسی ختم ہو گئی ہے اور دل کی خوشی کافور ہو گئی ہے۔ جو کچھ لوگوں نے بیان کیا دروغ تھا۔ اب میری ہنسی اس امر پر موقوف ہے کہ آپ کب تشریف لے جائیں گے اور مجھ کو فارغ کریں گے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝

کون شخص ہے کہ قرض دیوے اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا پس دوگنا کرے اسکو واسطے اسکے اور واسطے اسی کے ہے ثواب باکرامت۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ مناروں پہ اذان میں صرف خداوند تعالیٰ کی ثنا کیوں نہیں بیان کی جاتی اور جناب سرورِ کائنات مفخر موجودات جناب محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا بھی ساتھ بیان کیجاتی ہے۔

میں نے جواب دیا کہ حقیقت میں ثنائے محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ثنائے حضرت حق ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص کہتا ہے الٰہی! بادشاہ کو عمر دراز عطا فرما اور اس شخص کو بھی جس نے مجھے بادشاہ تک پہنچانے میں رہنمائی کی یا بادشاہ کا نام میرے کان میں پہنچایا اب اس شخص کی ثنا حقیقت میں ثنائے بادشاہ ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں فرماتے کہ مجھے کوئی چیز دو کہ میں محتاج ہوں اپنا لباس دو یا اپنا مال دو۔ آپ لباس و مال کو لیکر کیا کریں گے۔ آپ جو کچھ مانگتے ہیں وہ جہاد کی خاطر ہے اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے قرضہ حسنہ مانگتے ہیں کقولہ تعالیٰ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝ (کون شخص ہے کہ قرض دیوے اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا پس دوگنا کرے اس کو واسطے اس کے اور واسطے اسی کے ہے ثواب باکرامت)۔ اب غور فرمائیے آیۂ کریمہ کی رو سے اللہ تعالیٰ قرضہ حسنہ مانگ رہے ہیں اور بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قرضہ مانگتے ہیں تو پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ پاک پر خود قرضہ مانگ رہے ہیں کیونکہ

Marfat.com

آپؐ کی حقیقت عین حقتعالیٰ ہیں لہٰذا آپؐ کی ثنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی ثنا ہے ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اپنے زائد لباس اُتار دو اور ہلکے ہو جاؤ تاکہ آفتاب کی گرمی آپ کو خوب گرم کرے یعنی مال و اسباب راہِ للہ خرچ کرو تاکہ فضلِ خداوندی کی آپ پر خوب بارش ہو۔ راہِ للہ خرچ کرنیوالوں کیلئے دوہرا اجر ہے۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ مال کے عوض کئی گُنا مال اور ساتھ ہی قُربِ خداوندی کا تاج تیرے سَر پر پہنایا جائیگا۔ اگر تُو برہنہ ہونے پر قادر ہے تو فبہا کیونکہ وُہ آفتاب تجھے سیاہ نہیں کریگا بلکہ سفید کر دیگا یعنی اگر تُو اپنا سارا مال راہِ للہ خرچ کر دیگا تو حقتعالیٰ اپنے سامنے سے اِنعامات تجھ پر نچھاور کر دیں گے ورنہ لباس کو کچھ تو ہلکا کر تاکہ ذوقِ آفتاب دیکھ سکے ۔

حقتعالیٰ تجھ سے صرف مال وجُبّہ ہی نہیں مانگتے بلکہ مال کے عِلاوہ اُنہوں نے تجھے بہت سی چیزیں عطا کر رکھی ہیں مثلاً عِلم و فکر و دانش و نظر اِسلئے فرماتے ہیں لحظہ بھر نظر و فکر و تامّل اور عقل ہماری ذات میں خرچ کر تاکہ تُو عارف باللہ ہو جائے۔ آخر مال تُو نے اِنہی آلات سے حاصل کیا ہے تو پس وُہ پرندوں کا بھی صدقہ مانگتے ہیں اور دام کا بھی صدقہ مانگتے ہیں ۔

حقتعالیٰ تجھ سے صرف من و دھن کی قُربانی نہیں مانگتے بلکہ تن یعنی جان کی قُربانی بھی مانگتے ہیں اِسلئے طالبِ مولا پر فرض ہے کہ اُس شاہدِ لم یزلی کیلئے تن من و دھن یعنی سب کُچھ قربان کر دے کیونکہ قُربانی کے بغیر قُرب نصیب نہیں ہوتا۔ تواَے مومن! تُو سراپا حقتعالیٰ کیلئے ہو جا تاکہ حقتعالیٰ سراپا تیرے ہو جائیں۔ تُو جسقدر مولا کا ہوگا اُسی قدر مولا تیرے ہو جائیں گے اِسی لئے حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ یعنی جو خُدا کا ہو جائے خداوند تعالیٰ اُس کے ہو جاتے ہیں۔ اَے مومن! عرصہ سے تیری طبیعت تُرشی سے مانُوس ہے یعنی ہر چیز تُو نے اپنی بنا رکھی ہے اب ذرا شیرینی کو بھی آزما یعنی ہر چیز خداوند تعالیٰ کیلئے وقف کر دے اور پھر دیکھ وُہ تجھے کیسے اپنے لُطف کی گود میں سلاتے ہیں۔ اپنے اُنس کی شراب پلاتے ہیں۔ اپنے فضل کے کھانے کھلاتے ہیں۔ اپنے قُرب کا سُرمہ لگاتے ہیں۔ اپنے بحارِ تجلّیات میں نہلاتے ہیں اور تیرے سَر پر اپنی معرفت کا تاج ٹکاتے ہیں ؎

بخشند بہ مورے زسخا مُلکِ سلیمانؑ ✤ شاہانِ جہاں اند گدایانِ محمدؐ

اب غور فرمائیے آنسرورِ کائنات مفخرِ موجودات جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اگر قرضہ بھی مانگتے ہیں تو اِسلئے کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ الحاصل جنابؐ کے تمام اقوال افعال اور احوال اللہ تعالیٰ کیخاطر ہیں یعنی بندہ کو حقتعالیٰ کا عرفان نصیب ہو جائے اور رازِ ربوبیت کا قیمتی لعل اُسکے دِل کی جیب کو درخشاں کر دے۔ پس آپؐ ربوبیت کے ظاہر کرنیوالے ہیں چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہُوا ہے لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ رُبُوْبِيَّتِي یعنی اے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر

Marfat.com

آپ پیدا نہ ہوتے تو البتہ میری ربوبیت بھی ظاہر نہ ہوتی لہٰذا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقتعالیٰ کی توحید کا ڈنکا تمام عوالم میں بجا دیا تو حقتعالیٰ نے بطور انعام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا نعرہ عرش سے لیکر فرش تک ایسے لگوا دیا کہ ابدالآباد تک عرش والوں اور فرش والوں سے کلمہ میں اذان میں نماز میں بلکہ جملہ ارکان میں جہاں اپنے اسم ذاتی کا ورد کرایا وہاں ساتھ ہی آپ کے اسم پاک کو چمکایا اور فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (سورہ الم نشرح) یعنی اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ قَدْرَ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ وَكَمَالِهٖ ۞

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۞ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا اسباب ہے پس تمکو چاہیئے کہ تم اپنے پروردگار کی مغفرت کیطرف دوڑو اور نیز جنت کیطرف

میں دنیا کے متعلق کیا کہوں کیونکہ اس کا قوام اور اسکا ستون غفلت ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب کسی کو حقتعالیٰ بیدار کرتے ہیں وہ دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی طبیعت سرد ہو جاتی ہے بلکہ وہ گداز ہو جاتا ہے۔ آدمی جو کودکی سے نشو و نما پاتا ہے اسی غفلت ہی کیواسطہ سے پاتا ہے ورنہ ہرگز نہ پھلے اور نہ پھولے۔ بس چونکہ وہ غفلت ہی کے واسطہ سے جوان و معمر ہوتا ہے اسلئے حقتعالے جس بندہ کی بہتری کا ارادہ کرتے ہیں تو اسپر مجاہدات و ریاضات جبراً و اختیاراً ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ غفلت اس سے دور ہو جائے اور اس کی ہستی کے پتے تمام جھڑ جائیں اور وہ پاک و صاف ہو جائے حتی کہ وہ وصال خداوندی کے قابل بن جائے اور اس عالم معنی کا آشنا ہو سکے۔ وجود آدمی مثل مزبلہ یعنی گوبر کے تودہ کے ہے۔ یہ گوبر کا تودہ اسلئے عزیز ہے کہ اس پر بادشاہ کی مہر ہے۔ یعنی اگرچہ آدمی میں ظلمت نفس پائی جاتی ہے لیکن آب حیات کا چشمہ بھی اسی میں موجود ہے۔ اگر اس میں ظلمت نفس نہ ہو تو کمال معرفت بھی نہ ہو۔ ملائکہ میں چونکہ ظلمت نفس نہیں ہے اس لئے ان کو کمال معرفت بھی نصیب نہیں ہے۔ یا ایک اور مثال لیجئے۔ آدمی کا وجود مثل گندم کی گون کے ہے۔ بادشاہ ندا کرتا ہے کہ اس گندم کو تو کہاں لے جارہا ہے کیونکہ میرا پیمانہ اس گندم میں ہے۔ لیکن وہ پیمانہ سے غافل ہے اور غرق گندم ہے۔ اگر پیمانہ سے واقف ہوتا تو گندم کی طرف کیسے التفات کرتا۔ وہ پیمانہ حضرت روح ہے یعنی آدمی تن کی پرورش میں اسقدر مشغول ہے کہ روح کی پرورش کا خیال تک نہیں۔ حضرت روح کی غذا ذکر و فکر ہے۔ اب ہر وہ خیال جو تجھ کو عالم علوی کیطرف کھینچتا ہے اور عالم سفلی سے سرد و سست کرتا ہے وہ اس پیمانہ کا عکس و پرتو ہے جو وہ باہر نکلتا ہے اور آدمی اس عالم کیطرف رغبت کرتا ہے برعکس

Marfat.com

اِس کے جب آدمی عالمِ سفلی کیطرف رغبت کرتا ہے تو اُس کی علامت یہ ہے کہ وُہ پیمانہ در پردہ پوشیدہ ہے۔ یعنی جب حضرتِ رُوح کو ذکر و فکر کی غذا نہیں ملتی تو وُہ لاغر ہو کر مثلِ میّت ہو جاتا ہے اور تن غالب آجاتا ہے یعنی نفسانی خواہشات غالب آجاتی ہیں اور آدمی ہمہ تن عالمِ سفلی یعنی دُنیا ہی میں غرق ہو جاتا ہے اور اُس کو آخرت کا خیال تک نہیں آتا۔ اِس دارِ دُنیا کی بنا غفلت سے ہے اور تمام اجسام کی قوام غفلت پر ہے۔ یہ جسم جو پھلا پھُولا ہے بھی غفلت کی وجہ سے ہے۔ غفلت کُفر ہے اور دین بے وجودِ کُفر ممکن نہیں ہے کیونکہ دین ترکِ کُفر کا نام ہے۔ اِسلئے پہلے کُفر چاہیئے کہ اُس کا ترک کیا جا سکے پس دونوں ایک چیز ہیں۔ جب یہ اُس کے بغیر نہیں اور وُہ اِس کے بغیر نہیں تو لا یتجزی ہیں۔ اُن کا خالق بھی ایک ہے کیونکہ اگر اُن کا خالق ایک نہ ہوتا تو متجزی ہوتے اِسلئے کہ ہر ایک خالق ایک علیحدہ چیز پیدا کرتا تو علیحدہ علیحدہ جُزو ہوتے۔ پس جب خالق ایک ہے تو وُہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ٹھہرا

کُفر و دیں ہر دو در رہت پویاں ! ❁ وحدہٗ لاشریک لہٗ گویاں

یعنی کُفر و دین دونوں تیری راہ میں دوڑ رہے ہیں اور پُکار رہے ہیں کہ وُہ ذاتِ پاک وحدہٗ لاشریک لہٗ الٰہی ہے

کارِ دُنیا میں دِل نہیں لگانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ تُو کارِ دُنیا میں بالکل محو ہو جائے اور حقیقی کار یعنی یادِ الٰہی سے غافل ہو جائے بلکہ چاہیئے کہ دست در کار ہو و دِل در یار ہو۔ رضائے حق طلب کرنی چاہیئے نہ کہ رضائے خَلق کیونکہ خَلق کی رضا و محبت و شفقت ایک عارضی چیز ہے اور جو شخص رضائے حق کو ترک کر کے رضائے خَلق تلاش کرتا ہے یہ رضائے خَلق اُس کو کچھ جمعیت و ذوق و فائدہ نہیں دیتی بلکہ باوجود اسبابِ نعمت و تنعمات وُہ رنج و مصیبت میں مُبتلا ہو جاتا ہے اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ جُملہ اسباب حق تعالیٰ کے ہاتھ میں مثلِ قلم کے ہیں۔ محرک و محرر مولا تعالیٰ ہیں۔ جب تک وُہ نہیں چاہتے قلم حرکت نہیں کر سکتا۔ اب تیری نظر قلم پر ہے اور تُو کہتا ہے کہ اِس قلم کیلئے کوئی ہاتھ چاہیئے۔ تُو قلم کو دیکھتا ہے اور ہاتھ کو یاد کرتا ہے۔ کُجا وُہ جو ہاتھ کو دیکھتا ہے اور کُجا وُہ جو ہاتھ کا صرف ذِکر کرتا ہے۔ عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وُہ ہیں جو ہمیشہ ہاتھ کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِس کیلئے کوئی قلم بھی چاہیئے بلکہ ہاتھ کے کمال کے مطالعہ کی وجہ سے مطالعہِ قلم کی پرواہ ہی نہیں رکھتے اور فرماتے ہیں کہ ایسا ہاتھ قلم کے نہیں ہے۔ تجھکو جب مطالعہِ قلم کی حلاوت کی وجہ سے ہاتھ کی پرواہ نہیں ہے تو بھلا اُن کو ہاتھ کے مطالعہ کی حلاوت کی وجہ سے قلم کی کیسے پرواہ ہو سکتی ہے ؟ تجھ کو جب جَو کی روٹی میں ایسی لذت حاصل ہے کہ تُو گندم کی روٹی کو یاد نہیں کرتا تو بھلا وُہ نانِ گندمیں کے ہوتے ہوئے نانِ جویں کو کیسے یاد کریں ؟ تجھ کو جب زمین پر ایسا ذوق حاصل ہے کہ تُو آسمان کو نہیں چاہتا حالانکہ محلِ ذوق خود آسمان تھا

Marfat.com

اور زمین تو حیات بھی آسمان سے حاصل کرتی ہے تو بھلا اہلِ آسمان زمین کو کب یاد کرتے ہیں ؟ الحاصل خوشیوں اور لذتوں کو اسباب کیطرف سے مت دیکھ اور یقین جان کہ یہ معانی اسباب میں مستعار ہیں کیونکہ ھُوَالضَّارُّ وَالنَّافِعُ یعنی حقیقت میں وہی حضرتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نقصان پہنچانے والے ہیں اور وُہی نفع پہنچانے والے ہیں۔ جب ضرر و نفع الٰہی کیطرف سے ہے تُو تُو اسباب پر کیوں چمٹا ہُوا ہے ؟ ‬٭

گر نقل و کباب و گرمی ناب خوری ٭ می دان کہ بخواب در ہمی آب خوری

خواہ تُو نقل و کباب کھائے اور شراب خالص پیئے ایسے جان کہ خواب میں تُو پانی پی رہا ہے۔ کیونکہ جب تُو خواب سے بیدار ہوگا تو پیاسا ہی ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَلدُّنْیَا کَحُلْمِ النَّائِمِ (دُنیا سوئے ہُوئے آدمی کا خواب ہے) یعنی دُنیا و تنعمِ دُنیا ایسے ہے کہ گویا کوئی شخص خواب میں کوئی چیز کھاتا ہے۔ پس دُنیاوی حاجت طلب کرنا ایسے ہے گویا کسی شخص نے خواب میں کوئی چیز طلب کی اور وُہ اُس کو دی گئی بالآخر جب بیدار ہوتا ہے وُہ خواب کا کھانا اُس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ فَکَانَ النَّوَالُ بِقَدَرِ السُّوَالِ یعنی بخشش تیرے سوال کے مطابق ہوگی۔ اگر تُو حقتعالیٰ سے دُنیا طلب کرے گا تو دُنیاوی جائیگی اور آخرت طلب کرے گا تو آخرت عطا کی جائیگی اور اگر وصالِ الٰہی طلب کرے گا تو دولتِ وصال عطا کی جائے گی ٭

سورۂ مُمتحنہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَا

اے ایمان والو! مت دوستی کرو اُس قوم سے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب کیا ہے وُہ آخرت سے نااُمید ہو

یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝

چکے ہیں جیسے کافر لوگ قبر والوں سے نااُمید ہوئے کہ وُہ کچھ نہیں کر سکتے ٭

ہر ایک شخص اِس عمارت یعنی اولیاءاللہ کی مزارات پر گنبد کی تعمیر کسی خاص نیت سے کرتا ہے یا سخاوت کے اظہار کیلئے یا نام پیدا کرنے کے لئے یا ثواب حاصل کرنے کیلئے لیکن حقتعالیٰ کا مقصود رفعِ مرتبۂ اولیاء اور اُن کے مقابر و مزارات کی تعظیم ہے۔ وُہ اپنی تعظیم کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ وُہ بذات خود معظم ہیں۔ چراغ اگر چاہتا ہے کہ اُس کو بلند مقام پر رکھیں تو دُوسروں کیلئے چاہتا ہے نہ کہ برائے خود۔ اُس کو زیر و بالا سے کیا وُہ تو جس جگہ بھی ہو چراغ منوّر ہے لیکن چاہتا ہے کہ اُس کا نُور دُوسروں

Marfat.com

تک پہنچے۔ یہ آفتاب جو بالائے آسمان ہے اگر زمین پر ہو تو بھی وہی آفتاب ہے لیکن عالم تاریک رہے گا۔ پس وُہ اپنی ذات کیلئے بالا نہیں ہے بلکہ برائے غیر ہے۔ الحاصل اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم زیر و بالا سے اور تعظیم خلق سے منزّہ ہیں۔ تجھ کو جب اُس عالم معنیٰ کا ذرّۂ ذوق و لمعۂ لُطف حاصل ہوتا ہے تو اُس لحظہ میں تُو زیر و بالا سے خواجگی و بندگی سے بلکہ اپنے آپ سے بھی جو سب سے نزدیک ترین ہے بیزار ہو جاتا ہے اور تجھے کچھ یاد نہیں رہتا تو بھلا وہ جو اُس ذوق و نُور کے معدن و اصل ہیں زیر و بالا کے کب مقید ہو سکتے ہیں۔ اُن کا فخر حقتعالیٰ کے ساتھ ہے اور حقتعالیٰ زیر و بالا سے مستغنی ہیں۔ یہ زیر و بالا ہمارے لئے ہی جو پاؤں سر رکھتے ہیں یعنی جو اپنی ہستی کیساتھ قائم ہیں۔ آنسرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی بِاَنْ کَانَ عُرُوْجُہٗ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ وَعُرُوْجِیْ کَانَ فِی السَّمَآءِ عَلَی الْعَرْشِ (مجھے یونسؑ بن متیٰ پر برتری نہ دو کہ اُن کی معراج بطن ماہی میں ہُوئی اور میری معراج آسمان عرش پر ہوئی) یعنی ہم کو اگر اُس پر فضیلت دیتے ہو تو اِسوجہ سے نہ دو کہ اُس کا عروج بطن ماہی میں تھا اور ہمارا عروج بالائے آسمان کیونکہ حقتعالیٰ نہ بالا ہیں نہ زیر۔ اُن کا تجلّی جیسے بالا ہے وَیسے زیر اور وَیسے ہی بطن ماہی ہیں۔ وُہ زیر و بالا سے مُنزّہ ہیں بلکہ اُن کیلئے سب کچھ یکساں ہے۔ بلکہ ہم کو فضیلت اِسوجہ سے دو کہ جملہ انبیاء ہمارے سمندر کی انہار ہیں ✤

اکثر لوگ کام کرتے ہیں اُن کی غرض کچھ اَور ہوتی ہے اور مقصودِ حق کچھ اَور۔ مثال کے طور پر جب حقتعالیٰ نے چاہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین مبارک معظم ہو و ظاہر ہو اور تا ابد الآباد باقی رہے غور کر کہ قرآنِ مجید کی کتنی تفاسیر تیار کی گئی ہیں۔ اُن میں سے بعض کی دس دس جلدیں ہیں بعض کی آٹھ آٹھ اور بعض کی چار چار لیکن جملہ مفسرین کی غرض اپنے فضل و کمال کا اظہار ہے۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے اظہار کیلئے تفسیر کشاف کو نحو و لُغت کے دقائق سے و عبارتِ فصیح سے تصنیف کیا ہے لیکن مقصودِ حقتعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبارک کی تعظیم ہے۔ پس ہر کوئی حقیقتاً کارِ حق میں مشغول ہے۔ اگرچہ وُہ غرضِ حق سے غافل ہے اور اُس کا اپنا مقصود کچھ اَور ہوتا ہے۔ مثلاً حقتعالیٰ چاہتے ہیں کہ عالم کا قیام باقی رہے۔ اب لوگ شہوات میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی لذّت کی خاطر عورت کیساتھ شہوت رانی کرتے ہیں۔ وہاں سے اولاد پیدا ہوتی ہے جو قوامِ عالم کا سبب بن جاتی ہے پس حقیقت میں وُہ حقتعالیٰ کی بندگی بجالاتے ہیں لیکن وُہ اِس نیّت سے جماع نہیں کرتے۔ اور اسیطرح لوگ مساجد بنواتے ہیں اور صحن و سقف پر بیشمار خرچ کرتے ہیں۔ اب مقصودِ حق یہ ہے کہ قبلہ راست ہو و تعظیم قبلہ افزوں تر ہو اگرچہ اُن کی غرض یہ نہیں ہوتی ✤

Marfat.com

یہ بزرگی اُولیاء علیہم السلام ازرُوئے صُورت نہیں ہے بلکہ ازرُوئے معنی ہے۔ آخر یہ درم پیسہ سے افضل ہے مگر اُس کی بالائی ازرُوئے صُورت نہیں ہے بلکہ ازرُوئے حقیقت اور جوہر ہے۔ اگر تو چاندی کو چھت پر رکھے اور زر کو زمین پر تو ہر حال میں زر ہی کو فضیلت حاصل ہے اور لعل و دُر کو سونے پر بالائی حاصل ہے خواہ اُوپر رکھے جائیں خواہ نیچے رکھے جائیں۔ اسیطرح چھلنی میں آٹے کی بھوسی یعنی چھان اُوپر ہوتا ہے اور آٹا نیچے ہوتا ہے لیکن افضل کونسی چیز ہے؟ افضل قطعاً آٹا ہے اگرچہ نیچے ہے۔ پس کسی چیز کی بزرگی ازرُوئے صورت نہیں ہوتی بلکہ ازرُوئے معنی ہوتی ہے۔

سورہ صف

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ ط وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○

یہ کافر چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نُور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ کافروں کو شاق ہی گزرے۔

آدمی بذاتِ خود مثل آئینہ کے ہے اور یہ صفات مثل قیمتی موتیوں کے ہیں جو پُشتِ آئینہ پر جڑے ہوئے ہیں۔ وُہ جو زر و جواہرات کے عاشق ہیں اُن کی نظر پُشتِ آئینہ پر ہے اور وُہ جو آئینہ کے عاشق ہیں اُن کی نظر دُرّ و زر پر نہیں ہے بلکہ ہمیشہ چہرہ آئینہ کے سامنے رکھتے ہیں اور آئینہ کو محض اُس کے آئینہ ہونے کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں کیونکہ وُہ آئینہ میں اپنا حُسن و جمال دیکھتے ہیں لہٰذا وُہ آئینہ سے ملول نہیں ہوتے۔ لیکن جسکا چہرہ زِشت و معیوب ہو وُہ آئینہ میں اپنی زشتی دیکھتا ہے اس لئے جلد ہی آئینہ کا رُخ پھیر دیتا ہے اور اُن جواہرات کا طالب ہو جاتا ہے۔ اب پُشتِ آئینہ پر ہزار قسم کے نقوش بنائے جاتے ہیں اور جواہرات جڑے جاتے ہیں لیکن رُوئے آئینہ کو وُہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتے (مُراد یہ ہے کہ عارف باللہ ہر انسان کی حقیقت جو عین حق ہے پر نظر رکھتے ہُوئے ہر ایک سے محبت رکھتا ہے اور جاہل چُونکہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہے اُس کی نظر آدمی کی صفات بھلی یا بُری پر ہوتی ہے۔ دُوسرے عارف کامل مثل آئینہ کے ہے اور ہر کوئی اُس آئینہ میں اپنا ہی چہرہ دیکھتا ہے۔ مومن اُس میں اپنے باطنی کمال اور حُسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے اسلئے اُس آئینہ پر صد جان سے قربان ہو جاتا ہے اور کافر اُس آئینہ میں اپنے دِل کے چہرہ کی سیاہی دیکھتا ہے اسلئے آئینہ سے بھاگتا ہے بلکہ آئینہ دیکھنے سے ہی متنفر ہے کیونکہ آئینہ اُس کو اُس کا چیچک کے سیاہ داغوں والا بھدہ چہرہ دکھانے میں

Marfat.com

ذرا گریز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام آنسرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حُسنِ پاک کے گیت گاتے تھے اور ابوجہل اور دیگر کُفار آپؐ کے حُسنِ پاک کی شکایت کرتے تھے۔ تیسرے آئینہ کی اگر پُشت نہ ہو تو وُہ چہرہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتا کیونکہ نظر اُس سے پار گذر جائے اِسلئے آئینہ کی پُشت پر نقوش بنا کر دُوسرے رُخ کو ملوث کر دیا جاتا ہے تاکہ آئینہ چہرہ دِکھانے کے قابل بن سکے اِسی لیئے حضرتِ اِنسان میں ظُلمتِ نفس رکھی گئی تاکہ انوارِ حق اِس میں نظر آسکیں۔) پس حقتعالیٰ نے حیوانیت و انسانیت کو آدمی میں مرکب کر دیا تاکہ دونوں ظاہر ہوں کیونکہ ؎ ضد مُبیّن نہ شود جُز بہ ضد یعنی ضد سوائے ضد کے ظاہر نہیں ہوتی۔ (مُراد یہ ہے کہ حضرت اِنسان خلق اور حق کے درمیان برزخ جامع ہے۔ اِس میں حقی صفات بھی پائی جاتی ہیں اور خلقی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ اِس کا ظاہر خلق یعنی عالم کو شامل ہے اور باطن حقتعالیٰ کو شامل ہے جیسے حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نقد النصوص میں فرماتے ہیں ؎

آدمی چیست برزخ جامع ٭ صُورت خلق و حق درو لامع

اب حق خلق کی ضد ہے اِسی لئے حضرت اِنسان معرفت الٰہی کے قابل ہے کہ اِس میں دونوں ضدیں جمع ہیں۔ ملائکہ میں چونکہ ظُلمتِ نفس نہیں ہے اِسلئے وُہ معرفتِ الٰہی کے قابل بھی نہیں ہیں۔ آبِ حیات کا چشمہ ظلمتِ نفس میں پوشیدہ رکھا گیا ہے) ٭

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (اور ضد سے اشیاء میں فرق کیا جاتا ہے)۔ (مثال کے طور پر دِن کی تمیز ساتھ رات کے ہے۔ سفیدی کی تمیز ساتھ سیاہی کے ہے۔ حق کی تمیز ساتھ باطل کے ہے۔ نیک کی تمیز ساتھ بد کے ہے وغیرہ)۔ چُونکہ کسی چیز کی شناخت بغیر اُس کی ضد کے ممکن نہیں اور حقتعالیٰ اپنی ضد نہ رکھتے تھے اِسلئے جب حقتعالیٰ نے چاہا کہ اُن کو کوئی پہچانے تو عالم کو پیدا کیا تاکہ ظلمتِ عالم سے اُن کے انوار ظاہر ہوں جیسا حدیث قدسی میں وارد ہُوا ہے كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس مَیں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو مَیں نے خلق کو پیدا کیا) اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام جو نورِ حق کے مظہر ہیں جیسا حدیث قدسی میں وارد ہُوا ہے أَخْرُجُ بِصِفَاتِي إِلَى خَلْقِي (مَیں اپنی صفات سے اپنی خلق میں آتا ہُوں) کو پیدا کیا تاکہ دوست دُشمن سے و بیگانہ یگانہ سے ممتاز ہو جائے۔ از رُوئے حقیقت کوئی چیز حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ضد نہیں ہے بلکہ ہر شئے اُس کی عین ہے لیکن بطریق صُورت مرتبہ احدیت ذاتیہ میں چونکہ وُہ ذات بطون در بطون تھی اور تمام عالم اُس ذات کا ظہور ہے اور ظہور بطون کی ضد ہے اِسلئے عالم اُس ذات کی ضد ہے اگرچہ از رُوئے معنی عالم عین حق ہے۔ پس حقتعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں ابلیس کو و حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کو اور جناب

Marfat.com

سیدِ کُل ختمِ رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم جناب محمدؐ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلہ میں ابوجہل کو بطور ضد پیدا فرمایا تاکہ اُن کا کمال ظاہر ہو اگرچہ از رُوئے حقیقت یہ ایک دُوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ لہٰذا جسقدر اُنہوں نے انبیاء علیہم السلام کیساتھ دُشمنی و مخالفت کی اُسی قدر ان کو اپنے کام میں ترقی حاصل ہوتی گئی اور وُہ مشہور تر ہوتے گئے۔ کُفارِ مکہ معظمہ نے آنسرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالف ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ دینِ اسلام کی اشاعت نہ ہونے پائے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ حقتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبارک کا ڈنکا تمام عوالم میں بجادیا کَقَوْلِہٖ تَعَالیٰ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ ط وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۝ یعنی یہ کافر چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو پھونکیں مار مار کر بُجھادیں لیکن خُداوند تعالیٰ اپنے نُور کو پھیلا کر رہنے والا ہے خواہ کافروں کو شاق ہی گزرے۔ ؎

مہ نُور می فشاند و سگ بانگ میکند ٭ مہ را چہ جُرم خاصیت سگ چنین بود
از ماہ نُور گیرد ارکانِ آسمان ٭ خود کیست آن سگے کہ بخارِ زمین بود

(ترجمہ) چاند تو آسمان سے نُور چھڑکاتا ہے اور کُتا نیچے سے بھونکتا ہے۔ اب چاند کا کیا جرم ہے؟ کُتے کی خاصیت ہی ایسی ہے۔ چاند سے تو ارکانِ آسمان بھی نُور حاصل کرتے ہیں تو بھلا کُتے کی بھونک کا کیا اثر پڑتا ہے کہ زمین پر مثل کانٹے کے ہو۔ مُراد یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کے منکرین اُن کے خلاف پُوری کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا فیض عالم میں جاری نہ ہو لیکن مولا تعالیٰ اُن کے فیضان کا ڈنکا عرش سے لیکر فرش تک بجادیتے ہیں اور منکرین کے مُنہ سیاہ کردیتے ہیں اور اُن کا فیضان ابدالآباد تک جاری کردیتے ہیں ٭

سورۃ تغابن

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۝

وہی ہے جس نے تُم کو پیدا کیا پھر کوئی تُم میں کافر ہے اور کوئی تم میں مومن اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے

اِنسان میں اصل جوہر وُہ قابلیت ہے جو اُس کے نفس میں ہے۔ نفس اور چیز ہے اور رُوح اور۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ نفس خواب میں کس کس مقام پر پہنچتا ہے حالانکہ رُوح تن میں ہوتی ہے۔ رُوح ترقی کرکے نفس ہو جاتا ہے۔ پس امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس تحقیق اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اس نفس

Marfat.com

کے متعلق فرمایا ہے نہ کہ رُوح کے متعلق۔ اِس نفس سے مُراد نفسِ حیوانی نہیں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ محسُوسات کی ہر شئے کی ایک رُوحِ مخلوق ہے جس کیساتھ اُس کی صورت قائم ہے۔ رُوح اِس صُورت کیلئے ایسی ہے جیسے لفظ کیلئے معنی۔ پھر اِس رُوحِ مخلوق کے لئے ایک رُوحِ الٰہی ہے جس کیساتھ یہ رُوح قائم ہے اور وُہ رُوحِ الٰہی رُوح القدس ہے۔ رُوح القدس رُوح الارواح ہے اور کِسی شئے کی رُوح تو اُس کا نفس یعنی ذات ہوتی ہے۔ مولانا کی رُوح سے مُراد رُوحِ مخلوق یا حیوانی رُوح ہے اور نفس سے مُراد رُوح القدس ہے۔ صوفیائے کرام علیہم الرضوان کا قول ہے اَلْاِنْسَانُ حَیَوَانٌ نَاطِقٌ یعنی اِنسان حیوانِ ناطق ہے۔ پس آدمی دو چیزوں کا مجمُوعہ ہے ایک حیوانیت دُوسرے اُس کی اصل اور خلاصہ یعنی اِنسانیت۔ اِس عالم میں اُس کی حیوانیت کی غذا شہوات و آرزوئیں ہیں لیکن جو کچھ اُس کا خلاصہ ہے اُس کی غذا علم و حکمت اور دیدارِ پروردگار ہے۔ آدمی میں جو کچھ اُس کی حیوانیت ہے وُہ حقتعالیٰ سے گریزاں ہے اور اُس کی اِنسانیت دُنیا سے گریزاں ہے کقولہٖ تعالیٰ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط یعنی پس تم ہی میں کافر بھی ہیں اور تم ہی میں مومن بھی۔ اِس وجود میں دو شخص برسرِ پیکار ہیں تا کہ ازلی اِستعداد کا اظہار ہو سے

"تا بخت کرا بود کرا خواہد دوست"

تا کہ دیکھیں کہ خوش نصیب کون ہے اور دوست یعنی مولا تعالیٰ کِس کو پسند کرتے ہیں۔ اگر حیوانیت اِنسانیت پر غالب آجاتی ہے تو حیوانوں کیساتھ جا ملتا ہے اور اگر اِنسانیت غالب آجاتی ہے تو مسجُودِ ملائکہ متصوّر ہے۔ اِس میں شک نہیں ہے کہ یہ عالم عالمِ زمستان ہے۔ جمادات کو جماد کیوں کہتے ہیں اِس لئے کہ سب منجمد ہیں۔ یہ پتھر و پہاڑ وجود کو ڈھانپنے کے لباس وغیرہ سب منجمد ہیں۔ اگر عالم فصلِ زمستان نہیں ہے تو کیوں منجمد ہے۔ عالمِ باطن بسیط ہے نظر نہیں آتا لیکن تاثیر سے جانا جا سکتا ہے جیسے ہوا و سردی نظر نہیں آتے لیکن تاثیر سے جانے جاتے ہیں۔ یہ جملہ عالم موسمِ سرما کی مثل ہے کیونکہ اِس کی ہر چیز منجمد ہے لیکن یہ عقلی زمستان ہے نہ کہ حسّی۔ جب وُہ ہوائے الٰہی چلتی ہے تو پہاڑ گداز ہو جاتے ہیں۔ سارا عالم پانی ہو جاتا ہے جیسا کہ جب موسم گرما کی گرمی پڑتی ہے تو سب منجمد اشیاء گداز ہو جاتی ہیں۔ اِسیطرح روزِ قیامت کو جب وُہ ہُوا چلے گی تو ہر چیز گداز ہو جائے گی۔ (مُراد یہ ہے کہ جب فضلِ الٰہی سے اِنسان کو بصیرت نصیب ہوتی ہے تو اُس کی نظر صورت سے گذر کر معنی تک پہنچ جاتی ہے اور وُہ اِس عالم کو ظہورِ حق دیکھتا ہے اُس کی وہمی ہستی کا پہاڑ گداز ہو جاتا ہے)۔ حقتعالیٰ اِن کلمات یعنی اَوراد اشغال نماز تلاوت قرآن پاک کو تمہارے گرداگرد لشکر بنا دیتا ہے تا کہ تمہارے اَعدا کے مقابل دیوار بن جائیں اور تمہارے اعدا کیلئے سببِ قہر بن جائیں۔ اَعدا سے مُراد تمہارے اندرُونی اعدا ہیں نہ کہ بیرونی کیونکہ بیرونی دشمن کوئی چیز

Marfat.com

نہیں ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کتنے ہزار کافر ایک کافر کے اسیر ہیں جو اُن کا بادشاہ ہے اور وُہ کافر صرف ایک خیال کا اسیر ہے پس ہم نے جان لیا کہ یہ کاروبار سب خیال کے ماتحت ہے۔ جب ایک ضعیف و مکدر خیال کے کئی ہزار لوگ اسیر ہیں تو غور کر جس جگہ بے حد خیالات ہوں وہاں کیا عظمت و شکوہ ہوگی اور وُہ کسطرح اعدا کیلئے قہر کا سبب ہوں گے اور وہ کتنے عوالم مسخر کرتے ہوں گے۔ جب ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ صد ہزار بلکہ بے حد صُورت و بے پایاں سپاہ جن سے صحرا در صحرا بھرے ہُوئے ہیں ایک شخص کے اسیر ہیں اور وُہ شخص پھر ایک اندیشۂ حقیر کا اسیر تو ثابت ہُوا کہ وُہ سب ایک اندیشہ کے اسیر ہیں۔ تو بھلا جہاں بے پایاں خیالات نہایت عظیم قُدسی و عُلوی ہوتے ہوں گے وہاں کس قسم کی حکومت ہوگی سے

گردش افلاک کا ہے قطبِ عالم پہ مدار ☆ رُوحِ عالم کسطرح عالم سے بیگانہ رہے

قطب واحد جناب سیدِ کُل ختمِ رُسل جناب محمدِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں جن کا ہر زمانے میں ایک نیا لباس ہوتا ہے۔ کمُل افراد کی صُورت پہ آپؐ ہی کا ظہور ہوتا ہے۔ بظاہر یہ لوگ آپؐ کے خُلفاء ہیں اور باطن میں آپ ہی اُن کی حقیقت ہیں۔ پس ازل سے ابد تک آپؐ ہی کی حکومت ہے اور آپؐ ہی کی شہنشاہی ہے۔ جنابِ مختار کونین ہیں کقولِہٖ تعالیٰ وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط (جاثیہ ع ۲) یعنی اے حبیب پاک صلّی اللہ علیک وسلّم! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سارے کا سارا آپؐ کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ آپؐ کے فرمان کے سامنے کوئی چیز دم نہیں مار سکتی۔ انبیاء آپؐ کے سامنے لرزاں ہیں اور اولیاء بسجود مداح ہیں۔ پس ہم نے جان لیا کہ یہ کاروبار سب خیال کے ماتحت ہے۔ جملہ صُور اندیشہ کی تابع ہیں اور ایک آلہ ہیں۔ بغیر اندیشہ کے سب معطّل و جماد ہیں۔ لہٰذا جس کی نظر صُورتوں پہ ہے وُہ بھی جماد ہے اور عالم معنی میں راہ نہیں پاتا۔ وُہ طفل ہے و نابالغ ہے اگرچہ بصورت بُوڑھا ہے اور صد سالہ ہے یعنی عارف باللہ کی نظر مخلوق سے گذر کر خالق تک پہنچ جاتی ہے اور وُہ عالم میں فعل الٰہی جاری دیکھتا ہے۔ اُس کے نزدیک تمام مخلوق خالق کے سامنے ایسے ہے جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم۔ جاہل کہتا ہے قلم لکھ رہا ہے عارف کہتا ہے بھائی قلم کو کاتب چلا رہا ہے ☆

جب آنسرورِ عالمیان صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم غزوۂ تبوک سے واپس ہُوئے تو ارشاد فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آ گئے۔ نفس کیساتھ جنگ کرنا جہادِ اکبر ہے۔ جنگ میں ہم کئی صورتیں تھے اور خصمانِ صُوری کیساتھ برسرِ پیکار تھے۔ اب اندیشہ کے عساکر کے خلاف ہم صف آرا ہیں تاکہ نیک خیالات بُرے خیالات پر غالب آ جائیں اور تن کی ولایت سے اُن کو باہر نکال پھینکیں۔ پس یہ جہادِ اکبر ہے اور اس جنگ کا تعلق افکار کیساتھ ہے جو تن کے واسطہ

Marfat.com

کے بغیر اپنا کام کر رہے ہیں جیسا کہ عقلِ فعال بغیر کسی آلہ کے آسمان کو گھماتی ہے ۔

تو جوہری دہر دو جہان مر ترا عرض ۔ گوہر کہ از عرض طلبی ہست ناپسند

(ترجمہ) اے انسان! تُو جوہر ہے اور دونوں جہان تیرے عرض ہیں۔ گوہر جو تُو عرض سے طلب کرتا ہے وُہ ناپسند ہے۔ (جوہر وُہ چیز ہے جو بذاتِ خود قائم ہو اور عرض وُہ چیز ہے جو بذاتِ خود قائم نہ ہو بلکہ اُس کا وُجود کسی اور شئے کے ساتھ ہو۔ مثلاً رُوئی جوہر ہے اور کپڑے عرض۔ سونا جوہر ہے اور سونے کے زیورات عرض۔ مُراد یہ ہے کہ تُو اصل ہے اور دونوں جہان تیری فرع ہیں بلکہ دونوں جہان تیرے ساتھ قائم ہیں۔ اگر تیرا رُخ دنیا کی طرف ہو تو دُنیا آباد ہو جاتی ہے اور اگر تیرا رُخ آخرت کی طرف ہو تو آخرت آباد ہو جاتی ہے ۔

تعمیرِ دو جہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں ۔ اُستاد ہیں تو ہم ہیں شاگرد ہیں تو ہم ہیں

تو پس ای العزیز! تُو دُنیا و آخرت پر کیوں مفتون ہو رہا ہے اپنی ذات پر عاشق ہو کیونکہ تیری ذات مرآتِ ذاتِ رحمان ہے) چُونکہ دونوں جہان عرض ہیں اس لئے عرض پر نہیں ٹھہرنا چاہیئے کیونکہ یہ جوہر مثل نافۂ مُشک کے ہے اور یہ عالم و اُس کی خوشیاں مثل بُوئے مُشک کے۔ یہ بُوئے مُشک ہمیشہ نہیں رہتی کیونکہ عرض ہے۔ جس کسی نے اِس بُوئے سے نافۂ مُشک کو طلب کیا اور بُو پر قانع نہ ہوا وُہ بزرگ ہے لیکن جو کوئی بُوئے مُشک پر ٹھہر گیا وُہ بدنصیب ہے کیونکہ اُس نے اُس چیز پر ہاتھ مارا ہُوا ہے جو اُس کے ہاتھ میں نہ رہے گی۔ بُوئی مُشک کی ایک صفت ہے۔ جب تک نافۂ مُشک کا رُخ اِس عالم کی طرف ہے بُو پہنچتی رہتی ہے۔ جب حجاب میں ہو جاتی ہے اور عالم دیگر کیطرف رُخ کرتی ہے تو وُہ لوگ جو بُو کیساتھ زندہ ہوتے ہیں سب مر جاتے ہیں کیونکہ بُو ملازمِ مُشک ہے۔ اُس جگہ پہنچتی ہے جہاں نافۂ مُشک جلوہ افروز ہوتی ہے۔ پس نیک بخت وُہ شخص ہے جو بُو سے مُشک تک پہنچ جاتا ہے و عینِ مُشک ہو جاتا ہے۔ بعدازاں اُس کیلئے فنا نہیں ہے۔ وُہ عین ذاتِ مُشک کیساتھ باقی ہو جاتا ہے یعنی خود حکمِ مُشک رکھتا ہے بعدازاں وُہ خود عالم میں بُو پہنچاتا ہے بلکہ عالم کی رُوح بن جاتا ہے اور عالم اُس کے سبب زندہ ہوتا ہے۔ اُسمیں اُس کے نام کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی جیسا کہ جب ایک حیوان نمک کی کان میں جا پڑتا ہے اُسمیں سوائے نام کے حیوانیت کی کوئی جُز باقی نہیں رہ جاتی۔ وہی دریائے نمک بن جاتا ہے فعل میں بھی اور تاثیر میں بھی۔ وُہ نام اُس کا کیا نقصان کرتا ہے اُس کی نمکی سے اُس کو باہر نہیں نکال سکتا اور اگر تُو اس کانِ نمک کا کوئی دُوسرا نام رکھے تو وُہ نمکی سے باہر نہیں آئیگی ۔

Marfat.com

پس آدمی کو ان خوشیوں سے وان مزوں سے جو حقتعالیٰ کا پر تو و عکس ہیں گذر جانا چاہیئے اور اسی پر قانع نہیں ہونا چاہیئے۔ اگرچہ یہ بھی لطف حق ہے ہے اور اُسی کے جمال کا پر تو ہے لیکن نسبت بہ خلق فانی ہے اور نسبت بحق باقی ہے۔ جیسا کہ شعاع آفتاب جو مکانوں کو منور کرتی ہے اگرچہ شعاع آفتاب ہو و نور ہے لیکن ملازم آفتاب ہے۔ جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے روشنی باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا آدمی کو ترقی کرکے آفتاب ہو جانا چاہیئے تاکہ خوفِ جُدائی باقی نہ رہے۔ اصل جوہر باخت ہے و شناخت ہے بعض کو داد و عطا نصیب ہے لیکن شناخت نصیب نہیں اور بعض کو شناخت نصیب ہے لیکن باخت نصیب نہیں لیکن جس کسی کو یہ دونوں کمال نصیب ہوں اُس جیسا خوش نصیب کوئی ہوتا ہے اور ایسا شخص بے نظیر ہوتا ہے۔ اِس کی مثال ایسے ہے کہ ایک مرد چلا جا رہا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ یہ راہ ہے یا بے راہ۔ اندھوں کیطرح چلا جا رہا ہے کہ شاید کہیں سے کسی مُرغ کی آواز کانوں میں آجائے یا کسی آبادی کا نشان سامنے آجائے۔ کجا یہ شخص اور کجا وُہ شخص جو رستہ کو جانتا ہے اور پھر اُس پر چلتا ہے۔ وُہ کسی نشان کا محتاج نہیں ہے۔ ایسا شخص فوراً منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے پس شناخت سب سے افضل ہے ؀

معین الدین پروانہ نائب سلطنت نے سوال کیا کہ اِس سے پہلے کافر لوگ بُتوں کی پرستش کرتے تھے اور اُن کو سجدہ کرتے تھے۔ اِس زمانہ میں ہم وہی کام کر رہے ہیں۔ ہم جاتے ہیں اور مغلوں کے سامنے سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اِس کے علاوہ کئی بُت ہمارے باطن میں موجود ہیں مثلاً حرص وحسد و کبر وغیرہ اور ہم اِن سب کے مطیع ہیں۔ پس ہم بھی ظاہر و باطن میں وہی کام کر رہے ہیں جو کافر کرتے تھے اور پھر اپنے آپ کو ہم مسلمان جانتے ہیں ؀

ہم نے جواب دیا کہ عادل مسلمان بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا شرعاً جائز ہے لیکن یہ اُور چیز ہے کہ آپ کے دل کو یہ چیز ناگوار معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ کے دل کی آنکھوں نے اُس ذاتِ بیچون و چگونہ کا مشاہدہ کیا ہُوا ہے اور اُن کو یہ چیز قبیح نظر آتی ہے۔ کھاری پانی اُسی کو کھاری معلوم ہوتا ہے جس نے آبِ شیریں دیکھا ہو اور نوش کیا ہو۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ اور ضد سے چیزوں میں فرق کیا جاتا ہے

۵ ہر کہ از دیدار برخوردار شُد ؀ ایں جہان در نظر او مُردار شُد

یعنی جس کسی کو دیدارِ الٰہی نصیب ہو جاتا ہے اُس کی نظر میں دُنیا اور اہلِ دُنیا ہیچ ہو جاتے ہیں۔ پس حقتعالیٰ نے آپ کا دل نورِ ایمان سے منوّر کیا ہُوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو یہ کام بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ آخر کسی خوب چیز کے مقابلہ میں یہ آپ کو زشت دکھائی دیتے ہیں ورنہ دُوسروں کے دِل میں یہ

Marfat.com

کیوں درد نہیں؟ وُہ جس شغل میں مصروف ہیں شاد ہیں بلکہ کہتے ہیں سبقت کا سہرہ ہم ہی کے سروں پہ ہو۔ خدا وند تعالیٰ آپ کو آپ کی طلب اور ہمت کے مطابق عطا فرمائیں گے اِسلئے آپ کو ہمت بلند رکھنی چاہیئے قال العارف اَلطَّیۡرُ یَطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡہِ وَالۡمُؤۡمِنُ یَطِیۡرُ بِھِمَّتِہٖ (پرندہ اپنے پر دل سے اُڑتا ہے اور مومن اپنی ہمت سے) یعنی مومن مولا تعالیٰ سے نہ دُنیا طلب کرتا ہے نہ آخرت طلب کرتا ہے نہ جاہ و جلال طلب کرتا ہے نہ کشف و کرامات طلب کرتا ہے بلکہ مولا سے مولا ہی کا طالب ہے۔

خلقت کی تین قسمیں ہیں۔ بعضے ملائکہ ہیں کہ وُہ عقل محض ہیں اور بندگی و ذکر اُن کی غذا و حیات ہو جیسا مچھلی کیلئے پانی ہے کیونکہ اُس کی زندگی پانی سے ہے اور اُس کا بستر و بالین پانی ہی ہے۔ یہ بندگی ذکر اُن کیلئے تکلیف نہیں ہے۔ چونکہ وُہ شہوات سے مجرّد و پاک ہیں اِس لئے اگر وُہ آرزوئے ہوائے نفس نہ کریں تو یہ اُن کا کوئی اِحسان نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ چیز مجاہدہ میں داخل ہے۔ اگر وُہ عبادت کریں اور طاعت کریں تو اُس کو طاعت میں شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ چیز اُن کی سرشت میں داخل ہے اور اسکے بغیر وُہ رہ ہی نہیں سکتے۔ دُوسری صنف چوپائے جانور ہیں جو محض شہوت ہیں۔ عقل زاجر نہیں رکھتے اور اُن پر کوئی شرعی تکلیف نہیں ہے تیسری قسم آدمیِ مسکین ہے جو عقل و شہوت سے مرکب ہے۔ وُہ نیم فرشتہ ہے اور نیم حیوان ہے۔ نیم مار ہے نیم ماہی ہے۔ ماہی اُس کو آب کیطرف کھینچتی ہے اور مار سُوئے خاک بیچارہ کشاکش اور جنگ میں مبتلا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے مَنۡ غَلَبَ عَقۡلُہٗ عَلٰی شَھۡوَتِہٖ فَھُوَ اَعۡلٰی مِنَ الۡمَلَآئِکَۃِ وَمَنۡ غَلَبَتۡ شَھۡوَتُہٗ عَلٰی عَقۡلِہٖ فَھُوَ اَدۡنٰی مِنَ الۡبَھَآئِمِ یعنی جسکی عقل اسکی شہوت پر غالب آگئی پس وُہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہے اور جس کی شہوت اُس کی عقل پر غالب آگئی پس وُہ چارپایوں سے بھی ادنیٰ ہے ہے

فرشتہ ست بعلم و بہیمہ ست بجہل! ٭ میان ایں دو منازع بماند مردم زاد

(ترجمہ) آدمی علم کے لحاظ سے فرشتہ ہے اور جہالت کے لحاظ سے چوپایہ جانور ہے۔ وُہ اِن ہر دو متضاد صفات کا جامع ہے۔

سورہ قلم

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے خلق عظیم ہیں۔

شب و روز تو عورت کیساتھ جنگ کرتا ہے اور اُس کے اخلاق کی تہذیب کا طالب ہے۔ گاہے

Marfat.com

عورت کی غلاظت کو اپنے کپڑوں سے صاف کرتا ہے اور گا ہے اپنی غلاظت کو اُس کے کپڑوں سے پاک کرتا ہے یعنی گا ہے عورت تجھ پر تعدّی کرتی ہے اور تُو برداشت کرتا ہے اور گا ہے تُو سخت کلامی کرتا ہے اور وُہ تحمّل کرتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جب وُہ سختی کرے تُو دائرۂ تہذیب سے باہر نہ نکلے۔ اُس کے پاس جا اور جو کچھ وُہ کہے تسلیم کر اگرچہ تیرے نزدیک وُہ امر محال ہو۔ غیرت کو ترک کر دے اگرچہ یہ مردوں کا وصف ہے۔ اگرچہ یہ نیک وصف ہے لیکن اِس کے باعث تجھ میں کئی اَور بُری صفات پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً تُو عورت کی سخت کلامی اور تعدّی سے تنگ آکر عورت کو طلاق دے ڈالے۔ گھر بار ترک کر دے جنگلوں اور پہاڑوں میں چلا جائے حالانکہ آنسرورِ عالمیان صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اِس چیز کو منع فرمایا ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت نہیں) کیونکہ خلوت نشینی و پہاڑوں میں بسیرا کرنا و نکاح نہ کرنا اور دُنیا ترک کر دینا راہبوں کا شیوہ تھا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ایک باریک و پوشیدہ رستہ دکھایا یعنی عورتوں سے نکاح کرنا اُن کی سختی برداشت کرنا اُن کی محال باتیں سُننا اُن کی خدمت کرنا اور خود دائرۂ تہذیب میں رہنا کمالِ اسلام فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہُوا وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ یعنی اَے حبیب پاک صلّی اللہ علیک وسلّم! آپؐ کے اخلاق نہایت عالی درجے کے ہیں۔ لوگوں کے ظلم سہنے اور محال اُمور پر تحمّل کرنا ایسا ہے گویا اپنی نجاست اُن پر لگا دی۔ بُردباری سے تیرا خُلق عالی ہو جاتا ہے اور سنگساری و تعدّی کرنے سے اُن کا خُلق بُرا ہو جاتا ہے پس جب تُو نے اِس حکمت کو سمجھ لیا تو اپنے آپ کو پاک کئے رکھ اور اُن کو مثل کپڑوں کے سمجھ کہ اپنی غلاظت کو تُو اُن سے صاف کر رہا ہے اور اِسطرح تُو پاک ہو رہا ہے۔ اَے طالب! اگر عورت کا جور و ستم تیری قوتِ برداشت سے بڑھ جائے تو از رُوئے عقل اپنے آپ کیلئے تقریر کر "کہ مَیں اِسطرح جانتا ہُوں کہ یہ میری منکوحہ نہیں ہے بلکہ ایک بازاری عورت ہے۔ جب شہوت غالب آتی ہے تو مَیں اِس کے پاس جاتا ہُوں" اِسطریقہ سے حمیّت و حسد کو اپنے آپ سے دُور کر۔ اگرچہ یہ بڑا بھاری مجاہدہ ہے لیکن چند عرصے کے بعد اِس مجاہدہ و تحمّل کے صدقہ تجھ کو ایسا حال نصیب ہوگا اور ایسا کمال نصیب ہوگا کہ بغیر کسی تقریر کے تجھ میں تحمّل کی قوت پیدا ہو جائے گی بلکہ عورت کی سخت کلامی و جور و ستم میں تجھ کو لذت نصیب ہوگی۔

حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے کہ ایک دفعہ جناب سیّدِ کُل ختم رُسُلؐ حضور نبی کریم نورِ قدیم صلّی اللہ علیہ وسلّم بمعہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کسی جنگ سے جب واپس لَوٹے تو دیر ہو چکی تھی اِس لئے ارشاد فرمایا کہ بذریعہ طبل منادی کیجائے کہ آج کی رات ہر کوئی شہر سے باہر سوئے اور کل صبح شہر میں داخل ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم! اِس میں کیا مصلحت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا

Marfat.com

شاید آپ اپنی عورتوں کو بیگانہ مردوں کیساتھ جمع دیکھو و آپ کو الم ہوا ور فتنہ پیدا ہو۔ ایک صحابیؓ نے پرواہ نہ کی اور اپنے گھر رات کو چلا گیا۔ جب گیا تو دیکھا کہ اُس کی عورت ایک بیگانہ مرد کے ساتھ جمع ہے۔ اب غور فرمائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو کیا تعلیم دی یعنی غیرت و حمیت کو دفع کرنے کے لئے رنج اُٹھانا چاہیئے اور ساتھ ہی عورت کی خوراک و لباس کیلئے صد ہزار زہرِ مشقت چکھنے چاہئیں تاکہ عالم محمدیؐ نظر آئے اور ولایت محمدیؐ سے مومن مشرف و منور ہو۔

راہِ عیسیٰ علیہ السلام ترکِ دُنیا و ترکِ شہوت ہے۔ راہِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں و مردوں کے رنج اُٹھانا ہے۔ اگر تو راہِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں چل سکتا تو عیسوی راہ ہی اختیار کر لے تاکہ تو بالکل ہی خالی نہ رہے۔ اگر تیرا یقین محکم ہو کہ صبر کا اجر بیشمار ہے و صبر کشائش کی کلید ہے اور عورتوں و مردوں کے رنج اُٹھانے سے مجھے گنجِ بے پایاں نصیب ہوں گے تو یاد رکھ کہ تجھے تیری توقع سے بھی زاید انعام و اکرام عطا کئے جائینگے بلکہ تجھ پر فضلِ الٰہی کی اسقدر بارش ہو گی کہ تو اُس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ اے عزیز! آج اس سُخن کی حقیقت کا اگر تجھے اثر نصیب ہو تو چند مُدت کے بعد جب تو کامل تر ہو جائیگا یہ سُخن اثرِ عظیم پیدا کرے گا۔ عورت کیا چیز ہے؟ چاہے تو سمجھائے یا نہ سمجھائے وُہ اپنی سرشت پر قائم ہے۔ اور اپنی ذاتی سرشت کے مطابق ہی عمل کرے گی بلکہ سمجھانے سے بدتر ہو جائیگی۔ مثال کے طور پر تو ایک روٹی لیکر بغل کے نیچے چھپا لے اور لوگوں کو منع کر دے کہ میں اس نان کو ہرگز نہ دُوں گا۔ دینا تو درکنار دیکھنے بھی نہ دُوں گا۔ اگرچہ اُس روٹی کے لوگوں کے پاس تودے لگے ہُوئے ہیں اور بہتات کے باعث کُتے بھی قبول نہیں کرتے لیکن جب تُو نے منع شروع کر دیا تمام خلقت رغبت کرے گی اور اُس نان کے درپے ہو جائیگی۔ بلکہ ہر نیک و بد طریقے سے تیرے پاس آکر خواہش کریں گے کہ ہم اُس نانِ پنہان کو جس سے تُو منع کرتا ہے دیکھنا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر اگر تُو اُس نان کو ایک سال تک آستین میں دبائے رکھے اور نہ دینے و نہ دکھانے میں مبالغہ کرے تو اُن کی رغبت حد و اندازہ سے گزر جائیگی کیونکہ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ (انسان اُس چیز کا حریص ہے جس سے اُسے منع کیا جائے)۔

جسقدر تُو عورت کو پردے کی زیادہ تنبیہ کرے گا اُسی قدر اُس کے دِل میں اپنے آپ کو دکھانیکا و غدغہ زیادہ پیدا ہوگا اور خلقت کو اُس کے پنہان ہونے سے اُس عورت کی طرف رغبت زیادہ بڑھ جائیگی۔ پس تُو بیٹھا ہُوا ہے اور دونوں طرف سے رغبت تیز کر رہا ہے اور تُو سمجھ رہا ہے کہ تُو عورت کی اصلاح کر رہا ہے حالانکہ تُو فساد کو تیز کر رہا ہے۔ اگر اُس کی سرشت نیک ہے تو خواہ اُس کو منع کرے یا نہ کرے وُہ اپنی پاک سرشت و نیک طبع پر چلے گی۔ تُو فارغ رہ اور تشویش مت کر اور اگر اُس کی طبع اِس کے برعکس ہے

Marfat.com

تو پھر بھی اسیطرح اپنے ہی طریقہ پر چلے گی لہٰذا منع کرنا سوائے رغبت تیز کرنے کے اور کچھ سود نہیں رکھتا۔

سورہ معارج

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۝

مگر وہ نمازی جو ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا مجھے اپنی ہمت سے یاد رکھیئے کیونکہ اصل چیز ہمت یعنی باطنی توجہ ہے کلام خواہ کریں یا نہ کریں۔ کلام تو فرع ہے۔ میں نے جواب دیا آخر یہ ہمت عالمِ اجسام سے پہلے عالمِ ارواح میں تھی تو کیا ہم کو بغیر مصلحت کے ہی عالمِ اجسام میں لائے ہیں؟ یہ محال ہے پس سخن ضروری ہے اور پُر فائدہ ہے مثال کے طور پر زردآلو کا اگر صرف گودا ہی زمین میں بویا جائے تو کوئی چیز نہیں اُگتی جب چھلکے سمیت بوئے گا اُگے گا۔ بس ہم نے جان لیا کہ معنی کیساتھ صورت بھی درکار ہے یعنی باطنی توجہ کے ساتھ کلام بھی درکار ہے۔

اسیطرح نماز اگرچہ باطن میں ہے جیسا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (نماز بغیر حضورِ قلب کے نہیں ہوتی) لیکن ضروری ہے کہ نماز کی ظاہری صورت بھی قائم کرے یعنی رکوع و سجود کرے تاکہ تُو نماز سے بہرہ مند ہو اور منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ یہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ یعنی وہ دائمی نماز میں ہوتے ہیں یہ نمازِ روح ہے کیونکہ نمازِ جسم موقت ہے۔ وہ دائمی نہیں ہوتی۔ روح مثل سمندر کے ہے اس کیلئے کوئی نہایت نہیں۔ جسم مثل ساحل و خشکی کے ہے لہٰذا محدود ہے و مقدور ہے۔ پس صلوٰۃِ دائم صرف روح کیلئے ہے لہٰذا روح کیلئے بھی رکوع و سجود ہے لیکن جسم کیساتھ بھی ظاہری رکوع و سجود کرنا چاہیئے کیونکہ معنی کا صورت کیساتھ ایک خاص اتصال ہے جب تک دونوں اکٹھے نہ ہوں فائدہ نہیں دیتے جیسا کہ دانہ بے پوست نہیں اُگتا۔

یہ جو تُو کہتا ہے کہ صورت معنی کی فرع ہے اور صورت رعیت ہے و دل بادشاہ آخر یہ اسمائے اضافیات ہیں۔ تو کیسے کہتا ہے کہ یہ اس کی فرع ہے۔ جب تک فرع نہ ہو اصل کا نام اس پر کیسے صادق آئیگا بھی۔ وہ اصل اس فرع کی وجہ سے ہوا۔ اگر فرع نہ ہوتی تو اصل کا نام بھی نہ ہوتا۔ جب تُو رب کہے گا مربوب کا ہونا لازمی ہے۔ حاکم کے ساتھ محکوم کا ہونا لازمی ہے۔ پس صورت و معنی آپسمیں لازم ملزوم ہیں یعنی ظاہری نماز و دائمی نماز آپسمیں لازم ملزوم ہیں۔

تمام کام بتدریج کرنے چاہئیں۔ کیا تُو موسمِ بہار کی طرف نہیں دیکھتا؟ ابتدا میں تھوڑی گرمی

Marfat.com

معلوم ہوتی ہے اور بعد میں زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ درختوں کی طرف غور کر۔ کیسے آہستہ آہستہ اُگتے ہیں۔ بیج سے پہلے انگور جلوہ نما ہوتا ہے اور انگور سے تنے شاخیں برگ پھول اور پھل ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پس دین اور دُنیا کے تمام کاموں میں جس کسی نے جلدی کی اور ابتدا ہی میں مبالغے سے محنت کی وہ کام سرانجام نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ریاضت کو لیجئے۔ اس کا طریقہ بزرگوں نے اسطرح بیان کیا ہے کہ اگر پہلے اسیر روٹی کھاتا ہے تو ہر روز ایک درم وزن کم کرنا چاہئے حتیٰ کہ بتدریج سال دو سال میں وہ نصف سیر پر پہنچ جائے۔ بتدریج گھٹانے میں اُس کے تن میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اسیطرح عبادت و خلافت و طاعت و نماز کو بتدریج بڑھانا چاہیئے۔ ایک مسلمان پہلے بالکل نماز نہیں ادا کرتا۔ جب فضلِ الٰہی سے راہِ حق اختیار کرتا ہے تو کچھ مدت پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے۔ اُس کے بعد بتدریج بڑھاتا جاتا ہے حتیٰ کہ دائمی نماز میں ہوتا ہے کقولہٖ تعالیٰ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ یعنی وہ دائمی نماز میں ہوتے ہیں۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ نماز سے فاضلتر کونسی چیز ہے؟ ایک جواب میں نے یہ دیا کہ جانِ نماز صورتِ نماز مع تقریرہ سے بہتر ہے۔ جواب دوم یہ دیا کہ ایمان نماز سے بہتر ہے کیونکہ نماز صرف پانچ وقت فرض ہے اور ایمان ہمیشہ فرض ہے۔ دوسری فضیلت ایمان کو نماز پر یہ ہے کہ نماز کسی عذر سے ساقط بھی ہو جاتی ہے اور تاخیر کی رخصت ہوتی ہے جیسے حائضہ عورت وغیرہ مگر ایمان کسی عذر سے ساقط نہیں ہوتا اور تاخیر کی رخصت نہیں ہوتی۔ تیسری فضیلت ایمان کو نماز پر یہ ہے کہ ایمان بغیر نماز کے بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور نماز بغیر ایمان کے فائدہ نہیں پہنچاتی جیسے منافقوں کی نماز۔ چوتھے نماز ہر دین میں نوع دیگر کی ہے اور ایمان کسی دین میں تبدیل نہیں ہوتا یعنی اُس کے احوال و اُسکا قبلہ وغیرہ تبدیل نہیں ہوتے۔ ان کے علاوہ ایمان کو نماز پر کئی اور فضائل حاصل ہیں لیکن لوگوں کی استعداد کے مطابق ہی کلام کی جاتی ہے کقولہٖ تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (حجر ع ۲) یعنی کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں نہ ہوں لیکن ہم اس میں سے ایک مقدار معین کے مطابق اتارتے رہتے ہیں۔ متکلم مثل خمیر کنندہ کے ہے اور اُس کے سامنے مستمع مثل آرد کے ہے اور کلام مثل آب کے۔ آٹے میں پانی اُسیقدر ڈالا جاتا ہے جسقدر وہ جذب کر سکے۔

سورۂ مدثر

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جو ان کی تعداد صرف ایسی رکھی ہے وہ

Marfat.com

کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے۔

آدمی کو ہر چیز کا خیال اُس چیز کیطرف سے جا رہا ہے مثلاً باغ کا خیال باغ کیطرف اور دُکان کا خیال دُکان کیطرف لیکن حقیقت میں خود جاذب ایک ہی ہے جو متعدد دکھائی دے رہا ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ آدمی میوہ جات اور گوناگون کھانوں سے سَو قسم کی چیزوں کی آرزو کرتا ہے۔ کہتا ہے مجھے آش چاہیئے سنبوسہ چاہیئے حلوا چاہیئے گوشت چاہیئے میوہ چاہیئے خرما چاہیئے انجیر چاہیئے وغیرہ۔ یہ اشیاء تعداد کے لحاظ سے بہت معلوم ہوتی ہیں اور وُہ کہتا ہے سب لاؤ لیکن ان سب کی اصل ایک ہے۔ وُہ اصل بھوک ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ جب وُہ ایک چیز سے سیر ہو جاتا ہے تو کہتا ہے مجھے اِن میں سے کچھ بھی نہیں چاہیئے۔ پس معلوم ہُوا وُہ دس اور سَو نہ تھیں بلکہ ایک ہی تھی اِسی لئے ارشاد ہُوا وَ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً یعنی ہم نے اُن کا شمار جانچنے ہی کی غرض سے رکھا ہے۔

یہ شمارِ خلق فتنہ ہے۔ جو کہتے ہیں یہ ایک ہے اور وُہ صد یعنی ولی کو ایک کہتے ہیں اور خلقت کو صد و ہزار کہتے ہیں۔ یہ فتنۂ عظیم ہے۔ یہ نظر و یہ خیال کہ اُن کو بہت دیکھتے ہیں اور اُس کو ایک دیکھتے ہیں فتنۂ عظیم ہے کقولہٖ تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً۔ کون سَو کون پچاس و کون ساٹھ؟ ایک بے دست و پا و بے ہوش و بے جان قوم جو مثل طلسم و سیماب کے حرکت کرتے ہیں اب تُو اُنکو ساٹھ و صد ہزار کہتا ہے اور اِسکو ایک حالانکہ وُہ ہیچ ہیں اور یہ ہزار و صد ہزار و ہزاروں ہزار جیسا کہ مقولہ ہے: قَلِیْلٌ اِذَا عُدُّوْا کَثِیْرٌ اِذَا شُدُّوْا یعنی گنے جائیں تو تھوڑے ہیں لڑائی کے وقت بہت ہیں۔

ایک بادشاہ ایک شخص کو سَو آدمی کا کھانا دیتا تھا۔ لشکر سارا بادشاہ پر اعتراض کرتا تھا۔ بادشاہ دِل میں کہتا تھا کہ ایک دِن ایسا آئیگا کہ میں تُم کو دِکھاؤں گا کہ یہ تفضیل میں کیوں کرتا تھا۔ جب لڑائی کا دِن آیا سب بھاگ گئے اور وُہ اکیلا لڑتا رہا۔ بادشاہ نے کہا اُس امر میں یہ مصلحت تھی۔

سورہ دھر

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ○

ابرار لوگ منت پُوری کرتے ہیں اور ایسے دِن سے ڈرتے ہیں جسکی سختی عام ہوگی۔

امیر معین الدین پروانہ نے سوال کیا کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ فلاں دِن میں روزہ رکھوں گا۔ اگر وُہ اُس کو توڑ دے تو کفّارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

Marfat.com

مَیں نے جواب دیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قول سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے اسلیئے کہ وُہ نذر کو سوگند سمجھتا ہے اور جو کوئی سوگند کو توڑے اُسپر کفارہ واجب ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نذر یعنی سوگند نہیں ہے اِسلیئے کفارہ واجب نہیں۔ نذر کی دو قسمیں ہیں ایک مطلق دُوسرے مقید۔ مطلق وُہ ہے جب کہے عَلَیَّ اَنْ اَصُوْمَ یَوْمًا یعنی مَیں کسی دِن روزہ رکھنا اپنے اُوپر واجب کرتا ہُوں۔ اور مُقید یہ ہے کہ کہے عَلَیَّ کَذَا اِنْ جَاءَ فُلَانٌ یعنی اگر فلاں شخص آجائے تو مجھ پر فلاں کام واجب ہوگا۔

(لطیفہ) ایک شخص کا گدھا گُم ہوگیا۔ اُس نے تین دِن اِس نیت سے روزہ رکھا کہ اپنا گدھا اُس کو مِل جائے۔ تین دِن کے بعد گدھا مِل تو گیا لیکن مرا ہُوا مِلا۔ اُس کو نہایت رنج ہُوا اور رنجش کی وجہ سے مُنہ آسمان کی طرف کیا اور کہا: "اِن تین روزوں کے عوض اگر مَیں رمضان شریف کے چھ روزے نہ کھاؤں تو مرد نہیں ہُوں۔ تو مُجھ سے کچھ نہیں لیگا"۔

سورۃ نازعات

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

اور جو شخص اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا پس جنّت اس کا ٹھکانہ ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہُوا ہے اَللَّیْلُ طَوِیْلٌ فَلَا تُقَصِّرْهُ بِمَنَامِكَ وَالنَّهَارُ مَضِیٌّ فَلَا تُكَدِّرْهُ بِاٰثَامِكَ یعنی رات لمبی ہے تو سو کر اُسے چھوٹی نہ کر اور دِن تو گذر گیا پس اُسے اپنے گناہوں کیساتھ مکدر نہ کر۔ راز کہنے کیلئے اور حاجات طلب کرنے کیلئے شب دراز ہے۔ بے تشویش خلق و بے زحمت دوستاں دُشمناں خلوت و بے فکری حاصل ہے۔ حقتعالیٰ نے پردہ ڈال دیا ہے تاکہ اعمال خالص اللہ تعالیٰ کیخاطر رِیا سے مصئون و محفوظ رہیں۔ رات کو ریا کار شخص مخلص سے مُمیّز ہو جاتا ہے۔ رات کو تمام چیزیں مستور ہوتی ہیں اور دِن کو اُن کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ ریا کار شخص رات کو رُسوا ہوتا ہے۔ وُہ کہتا ہے جب اسوقت کوئی شخص دیکھ نہیں رہا تو کس کیلئے عمل کروں؟ اُس کو کہا جاتا ہے کہ دیکھنے والا تو موجود ہے لیکن تُو کوئی چیز نہیں جو اُسے دیکھ سکے۔ وُہ ہستی جو دیکھ رہی ہے تمام مخلوق اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور بوقتِ درماندگی تمام لوگ اُسی کو پُکارتے ہیں۔ دردِ دندان کیوقت دردِ گوش کے وقت دردِ چشم کیوقت

تہمت لگنے کے وقت اور خوف کے وقت سب اُسی کو پکارتے ہیں اور اُسی پر اعتماد رکھتے ہیں کہ وہ سُن رہا ہے اور اُن کی حاجت پُوری کرے گا۔ نیز دفعِ بلا کیلئے اور کسی مریض کی صحت کیلئے پوشیدہ صدقہ دیتے ہیں اور اعتماد رکھتے ہیں کہ اُس صدقہ دینے کو وہ قبول کرتا ہے۔ جب صحت نصیب ہوئی یا اُس بلا سے فارغ ہوئے وہ یقین اُن کا جاتا رہا اور پھر خیال اندیشی میں پڑ گئے۔ (مراد یہ ہے کہ تکالیف دہ بے مرادیِ نفس سے اخلاص نصیب ہو جاتا ہے)۔ کہتے ہیں خداوندا! وہ کیا حالت تھی کہ اُس گوشۂ زندان میں میں صدق سے تجھ کو پکارتا تھا ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتا تھا۔ بے ملالت گریہ وزاری کرتا تھا اور تُو نے میری حاجات پُوری کیں۔ اب زندان سے باہر بھی ہم اسی طرح محتاج ہیں جیسے زندان کے اندر تھے تاکہ تُو ہمیں زندانِ عالمِ ظلمانی سے نکال کر عالمِ انبیاءؑ جو کہ نورانی ہے میں لے آئے۔ اب زندان کے باہر اور حالتِ صحت میں کیوں وہی اخلاص نصیب نہیں ہے؟ ہزار قسم کے خیال پیدا ہوتے ہیں کہ شاید یہ چیز فائدہ کرے یا نہ کرے اور ایسے خیالات کی تاثیر سے ہزار کاہلی و ملالت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خیالات و وساوس کو جلا دینے والا یقین اب کہاں ہے؟

خداوند تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ جیسے ارشاد فرمادیا ہے کہ تمہارا یہ نفس میرا بھی تمہارا بھی دشمن ہے اور ہمارا بھی دشمن ہے اسلئے اس سے دوستی مت لگاؤ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ (اے ایمان والو! ہمارے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بنانا۔ ممتحنہ ع ۱) بلکہ اس دشمن کو پیوستہ زندانِ مجاہدہ میں قید رکھئے کیونکہ جب وہ زندان و رنج و بلاہیں گرفتار ہوتا ہے تو تم کو اخلاص نصیب ہو جاتا ہے اور تمہارے یقین محکم ہو جاتے ہیں۔ ہزار بار آپ نے آزما لیا ہے کہ دردِ دندان و دردِ سر و خوفِ تن سے آپ کو اخلاص نصیب ہو جاتا ہے تو پھر آپ راحتِ تن میں کیوں کوشاں ہیں اور اس کی تیمارداری میں کیوں مصروف ہیں۔ تو پس اصل اصول کو فراموش مت کیجئے یعنی پیوستہ نفس کو بے مراد رکھیئے تاکہ آپ منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں اور زندانِ تاریکی سے نجات پا جائیں کقولہٖ تعالیٰ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ؕ ٭

سورۃ مطففین

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ

کیا اُن کو اس کا خیال نہیں کہ قیامت کے بڑے سخت دن کو یہ لوگ اُٹھائے جائیں گے ٭

اگر آدمی میں صرف علم ہی علم ہوتا اور جہالت نہ ہوتی تو آدمی جل جاتا اور باقی نہ رہتا پس جہالت

اس وجہ سے مطلوب ہے کہ بقائے وجود اس کے ساتھ ہے! اور علم اس لحاظ سے مطلوب ہے کہ معرفتِ الٰہی کا وسیلہ ہے لہٰذا دونوں ایک دُوسرے کے مددگار ہیں۔ اور تمام ضدّیں ایسے ہی ہیں۔ رات اگرچہ دِن کی ضدّ ہے لیکن اُس کی مددگار ہے۔ اور دونوں ایک ہی کام کرتے ہیں۔ اگر ہمیشہ رات ہوتی تو کوئی کام میسّر نہ ہوتا اور اگر ہمیشہ دِن ہوتا تو چشم و دماغ و اعضائے بدن معطّل ہو جاتے اور آدمی دیوانہ ہو جاتا۔ پس رات آسائش کیلئے بنائی گئی ہے تاکہ جملہ اعضاء دماغ و فکر و سمع و بصر قوّت حاصل کریں اور دِن کو وُہ قوّت خرچ کریں۔

پس جُملہ اضداد ہم کو ضدّیں دکھائی دیتی ہیں لیکن اُس حکیمِ مطلق کے نزدیک سب ایک ہی کام کر رہی ہیں اور ایک دُوسرے کی ضدّ نہیں ہیں۔ تُو تمام عالَم میں دکھا دے وُہ کونسی بدی ہے جس کے ضمن میں نیکی نہیں ہے اور وُہ کونسی نیکی ہے جس کے ضمن میں بدی نہیں ہے؟ مثال کے طور پر ایک شخص نے قتل کا ارادہ کر لیا۔ رستہ میں ایک حسین جمیل عورت اُس کے سامنے آگئی اور وُہ اُس کے ساتھ زنا میں مشغول ہو گیا حتیٰ کہ وُہ خُون اُس سے نہ ہو سکا۔ زنا اس حیثیت سے کہ وُہ زنا ہے بُرا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ وُہ مانعِ قتل ہُوا نیک ہے۔ پس بدی و نیکی ایک چیز ہیں جو غیر متجزّی ہے۔ اور اسی بنا پر ہم مجوسیوں کیساتھ بحث کرتے ہیں جو کہتے ہیں خدا دو ہیں ایک خالقِ خیر ہے اور ایک خالقِ شرّ۔ اب تُو خیر بے شرّ دکھا تاکہ ہم مُقر ہو جائیں کہ خدائے خیر اور ہے اور خُدائے شرّ اور۔ لیکن یہ محال ہے کیونکہ خیر شرّ سے جُدا نہیں ہے۔ جب خیر و شرّ دو نہیں ہیں تو دو خالق بھی محال ہیں۔ ہم تُم پر یہ لازم قرار نہیں دیتے کہ تُم اس پر یقین لے آؤ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ تُم کو یہ خیال نہیں گذرتا کہ مبادا یہ ایسے ہی ہو جیسے یہ بیان کرتے ہیں۔ مان لیا کہ تجھ کو یقین نہیں ہُوا کہ یہ ایسے ہی ہے لیکن یہ تجھ کو یقین کیسے ہُوا کہ ایسے نہیں ہے؟ اسی لئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ۔ یعنی کیا ان کُفّار کو اس کا خیال نہیں کہ قیامت کے بڑے سخت دِن کو یہ لوگ اٹھائے جائیں گے؟ مُراد یہ ہے کہ کیا ان کو خیال بھی نہیں گزرتا کہ ہمارے کئے ہُوئے وعدے مبادا راست ہوں؟ اب کافروں کو جو گرفت ہو گی وُہ اسی بنا پر ہو گی کہ تُم کو یہ کیوں گمان پیدا نہ ہُوا کہ ہمارے وعدے راست ہیں اور تُم نے ہماری جناب میں پیش ہونا ہے تُم نے کیوں احتیاط نہ کی اور ہمارے طالب نہ بنے۔

سُورہ انشقاق

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۝ وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ۝ وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۝ وَاَلۡقَتۡ مَا فِیۡهَا وَ

جب آسمان پھٹ جاوے گا اور اپنے رب کا حکم سن لیگا اور وُہ اسی لائق ہے اور جب زمین کھینچ کر بڑھا

وَتَخَلَّتْ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ط يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ○

دی جائیگی اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اُگل دیگی اور خالی ہو جاویگی اور اپنے رب کا حکم سُن لیگی اور وُہ

اسی لائق ہے۔ اَے انسان تُو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر اُس سے جا ملے گا ؞

ایک شخص نے سوال کیا کہ اِس بیت سے کیا مُراد ہے ؎

ولیکن ہوی چُون بغایت رسد ؞ شود دوستی سَر بسر دُشمنی

(ترجمہ) اور لیکن جب محبت کمال کو پہنچ جاتی ہے تو دوستی سر بسر دشمنی بن جاتی ہے ؞

مَیں نے جواب دیا کہ عالمِ دُشمنی نسبت بہ عالمِ دوستی تنگ ہے کیونکہ عالمِ دُشمنی سے گریز کر کے طالب مولا عالمِ دوستی تک پہنچتا ہے۔ اور پھر عالمِ دوستی بھی اُس عالم کی نسبت جہاں سے دوستی و دُشمنی پیدا ہو رہی ہیں تنگ ہے۔ دوستی و دشمنی یعنی ایمان و کفر مُوجب دُوئی ہیں کیونکہ کُفر انکار ہے اور مُنکر کے لئے کوئی اَور ہستی چاہیئے جسکا انکار کرے۔ اَیسے ہی مُقر کیلئے کوئی اَور ہستی چاہیئے جس کا وُہ اقرار کرے پس معلوم ہُوا کہ یگانگی و بیگانگی مُوجب دُوئی ہیں۔ اور وُہ عالم ورائے کُفر و ایمان و ورائے دوستی و دُشمنی ہے۔ چونکہ دوستی موجب دوئی ہے (عشق کیساتھ ایک عاشق کا وُجود دُوسرا معشوق کا وجُود ہونا لازمی ہے اسلئے عشق باعث دوئی ہے) اسلئے جب طالب اُس عالم میں پہنچ جاتا ہے جہاں دُوئی نہیں ہے بلکہ اِتحاد اور محض وحدت ہے ہی وحدت ہے یعنی دُوئی سے جُدا ہو جاتا ہے تو اُس عالمِ اوّل کو جہاں دُوئی ہے اگرچہ مقام دوستی و عشق ہے نہیں چاہتا بلکہ دُشمن رکھتا ہے کیونکہ اِس عالم کی نِسبت جہاں اُس نے اب نقل کیا ہے وہ عالم فروتر و ادنیٰ ہے ؎

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا ؞ چوُں وصل ہم نگنجد ہجراں چہ کار دارد

چنانچہ حضرت منصورؒ علیہ الرحمۃ کی محبتِ حق جب نہایت کو پہنچی تو وُہ اپنی ہستی کا دُشمن بن گیا اور اپنے آپ کو نیست کر دیا اور بولا اَنا الحق (مَیں خدا ہُوں) یعنی مَیں فنا ہو گیا ہُوں اور باقی حق ہی حق ہے اور بس۔ اور یہ غایت تواضع ہے اور نہایت بندگی ہے یعنی وُہ ہی ہے اور بس۔ دعویٰ و تکبّر یہ ہے کہ تُو کہے تُو خُدا ہے اور مَیں بندہ کیونکہ تُو اپنی ہستی کا بھی اِثبات کرتا ہے اور اسطرح دُوئی لازم آتی ہے اور یہ جو تُو کہتا ہے ہُوَالحق (وُہ خُدا) یہ بھی اِثبات دُوئی ہے کیونکہ جب تک اَنا (مَیں) نہ ہو ھُوَ (وُہ) کا وُجود ممکن نہیں ہے پس حقتعالیٰ نے کہا اَنا الحق کیونکہ اُس کے سوا کوئی موجود ہی نہ تھا اور چونکہ منصورؒ فنا ہو چکا تھا اسلئے وُہ سخن حق تھا ؎ منصورؒ کجا بُود خدا بُود خُدا

Marfat.com

لہٰذا جب تک عارف باللہ کا بشری وجود فنا نہ ہو جائے وُہ وجودِ حقانی سے مُشرّف نہیں ہو سکتا کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ......... اِلخ فَمُلٰقِیْہِ یعنی جب دِل کے آسمان سے وہمِ غیریت کے پردے پھٹ جاتے ہیں اور عارف کو جذبۂ حق نصیب ہوتا ہے تو جسم کی زمین مواد سے فارغ ہو جاتی ہے اور اُسے حقتعالیٰ کا وصال نصیب ہو جاتا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ جب بشری وجود گداز ہو جاتا ہے تو رُوح القدس جسم کی صُورت اِختیار کر لیتے ہیں ؂

عالمِ خیال نسبت بہ عالمِ مصوّرات و محسوسات فراخ ہے کیونکہ جُملہ مصوّرات خیال سے پیدا ہوتے ہیں اور عالمِ خیال بھی اُس عالَم کی نسبت جہاں سے خیال پیدا ہو رہا ہے تنگ ہے۔ ازرُوئے سُخن یہ حقیقت اِسقدر فہم میں آتی ہے لیکن یہ چیز محال ہے کہ حقیقتِ معنیٰ لفظ و عبارت سے معلُوم ہو سکے ؂

اِسپر ایک شخص نے سوال کیا تو پھر الفاظ و عبارات یعنی کلام کا پھر کیا فائدہ ہے؟

مَیں نے جواب دیا سُخن کا یہ فائدہ ہے کہ مومن کے دِل میں خداوندِ کریم جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ کی طلب پیدا ہو جاتی ہے اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ سخن سے مطلوب حاصِل ہو جاتا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو اِتنے مجاہدات و فناءِ خود کی حاجت نہ ہوتی۔ سُخن کی مِثال ایسے ہے کہ دُور سے تُو ایک ہِلتی ہوئی چیز دیکھتا ہے۔ تو اُس کیلئے دوڑتا ہے تاکہ تُو اُسے دیکھے۔ صِرف اُس کے تحرّک کیواسطے سے تُو اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ اُس کا تحرّک تیرے دِل میں اُسکے دیکھنے کا اِشتیاق پیدا کر دیتا ہے۔ ناطقۂ آدمی بھی باطن میں اِسیطرح ہے۔ اگرچہ تُو کلام سے اُس ذات کو حقیقت میں دیکھ نہیں سکتا لیکن وُہ تیرے دِل میں آتشِ عشق کو تیز کر دیتا ہے ؂

ایک شخص نے سوال کیا کہ میں نے کئی عُلوم حاصِل کئے ہیں اور ضبطِ معانی بھی کیا ہے لیکن مجھے یہ معلُوم نہیں ہو سکا کہ آدمی کی وُہ حقیقت جو باقی رہنے والی ہے کہاں ہے؟

مَیں نے جواب دیا اگر محض سُخن سے یہ چیز حاصِل ہو جاتی تو طالبِ خدا اپنے وجود کے فنا کا اور اِتنے مجاہدات کا محتاج نہ ہوتا۔ تجھے اِسقدر کوشش کرنی چاہیئے کہ تُو باقی نہ رہے تاکہ تُو اُس چیز کو دیکھ لے جو باقی رہنے والی ہے۔ اِسی لئے حقتعالیٰ فرماتے ہیں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ....... اِلخ فَمُلٰقِیْہِ (جب آسمان پھٹ جائے۔ اِلخ اِنشقاق) اور فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (جب زمین بھونچال سے کانپنے لگے۔ زلزال)۔ اِن آیاتِ بیّنات سے مُراد یہ ہے کہ اَے طالبِ خُدا! تُو نے آگے اِجتماع کی لذّت دیکھی ہے۔ اب ایک دِن ایسا آئیگا کہ تُو اِن اجزا کے اِفتراق کی لذّت دیکھے گا اور اُس عالَم کی فراخی کا مطالعہ کریگا اور اِس تنگنائی سے خلاصی پا جائیگا۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو چار میخوں سے مقیّد کر دیتے ہیں۔

وُہ خیال کرتا ہے کہ وُہ اُسی حال میں خوش ہے اور لذتِ خلاص کو فراموش کر دیتا ہے۔ جب چار میخوں سے رہائی پاتا ہے تب جانتا ہے کہ وُہ کس عذاب میں تھا۔ اور اِسیطرح بچّوں کی پرورش و آسائش گہوارہ میں ہوتی ہے حالانکہ اُن کے ہاتھ باندھ دیئے جاتے ہیں لیکن اگر بالغ کو گہوارہ میں مقید کیا جائے تو اُسکے لئے عذاب ہوگا ؛

بعض کا مزہ اِس میں ہے کہ گُل شگفتہ ہوں اور سَر غنچوں سے باہر نکالیں اور بعض کا مزہ اِس میں ہے کہ اجزائے گُل جُملہ متفرق ہو جائیں اور اپنے اصل کیساتھ جا ملیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی یاری عشق کُفر اور ایمان باقی نہ رہجائے تاکہ اپنے اصل کیساتھ مل جائیں کیونکہ یہ سب دیواریں ہیں جو مُوجب دُوئی و تنگی ہیں اور وُہ عالم موجب فراخی و وحدت ہے۔ سُخن چنداں عظیم نہیں ہے اور کوئی قوت نہیں رکھتا۔ کس طرح عظیم ہو سکتا ہے آخر سُخن ہے اور سُخن موجب ضُعف ہے۔ مُوثر و مُہیج حقتعالیٰ کی ذات ہیں سُخن درمیان میں رُوی پوش ہے۔ دو تین حروف کی ترکیب کیا موجب حیات و ہیجان ہو سکتی ہے ؟ مثال کے طور پر ایک شخص تیرے پاس آیا۔ تُونے اُس کیساتھ عُمدہ سلوک کیا۔ اُسے خوش آمدید کہا۔ وُہ اِس چیز سے خوش ہُوا اور یہ سُخن باعثِ محبت بن گیا۔ اور ایک دُوسرے شخص کو تُونے دو تین دشنام دیں۔ وُہ دو تین الفاظ مُوجب غضب ہو گئے اور وُہ رنجیدہ ہو گیا۔ اب دو تین الفاظ کی ترکیب زیادتیِ محبت و رضا سے اور غضب و دُشمنی کے پیدا کرنے سے کیا تعلق رکھتی ہے لیکن حقتعالیٰ نے ان کو اسباب و پردے بنایا ہُوا ہے تاکہ ہر ایک کی نظر اُس کے جمال و کمال پر نہ پڑے۔ ضعیف پردے ضعیف نظروں کے سامنے ڈال دیئے ہیں اور ان پردوں کی آڑ میں احکام جاری کرتا ہے اور اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ یہ نان حقیقتاً سببِ حیات نہیں ہے لیکن حقتعالیٰ نے اُس کو سببِ حیات و قوّت گردانا ہے۔ وُہ آخر جماد ہے کیونکہ حیاتِ انسانی نہیں رکھتی۔ بھلا وُہ زیادتیِ قوت کا کیسے مُوجب ہو سکتی ہے ؟ اگر اُس میں حیات ہوتی تو اپنے آپ کو زندہ رکھتی ؛

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۞ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۞

تم لوگ ضرور درجہ بدرجہ چڑھتے رہو گے سو اُن لوگوں کو کیا ہُوا کہ ایمان نہیں لاتے ؛

معین الدین پروانہ وزیر سلطنت ہمارے مخلص مُریدوں میں سے ہے۔ ہم اچانک ایک دن اُس کے پاس چلے گئے۔ وُہ بولے سبحان اللہ ! اِسقدر مہربانی کہ جناب خود بخود تشریف لے آئے ہیں۔ مجھے تو اِس چیز کی توقع بھی نہ تھی اور میرے دِل میں اِس قسم کا خیال بھی نہیں گذرا۔ مَیں کب اِس چیز کے لائق ہوں

Marfat.com

مجھے تو چاہیئے کہ شب و روز چاکروں و ملازموں کی صف اور زُمرہ میں دست بستہ خدمت کروں۔ مَیں ابھی اِس چیز کے لائق نہیں ہُوں۔ مَیں اِس لُطف کا شکریہ کب ادا کر سکتا ہُوں؟

مَیں نے جواب دیا یہ سب کُچھ اِسلئے ہے کہ آپ کی ہمّت عالی ہے۔ اگرچہ آپ کا مرتبہ بلند و بزرگ ہے اور آپ نہایت خطیر و بلند اُمُور میں مشغول ہَیں لیکن آپ علوِّ ہمّت کی وجہ سے اپنے آپ کو قاصر دیکھتے ہَیں اور اُس پر راضی نہیں ہَیں اور آپ بہت سی چیزیں اپنے پر لازم سمجھتے ہَیں۔ نیز اگرچہ دِل ایک نورانی جوہر ہونے کے باعث ہردم قریب ہے لیکن دِل میں تمنّا پیدا ہوئی کہ آپ کی صُورت سے بھی مشرّف ہُوں کیونکہ صُورت بھی ایک عظیم اعتبار رکھتی ہے۔ چہ جائے اِعتبار بلکہ مغز کے ساتھ مشارک ہے۔ جیسا کہ مغز کے بغیر کام نہیں چلتا ایسا ہی چھلکے کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مثال کے طور پر اگر دانہ بغیر چھلکا کے زمین میں تُو بوئے ہرگز نہیں اُگتا۔ جب چھلکے سمیت زمین میں دفن کرتا ہے تو اُگتا ہے اور ایک عالیشان درخت بن جاتا ہے۔ پس اِس وجہ سے تن بھی ایک عظیم اصل ہے اور ضروری ہے۔ اُس کے بغیر کام نہیں چلتا اور مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

اے واللہ اصل چیز حقیقت ہے۔ اُن اولیاء علیہم السّلام جو حقیقت کو جانتے ہَیں اور ترقی کر کے رُوحانی و ربّانی ہو گئے ہَیں کا قول ہے رَکْعَتَانِ مِنَ الصَّلٰوۃِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا (نماز کی دو رکعتیں دُنیا اور جو کُچھ دُنیا میں ہے اُس سے بہتر ہَیں) یہ ہر کسی کا نظریہ نہیں ہے۔ یہ اُس شخص کا نظریہ ہے جس کو دو رکعتیں ضائع ہو جانے پر ساری دُنیا اور مافیہا اگر اس کی ملکیت ہو کے ضائع ہو جانے کی بہ نسبت زیادہ افسوس ہو۔

ایک درویش ایک بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے اُس کو کہا اے زاہد کیا حال ہے؟ وُہ بولا زاہد تو ہی ہے۔ اُس نے کہا مَیں کیسے زاہد ہُوں جب کہ ساری دُنیا میری مِلک ہے۔ درویش نے جواب دیا۔ نہیں تجھے غلط فہمی ہے۔ دُنیا و آخرت اور تیرا مُلک جُملہ میری ملکیت سے ہَیں۔ اور مَیں مُتصرّف فی الاکوان ہُوں۔ تُو ہی ہے جو لقمہ اور خرقہ پر قانع ہے اور محض بے بس ہے۔ عالَم میں اللہ تعالیٰ کی سلطنت ہے کَقَوْلِہٖ تَعَالیٰ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (جدھر تُم مُنہ کرو اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کا رُخ ہے۔ بقرع ۱۴) یعنی وہی وجہِ کریم رائج و مجری و لا ینقطع اور باقی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ عرش سے لیکر فرش تک حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی سلطنت اور جلوہ آرائی ہے۔ اور عاشقانِ مولا نے اپنے آپ کو اُس وجہِ کریم پر فدا کر دیا ہُوا ہے اِسلئے اپنی ہستی سے فانی اور ذاتِ حق سے باقی ہَیں۔ لہٰذا صفاتِ کاملہ الٰہیہ سے متصف اور مشرّف ہونے کے باعث قُطب تمام عالَم میں پَیدا ہوتا ہے اور متصرّف فی الاکوان ہوتا ہے۔ عاشقان

Marfat.com

مُولا کے سِوا باقی لوگ حیوان ہیں ۔

باقی لوگ اگرچہ اَنعام ہیں لیکن مُستحق اِنعام ہیں۔ اگرچہ اصطبل میں ہیں لیکن مقبولِ میرِ اصطبل ہیں کیونکہ اگر وُہ کسی کو چاہتے ہیں تو اُس کو اِس اصطبل سے رہا کر کے طویلۂ خاص میں پہنچا دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں وُہ عدم تھا پھر اُس کو وجُود میں لائے۔ طویلۂ وجُود سے اُس کو طویلۂ جمادی میں لائے۔ طویلۂ جمادی سے اُس کو طویلۂ نباتی میں لائے۔ طویلۂ نباتی سے اُس کو طویلۂ حیوانی میں لائے۔ طویلۂ حیوانی سے طویلۂ اِنسانی میں لائے۔ طویلۂ انسانی سے طویلۂ مَلکی میں لائے اور طویلۂ مَلکی سے اِلٰی مَالَا نِہَایَتہ۔ پس یہ سب طویلے تجھ کو اِسلئے دکھائے گئے ہیں کہ تو مُقر ہو جائے کہ حقتعالیٰ کے پاس اِس قسم کے طویلے یعنی مدارج بیشمار ہیں جو ایک دُوسرے سے عالی تر ہیں جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دُوسری حالت پر پہنچنا ہے سو اُن لوگوں کو کیا ہُوا کہ ایمان نہیں لاتے) ۔

حقتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مختلف مراتب و مدارج تجھ کو اِسلئے دکھائے گئے ہیں کہ تُو اِس بات پر ایمان لے آوے کہ ابھی کئی اَور طبقات باقی ہیں جن پر تُو نے درجہ بدرجہ چڑھنا ہے۔ یہ سابقہ مراتب تجھ کو اِسلئے نہیں دکھائے گئے کہ تُو باقی مراتب کا اِنکار کرے اور کہے کہ بس یہی ہیں۔ ایک کاریگر اپنی صنعت و فرہنگ اِسلئے دکھاتا ہے کہ لوگ اُس کے مُعتقد ہو جائیں اور دُوسری صنائع جو اُس نے ابھی نہیں دکھائیں پر ایمان لے آدیں۔ یا ایک بادشاہ لوگوں کو خلعت و اِنعام بخشتا ہے اور مہربانی فرماتا ہے۔ وُہ اِسلئے نوازش فرماتا ہے کہ لوگ اُس سے اَور اِنعامات کے مُتوقع ہو جائیں اور اُس سے کئی اُمیدیں لے بیٹھیں۔ وُہ اِسلئے نہیں بخشتا کہ وُہ کہیں بس یہی ہے۔ بادشاہ اَور اِنعام اب کوئی نہیں بخشے گا اور اس کے سِوا بادشاہ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر بادشاہ یہ جان لے کہ وُہ اَیسا کہیں گے اور اِسطرح سمجھیں گے تو ہرگز بادشاہ اِنعام نہ بخشے اور نہ نوازش فرماوے ۔

زاہد وُہ ہیں جو آخر بین ہیں و اہلِ دُنیا آخر بیں ہیں لیکن وُہ جو اَخصّ ہیں و عارف باللہ ہیں اُن کی نظر نہ آخر پر ہے نہ آخُر پر بلکہ اُن کی نظر اَوّل پر ہے۔ وُہ آغاز ہی سے ہر کام کو جانتے ہیں جیسا کہ ایک دانا آدمی جب گندم بوتا ہے تو جانتا ہے کہ گندم اُگے گی۔ اُس نے اوّل ہی سے آخر کو دیکھ لیا اور اسیطرح وُہ جانتا ہے کہ جَو و چاول بونے سے جَو و چاول ہی اُگیں گے۔ چُونکہ اُس نے اوّل کو دیکھا اِسلئے اُسکی نظر آخر پر نہیں ہے۔ آخر کے حالات وُہ اوّل ہی دیکھ رہا ہے۔ یہ عارفین باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نادر ہیں و جو آخر بین ہیں متوسط ہیں اور جو آخُر میں ہیں اَنعام ہیں ۔

Marfat.com

اُمیر پرواز میرے پاس آیا۔ ہم سب کو جمع کیا اور خود چلا گیا جیسا کہ زنبور موم و شہد کو جمع کر کے خود چلی جاتی ہے کیونکہ اوّل میں اُسکا وجود شرط ہے آخر میں اُس کا بقای شرط نہیں ہے۔ ہمارے باپ اور ہماری اُمّہات مثل اُن زنبوروں کے ہیں جو طالب کو مطلوب کیساتھ جمع کر دیتی ہیں۔ عاشق کو معشوق کے ساتھ ملا دیتی ہیں اور خود ناگاہ پرواز کر جاتی ہیں۔ حقتعالےٰ نے اُن کو موم و شہد کے جمع کرنے میں واسطہ بنایا ہے وُہ خود پرواز کر جاتی ہیں اور موم و شہد باقی رہ جاتا ہے۔ وُہ اِس باغ سے باہر نہیں جاتیں۔ یہ ایسا باغ نہیں ہے کہ اِس جگہ سے باہر نکلا جاسکے البتہ ایک گوشۂ باغ سے دوسرے گوشۂ باغ میں چلی جاتی ہیں۔ ہمارا تن ایک مٹھور کی مانند ہے اور اُس میں موم و شہد عشق حق ہے۔ زنبوران یعنی ہمارے باپ اور ہماری مائیں اگرچہ واسطہ ہیں لیکن اِس مٹھور کو باغبان ہی بناتا ہے اور باغبان ہی تربیت کرتا ہے۔ اب اُن زنبوروں کو حقتعالیٰ نے ایک اَور صُورت عطا کر دی ہے۔ اُسوقت جب یہ کام کرتی تھیں اُن کا اَور لباس تھا یعنی اُس کام کے مطابق تھا۔ اب جبکہ اُس عالم میں چلی گئی ہیں اُن کا لباس تبدیل کر دیا گیا ہے کیونکہ اب اُن سے ایک اَور کام لیا جاتا ہے لیکن شخص وہی ہے جو پہلے تھا۔

مثال کے طور پر ایک شخص جنگ میں گیا۔ اُس نے لڑائی کا لباس پہنا۔ ہتھیار باندھے اور خود سر پر رکھا چونکہ جنگ کا وقت تھا۔ جب وُہی شخص جنگ سے واپس آکر کسی محفل میں جاتا ہے تو لڑائی کا لباس اُتار کر نیا لباس پہنتا ہے اور اِسیطرح ہر مقام میں وُہ اُس کام کے مطابق لباس بدل لیتا ہے حالانکہ شخص وہی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ تو نے اُسے اُس لباس میں دیکھا ہُوا ہے اس لئے جس وقت تُو اُسے یاد کرتا ہے اُسی شکل میں تصور کرتا ہے اگرچہ اُس نے صد لباس بدل لئے ہُوئے ہوں۔ ایک شخص نے اپنی انگشتری ایک جگہ گُم کر دی۔ کوئی اُسے وہاں سے اُٹھا لے گیا۔ وُہ آکر اُسی جگہ کے گرد گھومتا ہے کہ مَیں نے اِسی جگہ گُم کی ہے جیسا کہ صاحب تعزیت گردِ گور گھومتا ہے اور بے خبری میں خاک کی ڈھیری کا طواف کرتا ہے اور اُس کو بوسہ دیتا ہے۔ اُس کی مُراد یہ ہوتی ہے کہ اُس انگشتری کو اُس نے اِس جگہ گُم کیا ہُوا ہے حالانکہ اُس کو اُس جگہ کب چھوڑتے ہیں۔

سورہ طارق

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ

جس دِن راز جانچے جائیں گے۔

ایک شخص میرے پاس آیا اور مَیں خاموش بیٹھا رہا۔ اُس نے عرض کیا مولانا آپ سخن کیوں نہیں

Marfat.com

فرماتے ہیں: مَیں نے جواب دیا تجھ کو میرا خیال میرے پاس سے آیا حالانکہ میرے خیال نے تیرے ساتھ کوئی کلام نہ کی کہ تُو کیسے ہے اور تیرا کیا حال ہے۔ بے سُخن خیال نے تجھ کو اِس جگہ جذب کیا۔ اگر میری حقیقت تجھ کو بے سخن جذب کر سکتی ہے اور دُوسری جگہ پر لے جا سکتی ہے تو اِس میں کونسی تعجّب کی بات ہے؟ سُخن تو سایۂ حقیقت ہے و فرعِ حقیقت ہے جب سایہ تجھ کو جذب کر سکتا ہے تو حقیقت تو بطریقِ اَولیٰ جذب کرتی ہے۔ سخن ایک بہانہ ہے۔ حقیقت میں ایک آدمی کا دُوسرے آدمی کیساتھ جو جُزوِ مناسب ہوتا ہے وُہ اُس کو جذب کرتا ہے نہ کہ سُخن بلکہ اگر صد ہزار معجزات و کرامات و بیانات دیکھے جب اُس نبی یا ولی میں اُس کا جزوِ مناسب نہیں ہوتا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ وُہ جُزو ہے جو اُس کو جوش و بیقراری میں رکھتا ہے گاہ میں اگر کہرُبا سے کوئی جزو نہ ہو ہرگز کہربا کی طرف نہ جائے۔ وُہ جنسیت اُن کے درمیان پوشیدہ ہے نظر نہیں آتی۔ آدمی کو ہر چیز کا خیال اُس چیز کیطرف لیجاتا ہے مثلاً خیالِ باغ باغ کیطرف لے جاتا ہے اور خیالِ دُکان دُکان کیطرف لیکن اِن خیالات میں ایک تزویر پنہاں ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ جب تُو ایک جگہ جاتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے اور تُو کہتا ہے کہ مَیں نے خیال کیا تھا کہ میرا اسجگہ آنا فائدہ مند ہوگا مگر اُلٹا نقصان ہُوا۔ پس یہ خیالات چادر کی مثل ہیں اور چادر میں کوئی اور لپٹا ہُوا ہے۔ جو شخص حقیقت تک پہنچ جاتا ہے وُہ جان لیتا ہے کہ اِن جُملہ خیالات کی چادروں میں ایک ہی ہستی رُوپوش ہے اور وہ ہستی حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہیں۔ جو شخص اِس امر سے واقف ہو جاتا ہے وُہ کسی حال میں پشیمان نہیں ہوتا کیونکہ وُہ جان لیتا ہے کہ تمام خیالات منجانب الٰہی ہیں اور جُملہ اشیا کیصُورت پر حقتعالیٰ ہی جلوہ نما ہیں لہٰذا یہ اشیاء جذب نہیں کرتیں بلکہ حقتعالیٰ ہی سب کو جذب کرتے ہیں۔ روزِ قیامت جب پردہ اُٹھا دیا جائیگا تو ہر کسی پر یہ رازِ حقیقت آشکارا ہو جائیگا لِقَوْلِہٖ تعالیٰ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۞

نبی پر واجب ہے کہ قُوّتِ حق کا اظہار کرے اور دعوت میں تنبیہہ کرے لیکن اُس پر یہ واجب نہیں ہے کہ اُس شخص کو مقامِ استعداد پر پہنچائے کیونکہ یہ کارِ حق ہے۔ حقتعالیٰ کی دو صفات ہیں قہر و لُطف۔ انبیاء علیہم السّلام دونوں صفات کے مظہر ہیں۔ مومنین لُطفِ حق کے مظہر ہیں اور کُفّار قہرِ حق کے مظہر۔ جو لوگ انبیاء علیہم السّلام کے مُقِرّ ہوتے ہیں وُہ اپنے آپ کو انبیاءؑ میں دیکھتے ہیں۔ اپنی آواز اُن سے سُنتے ہیں۔ اپنی بُو اُن سے پاتے ہیں۔ کوئی شخص اپنے آپ کا مُنکر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے انبیاء کرام علیہم السّلام اُمّت سے کہتے ہیں "ہم آپ ہیں اور آپ ہم ہیں"۔ ایک شخص کہتا ہے یہ ہاتھ میرا ہے۔ اُس سے کوئی گواہ طلب نہیں کرتے کیونکہ یہ جُزوِ مُتصل ہے لیکن اگر کہتا ہے کہ فلاں لڑکا میرا ہے تو اُس سے گواہ طلب کرتے ہیں کیونکہ وُہ جُزوِ منفصل ہے ۞

Marfat.com

سورۃ فجر

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۙ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۠

پھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور اِس طرح میری جنّت میں داخل ہو جا۔

قرآن مجید مثل ایک دُلہن کے ہے۔ بغیر اِس کے کہ تو اُس کے اُوپر سے چادر کھینچے وُہ چہرہ تجھ کو دکھا دیتی ہے یعنی اگر تو قرآن مجید کے احکام کو من وعن تسلیم کرلے اور اُن پر اعتراض نہ کرے تو تو قرآن مجید کے مطالب اور معانی کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ جو تو قرآن مجید کے مضامین پر بحث کرتا ہے اور تجھ کو کوئی ذوق نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی انکشافِ معانی ہوتا ہے اِس امر کے مترادف ہے کہ تو نے اُس دُلہن پر سے چادر کھینچی اِسلئے اُس نے ناراض ہو کر تجھے رَدّ کر دیا اور تیرے ساتھ مکر کیا اور اپنے آپ کو تجھے زشت دکھایا اور کہا میں وہ محبوب نہیں ہوں۔ وُہ اِس چیز پر قادر ہے کہ اپنے آپ کو جس صورت میں چاہے دکھاتی ہے۔ لیکن اگر تو اُوپر سے چادر نہ کھینچے اور اُس کی رضا طلب کرے اور اُس کی کھیتی کو پانی دے اور دُور ہی سے اُس کی خدمات کرتا رہے اور جو کچھ اُس کی رضا ہو اُس میں کوشش کرے بغیر اِس کے کہ تو اُس کے اُوپر سے چادر کھینچے وُہ اپنا چہرہ تجھ کو دکھا دیتی ہے۔ مگر ایعزیز! قرآن مجید کے مطالب اور معانی حقائق و دقائق رموز و اسرار سوائے اقطاب عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کوئی نہیں جانتا اِسلئے کسی فقیرِ کامل کو تلاش کر جو تجھے قرآن مجید کے معانی سمجھائے۔ عقائدِ صحیحہ کی تعلیم دے اعمالِ صالح کی ترغیب دے تاکہ تو جنّت کا حقدار ہو جائے کقولہٖ تعالیٰ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (میرے بندوں میں داخل ہو اور پھر میری جنّت میں داخل ہو جا)۔

دُوسری حکمت یہ ہے کہ مولا تعالیٰ جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ کا مشاہدہ وصال اور کمال سوائے اقطاب عارفین کی بیعت کے حاصل نہیں ہوتا۔ حقتعالیٰ ہر کسی کے ساتھ کلام نہیں فرماتے جیسا کہ شاہانِ دُنیا ہر چولاہ کیساتھ کلام نہیں فرماتے بلکہ اُنہوں نے ایک وزیر و ایک نائب مقرر کیا ہُوا ہے جن کے وسیلہ سے لوگ بادشاہوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ حقتعالیٰ نے بھی اپنے مقربانِ بارگاہ چُنے ہوئے ہیں تاکہ جو کوئی حقتعالیٰ کا طالب بنے اُن کی خدمت میں حاضر ہو۔ انبیاء کرام علیہم السّلام بھی اِسی غرض کیلئے بھیجے گئے ہیں کہ وُہ خلقت کی رہبری کریں۔

اکثر مُرید ایسے ہوتے ہیں جو اپنے شیخ کی دائمی حضوری کی طاقت نہیں رکھتے اور اُن کا حال غیبت

میں خوشتر ہوتا ہے جیسا کہ اگرچہ دِن کو ساری روشنی آفتاب ہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سارا دِن قُرصِ آفتاب میں نظر رکھے تو اُس سے کوئی کام سرانجام نہ ہو اور اُس کی نظر خیرہ ہو جائے۔ اُس کیلئے یہ بہتر ہے کہ کسی کام میں مشغول ہو جائے۔ یہ قُرصِ آفتاب کی نظر سے غیبت ہے۔ اِسیطرح بیمار کے سامنے لذیذ کھانوں کا ذکر اُس کیلئے تحصیلِ قوت و اشتہا میں مہیج ہے لیکن اُن کھانوں کی حضوری اُس کے لئے نقصان دہ ہے۔ پس معلوم ہوُا کہ طلب حق میں لرزۂ عشق پیدا کرنا چاہیئے اور جب کسی کو یہ لرزہ نصیب نہ ہو اُس پر لرزنے والوں کی خدمت واجب ہے۔ مُرید شیخ کی دائمی حضوری کے قابل اُسوقت ہوتا ہے جب اُس کو عشق کمال کا نصیب ہو۔ عشق کے بغیر وُہ شیخ کے چہرۂ انور کیطرف نظر بھر کر دیکھنے کی تاب ہی نہیں رکھتا اِسلئے اُسے چاہیئے کہ شیخ کی خدمت دُور ہی سے کرتا رہے تاکہ اُس کو اس درجہ کا عشق نصیب ہو جائے کہ وُہ شیخ کی حضوری کے قابل بن جائے۔ کوئی میوہ درخت کے تنہ پر نہیں لگتا کیونکہ تنہ کو لرزہ نصیب نہیں ہے۔ شاخوں کے سَر لرزان ہیں اِسلئے میوہ سے شادان ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ لرزۂ عشق کے بغیر وصالِ الٰہی محال ہے۔ تنۂ درخت شاخوں کے سَروں کو اگرچہ قوت دینے والا ہے لیکن میوہ کے واسطہ سے خود بھی کلہاڑے کے زخم سے محفوظ ہے یعنی مُرید بھی اگرچہ شیخ کی خدمت کرتا ہے لیکن شیخ ہی کی نظرِ کرم سے شرِ نفس و شرِ شیطان سے محفوظ ہے۔ جب نفس و شیطان مُرید پر وار کریں تو اُسے ہمت سے مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ شیخ کی خدمت کر سکے۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا قول ہے عَجِبْتُ مِنَ الْحَیْوَانِ کَیْفَ یَأْکُلُ الْحَیْوَانَ (مجھے حیوان پر تعجب آتا ہے کہ وُہ حیوان کو کیسے کھا لیتا ہے)۔ اہلِ ظاہر اس قول کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آدمی حیوان کا گوشت کھاتا ہے اور ہر دو حیوان ہیں۔ یہ تفسیر غلط ہے۔ کیسے؟ کیونکہ آدمی گوشت کھاتا ہے اور وُہ حیوان نہیں ہے بلکہ جماد ہے کیونکہ جب حیوان ذبح کیا جاتا ہے اُس میں حیوانی باقی نہیں رہ جاتی۔ البتہ اِس قول سے مُراد یہ ہے کہ شیخ مُرید کو بے چُون و چگونہ نگل جاتا ہے اور مجھے اس کارنادر پر تعجب آتا ہے۔ اِس حالت کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں اور فنا فی الشیخ ہونا ہی فنا فی الرسُول و فنا فی اللہ ہوتا ہے بلکہ اعظم فنا فی اللہ ہے۔ جب مُرید شیخ کے تصوّر میں محو اور مستغرق ہو جاتا ہے تو شیخ کی صُورت اُس پر اِسقدر غالب آ جاتی ہے کہ وُہ اپنے وجود کو شیخ کا وجود دیکھتا ہے۔ یہ عشق کا چوتھا درجہ ہے اِس مقام میں عاشق خود معشوق ہو جاتا ہے۔

جب تک کوئی چیز فانی نہ ہو اُس کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ سُخن جب تک اُس کے حروفِ نُطق میں فانی نہ ہوں اُسکا فائدہ مستمع تک نہیں پہنچتا۔ اِسیطرح بندہ جب تک اپنی ہستی مَوہُوم سے فانی نہ ہو

Marfat.com

تب تک صفاتِ کاملہ الٰہیہ کا ظہور اُس کے وجود میں نہیں ہوتا ۔

کیا یہ بات درست نہیں کہ آبِ حیات ظلمات میں پوشیدہ ہے ۔ بے شک یہ ظلمات اولیاء اللہ کے جسم ہیں اور آبِ حیات اُن کے اندر موجود ہے ۔ پھر اگر تو اِن ظلمات کو مکروہ جانتا ہے اور اُن سے متنفر ہے تو تو آبِ حیات کیسے حاصل کرے گا ؟ یاد رکھ بیعت کی پہلی شرط یہ ہے کہ تو شیخ کے ہر فرمان کو بلاچون وچرا تسلیم کرے اور اپنے تمام ارادوں کو ترک کر دے کیونکہ محبت کی شرط یہ ہے کہ تیرا ارادہ باقی نہ رہے ۔ کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ اگر تو مخنث لوگوں اور بدمعاشوں سے بدی بھی سیکھنے کا ارادہ کرے تو تو ایسا ہرگز نہ کر سکے گا جب تک ہزار تکالیف نہ اُٹھائے اور اپنے ارادہ کے خلاف باتیں نہ کرے ۔ پھر کہیں جا کر کامیاب ہوگا ۔ اسلئے اگر تو شیخ کی رائے سے باہر چلے گا تو آبِ حیات کیسے حاصل کر سکے گا جو ایک باقی اور سرمدی چیز ہے اور اولیاء و انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو مکروہ سمجھو لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہو ۔ جب کوئی شخص کسی لڑکے پر یا کسی عورت پر عاشق ہو جاتا ہے تو اُس کے آگے کیسے جھک جاتا ہے اور اُس کی کیسے ناز برداریاں کرتا ہے اور پوری کوشش سے اُس کیلئے مال خرچ کرتا ہے بلکہ شب و روز بطیبِ خاطر ایسا کرتا رہتا ہے اور ملول نہیں ہوتا ۔ پس اگر اُس کی محبت شیخ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور شیخ کے معمولی حکم کو ترک کر دے اور اُس سے رُوگرداں ہو جائے تو جان لو کہ وہ عاشق اور طالب نہیں ہے ۔

سورۂ زلزال

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

جس نے رائی کے دانہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وُہ اُسے دیکھ لیگا اور جس نے رائی کے دانہ کے برابر بدی کی ہے وُہ اُسے دیکھ لے گا ۔

امیر پروانہ نے سوال کیا کہ کیا حقتعالیٰ کے ازلی جاری کردہ احکام اور حقتعالیٰ کی تقدیر بدل سکتے ہیں ؟ مَیں نے جواب دیا کہ حقتعالیٰ نے جو ازل میں یہ حکم کر دیا ہُوا ہے کہ بدی کی جزا بدی ہوگی اور نیکی کی جزا نیکی یہ حکم ہرگز نہیں بدلنا کیونکہ حقتعالیٰ حکیم ہیں ۔ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تو بدی کر تاکہ جزا میں تجھے نیکی ملے ۔ یہ ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص گندم بوئے اور جو اُٹھائے یا جو بوئے اور گندم اُٹھائے جملہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام ایسے فرما گئے ہیں کہ جزائے نیکی نیکی ہے و جزائے بدی بدی کقولہٖ تعالیٰ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ یعنی جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وُہ دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی وُہ دیکھ لے گا۔ اگر ازلی صادر شدہ احکام سے تیری یہی مُراد ہے جو مَیں نے بیان کی ہے اور شرح کی ہے وُہ ہرگز نہیں بدلتے (معاذاللہ) اور اگر تیری یہ مُراد ہے کہ نیکی و بدی کی جزا کم و بیش ہو سکتی ہے یا بدل جاتی ہے یا نہیں تو "جسقدر تُو نیکی زیادہ کرے گا اُسیقدر نیکیاں زیادہ ملیں گی اور جسقدر تُو ظلم زیادہ کرے گا اُسی قدر بُرایاں پیش آئیں گی"۔ یہ حکم البتہ بدل جاتا ہے لیکن اصلی حکم نہیں بدلتا۔

اِس پر امیر نے سوال کیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شقی سعید ہو جاتا ہے اور ایک سعید شقی ہو جاتا ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ آخر اُس شقی نے کوئی نیکی کی یا نیکی کا خیال کیا کہ سعید ہو گیا اور اُس سعید نے جو شقی ہُوا کوئی بدی کی یا بدی کا خیال کیا جیسا کہ جب ابلیس نے سیدنا حضرت آدم علیہ السّلام کے حق میں اعتراض کیا کہ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا اور اُس کو خاک سے۔ اعراف۔ ع ۲) اور حقتعالیٰ کی نافرمانی کی تو اگرچہ اُستادِ ملائکہ تھا ملعونِ ابدی ہو گیا اور راندۂ بارگاہ ہُوا۔ ہم بھی اِسیطرح کہتے ہیں کہ جزائے نیکی نیکی ہے اور جزائے بدی بدی پس وُہ شخص جو ازل میں سُعدا سے نہیں ہوتا شقی ہو جاتا ہے جیسا ابلیس نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ مومن جو کافر ہو جاتا ہے ہرگز سُعدا سے نہیں ہوتا اور لیکن وُہ جو ازل میں سعید ہے اگرچہ کافر ہو مومن ہو جاتا ہے۔

اگرچہ حقتعالیٰ پسند خیر ہی کو کرتے ہیں لیکن خیر اور شر دونوں کے خالق وہی ہیں جیسا کہ حدیث قدسی سے ثابت ہے كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ یعنی مَیں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس مَیں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو مَیں نے خلق کو پیدا کیا۔ اب خلق میں بعض مظہر جمال ہیں بعض مظہر جلال لہٰذا خیر و شر کے خالق حقتعالیٰ ہیں۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ حقتعالیٰ امر و نہی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن "امر" صحیح معنوں میں اُسوقت تک وقوع پذیر نہیں ہوتا جب تک مامور اُس کام کو جس کے کرنے کا امر دیا گیا ہے مکروہ نہ جانے مثال کے طور پر بھوکے آدمی کو اگر یہ کہا جائے کہ مٹھائی اور شکر کھالو تو اِس کا نام "امر" نہیں ہوگا بلکہ اِس کا نام تو "کرم" ہوگا۔ اِسیطرح جس چیز سے انسان پہلے ہی متنفر ہو اُس سے "نہی" وقوع پذیر نہیں ہوتی مثال کے طور پر اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ تُو پتھر نہ کھا یا تُو کانٹے نہ کھا تو اِس کا نام "نہی" نہیں ہوگا۔ اِسلئے امر بالخیر اور نہی عن الشر صحیح معنوں میں اُسوقت وقوع پذیر ہوں گے جب کوئی شخص فعل شر کی رغبت اور فعل خیر سے بے رغبتی رکھنے والا ہو اگرچہ وُہ شر کو پسند نہیں کرتا بلکہ پسند تو خیر ہی کو کرتا ہے۔

Marfat.com

شرّ ترکِ خیر ہے اور خیر ترکِ شرّ۔ سوائے شرّ کے خیر کا وجود ناممکن ہے جیسا کہ ایمان کفر کے بعد ممکن ہوتا ہے۔ اسلئے ایمان کفر کے لوازم میں سے ہُوا تو پس خیر اور شرّ آپس میں لازم ملزوم ہیں اور لاینجزی ہیں۔ لہذا خیر اور شرّ حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں اور دونوں کا خالق ایک ہے۔ شرّ محض کا وجود عالم میں پایا ہی نہیں جاتا۔ اگر ایک چیز مِنْ وَجہٍ شرّ ہے تو دُوسری وجہ سے وُہ خیر ہے۔ مثلاً زہر بُری چیز ہے۔ اِس کے کھانے سے اِنسان ہلاک ہو جاتا ہے لیکن بعض اَدویہ میں زہر ڈال کر مریض کو کھلائی جاتی ہے۔ اُس مریض کو وُہ زہر تریاق کا کام دیتی ہے۔

ہر چیز کے متعلق ارادہ دراصل اُس چیز کے لوازمات کے متعلق ارادہ ہے مثلاً اِنسان پسند کرتا ہو کہ وُہ شاکر مطیع اور متّقی ہو اور یہ اُسی صُورت میں ممکن ہے کہ اُس کے دِل میں شُکر طاعت اور تقویٰ کے ترک کرنے کی خواہشات موجُود ہوں۔ لیکن چُونکہ اِنسان اِن لوازمات کو پسند نہیں کرتا اسلئے مجاہدہ کرتا ہے کہ اَیسی خواہشاتِ بد کا اُس کے نفس سے اِزالہ ہو جائے۔ پس معلوم ہُوا کہ اُس کا شرّ کے متعلق ارادہ رکھنا کسی ایک وجہ سے ہے اور شرّ کے متعلق ارادہ نہ رکھنا بھی کسی ایک وجہ سے ہے۔

شرّ کا ارادہ ایک قبیح چیز ہے جبکہ وُہ عین شرّ کیلئے ہو لیکن اُس کا ارادہ غیر شرّ کے لئے ہو تو وُہ قبیح چیز نہ ہو گی لِقَوْلِهٖ تَعَالیٰ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (اور قتل کے بدلے میں قتل کرنے سے تمہاری زندگی ہے بقرہ ع ۲۲)۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ قصاص بُری چیز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بُنیاد کو گرانے کے مترادف ہے لیکن یہ ایک جُزدی شرّ ہے اور حقتعالیٰ کی مخلوق کو قتل سے بچانا خیر کلّی ہے۔ اب شرّ جُزدی کا ارادہ ترک کر کے شرّ کُلّی پر رضامند ہو جانا تو نہایت ہی قبیح ہے۔ مثلاً ماں بچّے کو بعض بُری حرکات پر نہیں جھڑکتی کیونکہ اُس کی نظر شرّ جزوی پر ہوتی ہے لیکن باپ اُسے جھڑکتا ہے کیونکہ اُس کی نظر شرّ کُلّی پر ہوتی ہے۔ ماں اسلئے نہیں جھڑکتی کہ بچّہ روئے گا تنگ کرے گا اور تکلیف ہو گی لیکن باپ جانتا ہے کہ اگر اِن حرکات کا ابھی سے قلع قمع نہ کیا گیا تو یہ بچّہ بڑا ہو کر خلقِ خدا کو ایذا پہنچائیگا اسلئے جھڑکتا ہے۔

حقتعالیٰ معاف کرنیوالے بخشنے والے اور سزا دینے والے ہیں لیکن معافی بخشش اور سزا کیصورت تب ہی ممکن ہے جب اِنسان گناہ کرے تو پس حقتعالیٰ ارادہ رکھتے ہیں کہ اِنسان گناہ میں مبتلا ہو تاکہ اُن کی رحمت کا ظہور ہو اور اگر اُس کو سزا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بھی اُس کو گناہ میں مُبتلا کر دیتے ہیں تاکہ وُہ سزا کے قابل بن جائے۔ تو پس کسی چیز کے متعلق ارادہ گویا اُس چیز کے لوازم کے متعلق ارادہ ہوتا ہے جیسا آنحضور آنکھوں کے نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں کسب کرنے اور تحصیلِ مال کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنْفِقُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

راستہ میں خرچ کرو۔ بقرہ۔ ع ۴۴ ۲) اور مال کا خرچ کرنا تب ہی ممکن ہے جب مال موجود ہو تو گویا حقتعالیٰ نے تحصیلِ مال کا حکم صادر فرمادیا ہے۔ یا مثال کے طور پر ایک شخص دُوسرے کو کہتا ہے "اُٹھ۔ نماز پڑھ" تو گویا اُس نے اُسے وضو کرنے پانی حاصل کرنے غرضیکہ تمام لوازمات کے متعلق حکم دیدیا ہے ۞

سورہ ماعُون

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۙ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۙ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۙ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۞

پھر کم بختی ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور ریا و نمائش کرتے ہیں اور چھوٹی چیزوں تک میں بخل کرتے ہیں ۞

تاج الدین قبائی کہا کرتا تھا کہ یہ کج فہم عُلماء ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم کو بھی بے اعتقاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ لوگ ہرگز ہم میں سے نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کُتے کے گلو میں طوقِ زرّیں ڈال دیتے ہیں۔ محض اُس طوق کیخاطر اُس کو شکاری کُتا نہیں کہا جائیگا۔ شکاری ہونا ایک وصف ہے۔ طوق خواہ زرّین ہو خواہ پشمین۔ یہ عالمیت جُبّہ و دستار سے نہیں ہوتی بلکہ عالمیت انسان کی ذات میں ایک ہُنر ہے خواہ قبا و عبا ہو یا نہ ہو۔ یہ کج فہم عُلماء مُسلمانوں کو ایسے ہی گمراہ کر رہے ہیں جیسے ہنصرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں منافقین دین پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُنہوں نے بھی نماز کا جامہ پہنا ہُوا تھا تاکہ مومنین کو راہِ دین سے ہٹا دیں اور یہ ممکن نہ تھا جب تک وُہ اپنے آپ کو مُسلمان نہ بنائیں۔ کیونکہ اگر عیسائی و یہودی دین کے کسی معاملہ میں اعتراض کرتے تو اُس کی کون سُنتا ہے۔ اسلئے منافقین نے اسلام کا لباس پہن لیا تاکہ کسی بہانہ مومنین میں داخل ہو کر اُن کے دِلوں میں وساوس ڈالے جائیں اور دین سے بداعتقاد کیا جائے بِقَوْلِهٖ تعالیٰ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ یعنی حقتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین لوگ مسلمانوں میں صرف دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اور گھروں میں نماز کی پرواہ نہیں کرتے اور اور دُوسرے اِن کی علامت یہ ہے کہ یہ پرلے درجے کے بخیل ہیں ۞

سُخن کُلّی یہ ہے کہ تُو نُور تو رکھتا ہے لیکن آدمیت نہیں رکھتا۔ آدمیت طلب کر کیونکہ مقصود یہی ہے۔ باقی سب فروعات ہیں۔ یعنی اے حضرتِ انسان! حقتعالیٰ نے تیرے سینہ میں دُرِّ معرفت رکھا ہُوا

ہے لیکن تو اِس طرف توجہ نہیں کرتا۔ تیرے اندر آبِ حیات کا چشمہ موجود ہے لیکن تو دل کی زمین کو کھودنا نہیں جانتا۔ تیری پیدائش کی علّت غائی معرفتِ الٰہی ہے تو پس اَے عزیز! تیرا مقصود معرفتِ الٰہی ہے۔ باقی تمام علوم و فنون فروعات ہیں۔ کلام جب بہت دراز ہو جاتا ہے اصل مقصود فراموش ہو جاتا ہے۔

ایک سبزی فروش ایک عورت کیساتھ محبت رکھتا تھا۔ ایک دِن اُس نے اُس عورت کی لونڈی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ میں آپ کے عشق میں جل رہا ہوں۔ گھڑی بھر چین نہیں۔ آپ کے ہجر نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔ آج مجھ پر یہ گذری کل وُہ گذری۔ الغرض بڑے لمبے چوڑے قصّے بیان کئے۔ جب وُہ کنیزک اُس عورت کی خدمت میں پہنچی تو کہا۔ وُہ سبزی فروش آپ کو سلام دیتا ہے اور کہتا ہے آ تا کہ میں آپ کیساتھ ایسا کروں۔ وُہ بولی۔ ہیں! ایسا کلمہ اور ایسی سَرد مہری سے؟ لونڈی نے جواب دیا اُس نے تو بڑے لمبے چوڑے قصّے بیان کئے مگر مقصود یہ تھا۔ اصل مقصود یہ ہے باقی سب درد سر ہے۔ مُراد یہ ہے کہ انسان کا اصل مقصود معرفتِ الٰہی ہے باقی جُملہ علوم و فنون فروعات ہیں۔

سورۃ نصر

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جب خداوند تعالیٰ کی مدد پہنچے اور مکہ معظمہ فتح ہو اور آپؐ لوگوں کو اللہ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

کے دین میں جوق جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو پھر اپنے رَبّ کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اُس سے استغفار کی درخواست کیجئے تحقیق وُہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے۔

مفسّرانِ ظاہر بین اِس سورہ کی تفسیر میں اسطرح فرماتے ہیں کہ جناب سیّدِ کُل ختمِ رُسل حضور نبی کریم نورِ قدیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بوجہ عُلوِّ ہمّت کے اِرادہ رکھتے تھے کہ تمام عالَم کو مُسلمان بنادیں اور راہِ خُدا پر لے آئیں۔ جب آپؐ نے اپنے وصالِ مُبارک کا وقت قریب دیکھا تو افسوس ظاہر کیا کہ آہ! ہماری عُمر نے مہلت نہ دی کہ جُملہ عالَم کو دعوتِ اسلام دے سکیں۔ حقتعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ غم نہ کھائیں۔ جب آپؐ عالَمِ جاودانی کیطرف انتقال فرما جائیں گے تو ہم کئی ممالک اور کئی شہر بے لشکر و شمشیر مطیع و مومن بنادیں گے اور اُس کی نشانی یہ ہے کہ آپؐ کے وصالِ مبارک کے قریب آپؐ دیکھ لیں گے کہ لوگ دُور دراز سے آکر جُوق در جُوق اسلام میں داخل ہوں گے۔ جب یہ نشانی آپہنچے تو جان

Marfat.com

سمجھنے کہ جنابؐ کے انتقال کا وقت آپہنچا۔ تو پھر اُس وقت تسبیح و تحمید کیجئے اور اُمت کے گناہوں کیلئے بخشش مانگیئے کیونکہ آپؐ اب ہمارے پاس آنیوالے ہیں۔

لیکن محققین اقطاب عارفین رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی خیال کرتا ہے کہ وُہ اوصاف ذمیمہ کو اپنے عمل اور مجاہدہ سے اپنے وُجود سے دُور کر دے گا۔ اور منزلِ مقصود پر پہنچ جائیگا۔ جب بہت کثرت سے مجاہدات کرتا ہے اور تمام قوتیں اور سامان راہِ حق میں خرچ کر دیتا ہے تو نااُمید ہو جاتا ہے۔ اُس وقت حقتعالیٰ فرماتے ہیں کہ تُو نے خیال کیا تھا کہ یہ دُرِّ معرفت تُو اپنی قوّت و فعل و عمل سے حاصل کر لیگا۔ یہ تو ہماری ایک مقرّر کردہ سُنّت ہے۔ یعنی جو کچھ تُو رکھتا ہے ہماری راہ میں خرچ کر دے بعد ازآں ہماری بخشش آپہنچتی ہے۔ کیا تجھ کو ہم یہ فرماتے ہیں کہ اس راہِ بے پایاں میں اِن ضعیف دست و پا کے ساتھ سَیر کر؟ ہم کو معلوم ہے کہ اِن ضعیف دست و پا کے ساتھ تُو اس راہ کو طے نہیں کر سکتا بلکہ صد ہزار سال میں تُو اس راہ کی ایک منزل بھی طے نہیں کر سکتا۔ البتہ جب تُو اس راہ پر چلتا ہے اور چلتے چلتے بالآخر تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور تجھ میں چلنے کی ذرہ بھر طاقت نہیں رہ جاتی تو اُس کے بعد عنایتِ حق آکر تجھے اُٹھاتی اور اپنے کندھوں پر سوار کر لیتی ہے جیسا کہ جب تلک طفل شیر خوار ہوتا ہے اُس کو کندھوں پر اُٹھائے پھرتے ہیں اور جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُس کو اپنے آپ پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ چلے پھرے۔ اُس وقت جب تُو ساری قوتیں رکھتا تھا اور بڑے سخت مجاہدات کرتا تھا گاہے بگاہے ہم تجھ کو خواب میں اور بیداری میں اپنا لُطف دکھاتے تھے جس سے تُو ہماری طلب میں قوّت پکڑتا تھا اور ہمارے وصال کا اُمیدوار ہو جاتا تھا۔ اب جبکہ تیری ساری قوتیں ختم ہو کر رہ گئی ہیں ہماری عنایات و الطاف کو دیکھے گا۔ جس وقت تُو اپنے آپ سے نظر اُٹھالے اور اپنے دست و پا کو بغیر ہماری عنایت اور ہدایت کے باقوت نہ سمجھے ہماری عنایت اور ہمارا جذبہ آن پہنچتے ہیں اور تجھ کو کندھوں پر اُٹھا لیتے ہیں۔ اور ہماری عنایت کی فوجیں اس بھاری تعداد میں آن پہنچتی ہیں کہ جن کا ایک ذرہ بھی باوجود لاکھ کوشش کے تُو نہ دیکھ سکا۔ اس مقام پر پہنچ کر فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یعنی اپنے رَبّ کی تسبیح و تحمید کر وَاسْتَغْفِرْهُ اور اس خیال سے استغفار پڑھ جو تُو رکھتا تھا کہ یہ کمال تُو اپنی قوّت سے حاصل کرے گا اور تیری نظر ہم پر نہ تھی۔ اب جب تُو نے دیکھ لیا ہے کہ اس کا مدار ہمارے فضل پر ہے تو استغفار پڑھ کیونکہ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا یعنی تحقیق وُہ بڑے توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ اخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپؐ فرما دیجئے وہ اللہ ایک ہے ۔

اگر کوئی شخص کسی عارف باللہ کے کلام کرنے کے دوران سو جاتا ہے تو اس کا یہ سونا غفلت کیوجہ سے نہیں ہوتا بلکہ امن کیوجہ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ جب ایک قافلہ راہ صعب میں خوف زدہ ہو کر شب تاریک میں چلتا ہے تو قافلے والے خوف کی وجہ سے خوب تیزی سے چلتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمنوں سے کوئی آفت پہنچے۔ جونہی کتوں اور مرغوں کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے اور وہ گاؤں میں داخل ہو جاتے ہیں تو خوف سے فارغ ہو جاتے ہیں اور دراز ہو جاتے ہیں اور خوش خوش سو جاتے ہیں۔ رستہ میں اگرچہ کوئی آواز و غلغلہ نہ تھا لیکن خوف کی وجہ سے وہ سو نہ سکے۔ گاؤں میں باوجود غلغلۂ سگان و خروش خروس بوجہ اطمینان قلب وہ خوش خوش سو جاتے ہیں۔ عارف کا کلام بھی آبادی و امن کے مترادف ہے۔ چونکہ اس کے کلام میں انبیاء و اولیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہوتا ہے اسلئے جب ارواح محبوبوں کا تذکرہ سنتی ہیں تو امین ہو جاتی ہیں اور خوف سے خلاصی پا جاتی ہیں کیونکہ اس کلام سے امید و دولت جاوید کی خوشبو مشام جان تک پہنچ جاتی ہے جیسا کہ ایک شخص جب شب تاریک میں ایک قافلے کے ہمراہ ہوتا ہے اور بغایت خوف کی وجہ سے ہر لحظہ خیال کرتا ہے کہ راہزن کاروان کیساتھ مل گئے ہیں تو اسوقت وہ چاہتا ہے کہ اپنے ہمراہیوں کا کلام سنے کیونکہ وہ کلام سے ان کو شناخت کرتا ہے۔ جب ان کا کلام سنتا ہے تو امین ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حقتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ اَعْنِیْ یَا مُحَمَّدِ پاک صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ اِقْرَأْ یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپؐ کلام فرمائیے کیونکہ جنابؐ کی ذات شریف لطیف ہے اسلئے لوگوں کی نظر بیل جنابؐ تک نہیں پہنچتیں۔ جب آپؐ کلام فرمائیں گے تو وہ پالیں گے کہ آپؐ ان کے محبوب و مقصود ہیں۔ ارواح امین ہو جائینگی اور قرار پکڑیں گی جیسا کہ ایک کھیت میں ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے بغایت خوردگی کیوجہ سے وہ نظر نہیں آتا۔ جب بولتا ہے تو لوگ اس آواز کیواسطہ سے اسے دیکھ لیتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ خلائق دنیا کے کشت زار میں مستغرق ہیں اور آپؐ کی ذات جامع الصفات بغایت لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اسلئے آپؐ کلام فرمائیے تاکہ وہ آپؐ کو شناخت کریں ۔

Marfat.com

فائدہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یعنی اے حبیب کریم صلی اللہ علیک وسلم! آپ فرما دیجئے کہ وُہ اللہ ایک ہے۔ کیسے ایک ہے؟ یعنی اُس کے بغیر دُوسرا موجود ہی نہیں ہے کقولہٖ تعالیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَیْ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰه یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی موجود نہیں ہے ؎

کجا غیر کو غیر گو نقش غیر! ❖ سوی اللہ واللہ ما فی الوجود (جامیؒ)

مُراد یہ ہے کہ جملہ موجودات کا وجُود ساتھ باری تعالیٰ کے ہے جیسا کتاب کے جملہ حروف الفاظ اور کلمات کا وجُود ساتھ سیاہی کے ہے۔ تو پس وُہ ذات باوجُود جملہ عوالم کی صُوَر پر ظاہر ہونے کے اپنی صرافت ذاتی پہ قائم ہے اور اُس میں کوئی فرق نہیں آیا یعنی کثرت کے آئینہ میں ہر دم وحدت کا جمال نظر آرہا ہے۔

دُوسرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ فرما دیجئے هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ قرآن مجید میں جس جگہ بھی هُوَ کا لفظ آیا ہے اُس سے مُراد آنسرور انبیاء امام الاولیاء سیّد کُل فخر رُسُل اُستادِ کُل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جیسے حضرت شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ کے خُطبہ میں فرماتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ط این کلمات اعجاز سمات ہم مشتمل بر حمد وثنائے الٰہی است تعالیٰ وتقدس کہ در کتاب مجید خطبۂ کبریائی خود بداں خواندہ و ہم متضمن نعت و وصفِ حضرت رسالت پناہی است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ وی سبحانہٗ اورا بداں تسمیہ و توصیف نمودہ۔ (ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وہی اوّل اور آخر اور ظاہر اور باطن ہیں اور وُہ ہر شئے کے جاننے والے ہیں۔ یہ کلمات اعجاز سمات ذاتِ الٰہی بلند اور پاک کی حمد وثنا پہ بھی مشتمل ہیں کہ حقتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی کبریائی کا خُطبہ اسی آیۂ کریمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور وصف کو بھی متضمن ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہی اسماء کے ساتھ نام رکھا اور وصف کیا ہے۔ اور صفحہ ۳/۱ قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ کی تفسیر میں فرمایا۔ وَوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داناست بر ہمہ چیز از شیونات ذاتِ الٰہی واحکام صفاتِ حق و اسماءِ افعال وآثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن اوّل وآخر احاطہ نمودہ و مصداق فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ شدہ عَلَیْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتِ الٰہی کے سب شیونات اور صفاتِ حق کے احکام اور افعال و آثار کے اسماء کو جاننے والے ہیں اور تمام علوم ظاہر اور باطن اوّل اور آخر پر احاطہ کئے ہوئے ہیں اور فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ہے) کے مصداق ہیں۔ علیہ

Marfat.com

من الصّلوات افضلها و من التحیات اتمہا و اکملہا۔ تو پس آیۂ کریمہ کا مقصد یہ ہُوا کہ اے محبوب پاک صلی اللہ علیک وسلم! آپ اپنی زبان پاک شیریں تر از نبات سے خود فرما دیجیے کہ ھُوَ یعنی اَنْتَ اللّٰہُ اَحَدٌ ہیں تا کہ عاشقانِ مولا کو قرار نصیب ہو جائے کیونکہ آپ کی زبان پاک کو ہر عاشق قرآن مجید سمجھتا ہے کقولہٖ تعالیٰ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ (قرآن مجید جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ الحاقہ) اسلیئے آپ نے بفرمانِ الٰہی فرما دیا اَنَا اَحْمَدُ بِلَا مِیْمٍ میں احمدؐ بے میم ہُوں یعنی میں احد ہوں۔ اِس حدیث شریف کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ رسالہ اسرارِ حقیقی المعروف مکتوب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری میں نقل فرماتے ہیں۔ نیز حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ قصیدہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

گفت اَنَا اَحْمَدُ بِلَا مِیْم ✿ از زبان پاک احمدِ مختار
قُلْ ھُوَ اللّٰہُ وصفِ احمد دان ✿ وز میانش ولیک میم بر آر

یعنی اللہ تعالیٰ نے احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے خود فرمایا اَنَا اَحْمَدُ بِلَا مِیْمٍ یعنی میں احد ہوں۔ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف جان لیکن اُس کے درمیان سے میم کا حرف نکال دے۔

اور حضرت سید محمد کالپوری رحمۃ اللہ علیہ رسالہ علم حقیقت میں فرماتے ہیں قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَا اَحْمَدُ بِلَا مِیْمٍ وَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَا اَلْمُسَمّٰی عَلَی الْاَرْضِ بِمُحَمَّدٍ وَ فِی السَّمَاءِ بِاَحْمَدَ وَ فِی الثَّرٰی بِمَحْمُوْدٍ وَ عَلَی الْعَرْشِ بِاَحَدٍ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں احمدؐ بے میم ہوں۔ اور فرمایا میرا نام زمین پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آسمان میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ثریٰ میں محمود اور عرش پر احد ہے۔

علاوہ بریں امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ مواہب اللدنیہ کے صفحہ ۱۸۲ پر فرماتے ہیں مِنْ اَسْمَائِهٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَحَدُ وَ الْجَبَّارُ وَ الْغَفُوْرُ وَ الْمُخْتَارُ یعنی احد اور جبار اور غفور اور مختار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک سے ہیں۔

الحاصل جو کچھ ذاتِ خداوندی میں مستتر اور پوشیدہ تھا اُس نے اپنی مرآتِ مصقولہ یعنی حقیقتِ محمدیہ میں ظاہر فرمایا علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کیونکہ حضراتِ قدیمہ الٰہیہ میں مرتبۂ وحدت یعنی حقیقتِ محمدیہ از روئے ابہام و عدم تمیز شیون احدیت مطلقہ کا تعین اول ہے۔ پس در حقیقت تمام انواع میں

Marfat.com

ظہورِ احمدی اور وجودِ احدی ہے۔

ظہورِ تو بمن است و وجودِ من از تست
فَلَسْتَ تَظْهَرُ لَوْلَائِیْ لَمْ اَکُنْ لَوْلَاکَ

اور حدیث قدسی میں ہے لَوْلَاکَ لَمَا ظَهَرَتْ رُبُوْبِیَّتِیْ یعنی اگر نہ ہوتا تُو تو البتہ نہ ظاہر ہوتی میری ربوبیت۔ اور فرمایا حق سبحانہٗ نے وَمَا ظَهَرْتُ کَظُهُوْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ یعنی نہیں ظاہر ہُوا میں کسی چیز میں جیسے کہ ظاہر ہُوا ہُوں انسان میں۔ ان ہر دو احادیث شریف میں حقیقتِ محمدیہ کا بیان ہے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔

تمت بالخیر

سببِ تالیف تفسیر رومیؒ

جب میرے اعلیٰ حضرت قبلۂ عالمیان خاتم الاولیاء غوث اعظم ثانی سیدی ومرشدی مولانا پیر غلام محمد صاحب قبلہ امام جلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کیطرف انتقال فرمایا تو غم کا پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑا۔ حکیم مطلق نے میرا غم غلط کرنے کی خاطر میرے دل میں القا کیا کہ حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم قدس سرہٗ کے ملفوظات شریف "فیہ ما فیہ" سے تفسیر رومیؒ اردو زبان میں تالیف کرنی چاہیئے۔ خیال گذرا کہ مصنف سے اس امر کی اجازت لینی ضروری ہے۔ رات کو حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ کی زیارت خواب میں اس حال میں نصیب ہوئی کہ آپ بہت ہی ہنس رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر کو مسکین نے آپ کی اجازت پر محمول کیا۔ بعد میں خیال گذرا کہ اس کارِ خیر کیلئے اس مسکین کو پورے طور پر منہمک ہونا پڑے گا اسلئے اپنے پیر ومرشد رضی اللہ عنہ کی اجازت بھی ضروری ہے۔ رات کو خواب میں قبلۂ عالمیان اعلےٰ حضرت جناب سیدی ومرشدی قبلہ امام جلوی رضی اللہ عنہ کی زیارت پُر بشارت اس حال میں نصیب ہوئی کہ آپ مجھ کو لغات کشوری عطا کر رہے ہیں۔ یہ مسکین سمجھ گیا کہ آپ مجھے "فیہ مافیہ" سے تفسیر رومی تالیف کرکے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ "فیہ مافیہ" فارسی نثر میں ایک رسالہ ہے جو حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ کے ملفوظات شریف پر مشتمل ہے۔ اجازت تو مل گئی لیکن مغاغیل

Marfat.com

گذرا کہ حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ کے ملفوظات شریف قرآن مجید واحادیث شریف کے اسرار ورموز کا گنجینہ ہے۔ حضرت مولانا رُوم علیہ الرحمۃ کا ادراک نہایت ہی عالی ہے۔ اِس مسکین کیلئے اُن حقائق ودقائق کا سمجھنا شاید مشکل ہو۔ رات ہی کو خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بلند گھوڑا ہے اور قبلۂ عالمیان اعلیٰ حضرت سیدی ومُرشدی ومولائی رضی اللہ عنہ اس مسکین کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر گھوڑے پر سوار کر رہے ہیں اور گھوڑا بھی اپنی پُشت نیچی کر رہا ہے یہ مسکین سمجھ گیا کہ اُونچا گھوڑا حضرت مولانا رُوم صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ کا عالی ادراک ہے۔ اور سیدیؒ مُرشدی ومولائی رضی اللہ عنہ اِس مسکین کو اُس اِدراک پر سوار کر رہے ہیں۔ اور حضرت مولانا رُوم علیہالرحمۃ خود اِس مسکین کو اُن حقائق ودقائق کے فہم کیلئے ہمت وتصرف سے کام لینے کو تیار ہیں ❊

اِن مبارک بشارتوں کے بعد اِس مسکین نے پہلے تفسیر رُومی تالیف کی اور بعد میں اُس کا اُردو ترجمہ پیش کیا۔ وَمِنَ اللّٰہِ اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مِمَّنْ اُیِّدَ فَتَاَیَّدَ وَاُیِّدَ وَقُیِّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحَمَّدِیِّ الْمُطَهَّرِ فَتَقَیَّدَ وَقَیَّدَ وَاَنْ یُحْشَرَ مَا فِیْ زُمْرَتِهٖ کَمَا جَعَلَنَا مِنْ اُمَّتِهٖ ۝ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

دُعا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اِلٰہ العالمین! اِس مسکین کی یہ محنت قبول فرما اور اِس سے مسلمانوں کو نفع پہنچا اور صدقہ خاتم الاولیاء حضرت غوث اعظم پاک محبوب سبحانی پیران پیر دستگیر میراں محی الدین باز اشہب سلطان شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرکار دو عالم محبوب رب العالمین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین جناب حضرت محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دُوسرا نمبر ہے اور آسمانِ ولایت کے قمر ہیں لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا اِس مسکین کو مقامِ تمکین واستقامت نصیب فرما اور حضرت غوث اعظم پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ اقدس کا قُرب نصیب فرما۔ آمین ثم آمین وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

مسکین عطا محمد عفا اللہ عنہ الصمد گوجرانوالہ پاکستان ۱۵ ربیع صفر ۱۳۸۶ھ

امام المفسرین سرتاج الواصلین شہنشاہ فقر وفنا خاتم الاولیاء، منبع جود وسخا،
غوث الوریٰ سراپا عطاء ہی عطا، سیدنا پیر عطا محمد قادری جلوی رضی اللہ عنہ

کی تصانیف

قیمت	نام کتب	نمبر شمار
۱۰۰۰ روپے	اَسْرَارُ الْقِدَمْ مِنْ فُصُوصُ الْحِکَمْ	۱۔
۸۰۰ روپے	یَنْبُوعُ الْغَیب مِنْ فُتُوحُ الْغَیب	۲۔
۱۰۰۰ روپے	تحقِیقُ الْاَولیَاء فِی شَان سُلطَانُ الْاَ صُفیاء (جلد اول)	۳۔
	تحقِیقُ الْاَولیَاء فِی شَان سُلطَانُ الْاَ صُفیاء (جلد دوم)	۴۔
۳۰۰ روپے	بَغدادیؒ گلشن فِی شرح مِراۃُ العَارفین	۵۔
۵۰۰ روپے	تفسیر جَلویؒ	۶۔
۲۰۰ روپے	تفسیر رسالہ بَرزخ جامعؒ	۷۔
۵۰۰ روپے	تفسیر رُومیؒ	۸۔
۱۰۰ روپے	رسالہ بَرزخ جامعؒ	۹۔
۵۰۰ روپے	تفسیر غوثیہؒ	۱۰۔

ملنے کا پتہ : دربارِ غوثیہ بالمقابل مراد آئی ہسپتال جی، ٹی، روڈ گوجرانوالہ شریف

Marfat.com

تفسیر رومیؒ

Marfat.com